بہر یاد رفتگان قوم باید یادگار!
تا بماند بعد مُردن نام تو اندر جہاں

تاریخ مسلم یادوبنسی راجپوت

المخاطب بہ خانزادہ

موسوم بہ

مُرقّع میوات

مؤلفہ

خانزادہ شرف الدین احمد شرف سابق ہیڈ ماسٹر
متوطن موضع سانٹھاواڑی تحصیل فیروزپور جھرکہ
ضلع گوڑگانوہ

زیر انتظام: ماہنامہ نوائے خانزادہ راجپوت کراچی

شکریہ

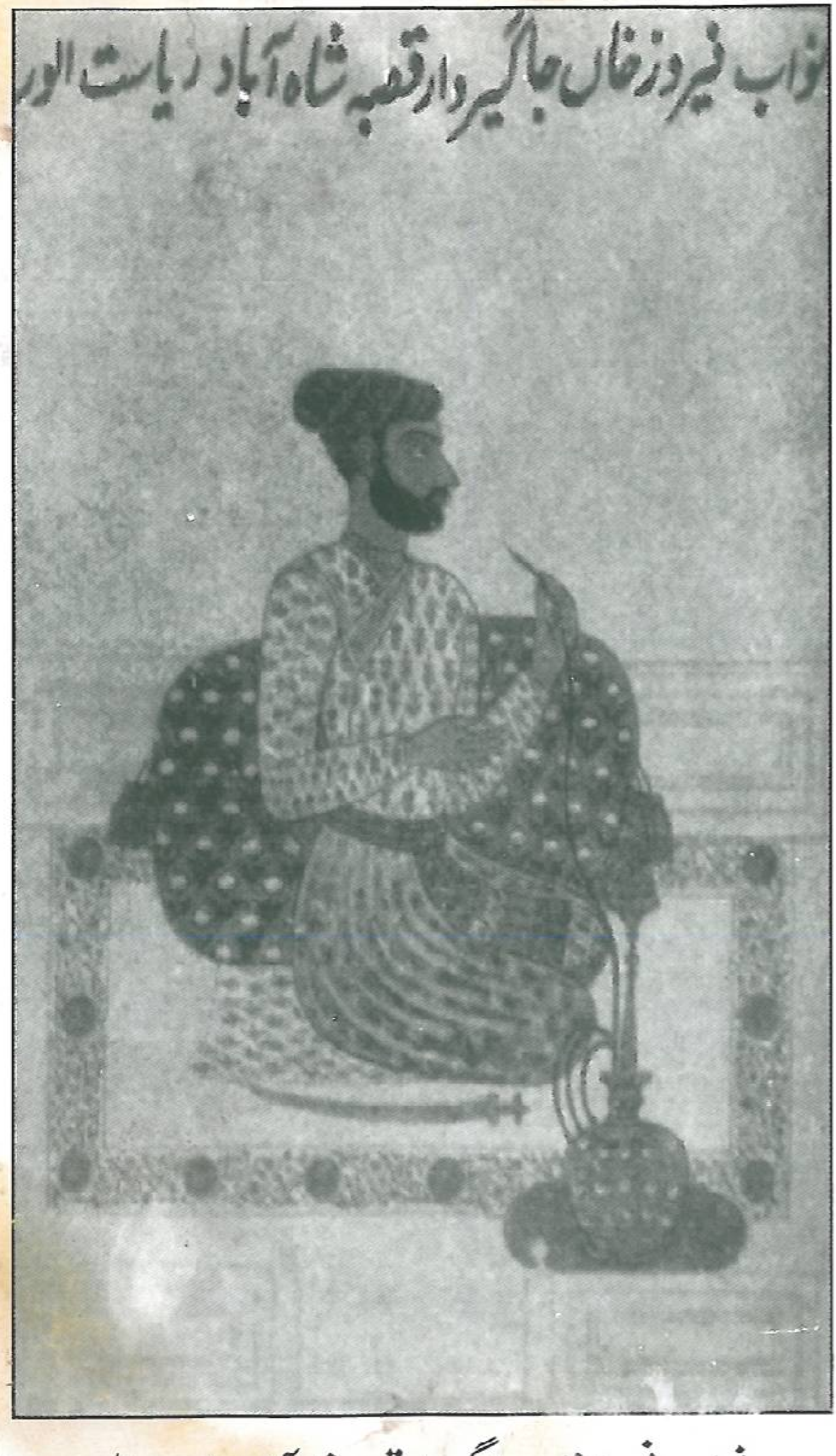
میں اپنی قوم کے جملہ ممبران انجمن قوم خانزادہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے دلی شوق کے ساتھ اس قومی تاریخ کے لکھنے کے لئے ہمت و حوصلہ دلایا جس کی وجہ سے میرے لئے یہ کام آسان ہوگیا۔ لہٰذا اب میں اس نادر تحفہ کو جملہ بزرگان و نوجوانان قوم کے علاوہ تمام شائقین علم تاریخ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف ؎

اگر ایں پیش کش منظور گردد مرا ایں سعی ہم مشکور گردد

(خانزادہ) شرف الدین احمد مصنف تاریخ ہذا و نیز مصنف رسالہ جات شہادت امام حسین و تحقیق اقوام ہند۔ و رسالہ صلح کل و انسانی تقدیر و گفتگو رکھشا و ہندو مسلم اتفاق و دیہاتی مدرس کی مشکلات وغیرہ۔ متوطن موضع سانٹھا واڑی تحصیل فروز پور جھرکا ضلع گوڑگانوہ۔



خانزادہ شرف الدین احمد شرف



نواب فیروز خاں جاگیردار قصبہ شاہ آباد ریاست الور

انتساب

ان کے نام جن کے تعاون سے
اس کتاب کی دوبارہ اشاعت
ممکن ہو سکی۔

نام کتاب　مرقعِ میوات

مصنف　خانزادہ شرف الدین احمد شرف

باراول　1935ء

باردوئم　جولائی2002ء

تعداد　ایک ہزار

پبلشر　صوبیدار میجر عبدالحمید خانزادہ

پرنٹر　شاہد احمد خانزادہ

ماہنامہ نوائے خانزادہ راجپوت کراچی

قیمت 1000 روپے

فہرست مضامین تاریخ ہذا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب متفرقات

التماس

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست۔
آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید۔

جمیع ناظرین تاریخ ہذا کی خدمت میں التماس ہے کہ مدت سے خاکسار کے دل میں مسلم یا دونسبی راجپوت المخاطب یہ خانزادہ قوم کی ایک ایسی صحیح اور مکمل تاریخ لکھنے کی آرزو تھی جس میں اس قوم کے واقعات گذشتہ و حال اور سلسلہ انساب از ابتدا تا انتہا درج کئے جائیں۔ تاکہ یہ قوم اپنے حسب ونسب اور قومی کارناموں سے بخوبی واقف ہو جائے۔ اور یہ تاریخ قوم کے لئے ایک سند متصور ہو سکے۔

اگرچہ اس قوم کے اندر بڑے بڑے نامور اور مشہور عالم مشاہیر گذرے ہیں جن کے نام آسمان تاریخ کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے کے مستحق ہیں۔ لیکن آج تک جس قدر یادونسبیوں کی تاریخیں میرے مطالعہ سے گذری ہیں ان میں کسی کے اندر بھی اس قوم کے مفصل حالات درج نہیں ہوئے لہٰذا قوم کے پاس خاطر سے نہایت محنت اور کوشش جستجو اور صرف زر کثیر سے مستند و معتبر تاریخوں۔ قلمی نسخوں۔ پرانے کتب خانوں اور جدید لائبریریوں کی مدد سے مشرح حالات لکھے گئے ہیں۔ اور اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ جاگاؤں یا کبیشروں وغیرہ کے اقوال و روایات کو حتی الامکان شامل نہیں کیا گیا ہے۔ جن میں قدرے مبالغہ کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے اگرچہ بدبختی باگاؤں کا قاعدہ ہندوستان کے سوا دنیا بھر کا کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا۔

چونکہ مجھے اپنے قومی حالات معلوم کرنے کا ابتداہی سے شوق رہا ہے اسلئے مختلف اوقات

میں مختلف مضامین جس جگہ سے حاصل ہوسکے وہ جمع کرتا رہا۔ لیکن مکمل تاریخ کے لئے یہ مضامین ناکافی تھے۔ لہٰذا ماہ جنوری ۱۹۳۲ء کو ہیڈ ماسٹری سے ریٹائر ہونے کے بعد میں نے اپنا تمام وقت اسی کام کے لئے وقف کر دیا۔ میرے عزیز شاگرد چودھری عبدالستار خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی نے اس کام میں میری کافی مدد کی ہے۔ وہ اپنے ضروری کاموں کو چھوڑ کر بھی ایام رخصت میں میرے ہمراہ ہمیشہ رہے۔ منشی یعقوب خاں صاحب پٹواری نے بھی مجھے وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔ جمعدار احمد خاں صاحب نے بھی مجھے رام پور کا کتب خانہ مطالعہ کرانے میں پوری مدد کی۔ ورنہ رام پور کا کتب خانہ دیکھنا ہرگز نصیب نہ ہوتا کیونکہ دس روز تو اس کے مطالعہ کی امیدواری میں ہی گذر گئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ صاحبان میری امداد نہ فرماتے تو یہ کام میرے لئے زیادہ دشوار ہو جاتا اسلئے مندرجہ بالا صاحبان کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔

تاریخی مصالح حاصل کرنے کے لئے میں دہلی۔ علی گڑھ۔ بھرت پور۔ آگرہ۔ لکھنو۔ اندور تجارہ۔ الور۔ بلند شہر۔ فردلی۔ جے پور۔ رام پور۔ اور اٹاوہ تک پہنچا۔ اور کافی مصالح جمع کیا اس قومی تاریخ کے لکھنے کا خیال مجھے یوں پیدا ہوا کہ فیروز پور جھرکہ میں اصلاح رسومات کی تقریب پر قوم کے چیدہ جوان و بزرگ جمع ہوئے تھے۔ اثناء گفتگو میں تعلیم یافتہ نوجوانوں سے میں نے دریافت کیا۔ کہ عزیزو یہ تو بتاؤ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کب مسلمان ہوئے۔ کس نے اور کسطرح مسلمان بنایا۔ پہلے تمہاری قدر و منزلت کیسی تھی۔ اور اب وہ کیوں جاتی رہی۔ غیر قوموں کا تمہارے متعلق کیا خیال ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سوالوں کے جوابوں سے سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ یہ سنکر مجھے سخت افسوس ہوا۔ کہ موجودہ روشنی کے زمانہ میں ہمارے نوجوان تعلیم یافتوں کے لئے اپنی قوم و خاندان اور گھر کے حالات سے ناواقفیت سخت افسوسناک امر ہے ؎

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست　　چوں ندانی کہ در سرائے کیست

آخر مجھے خیال ہوا کہ اپنے بزرگوں کی بزرگی و شرافت۔ ترقی و تنزل اور جاہ و حشمت کے حالات بہم نہ پہنچانا ایک قومی گناہ ہے۔ لہٰذا اگر جلد ہی قومی تاریخ تیار نہ کی گئی تو پھر اسلاف کا نام لیوا کوئی نظر نہ آئیگا۔ اور اگر آج اغیار کے حملوں کا دنداں شکن جواب نہ دیا گیا تو کچھ عرصے بعد خاموشی بھی بکواس ناواقفوں کے لئے سند بن جائیگی۔ نیز اپنے بزرگوں کی

شاندار کارناموں کی واقفیت بہم پہنچانا اور اُن کو یاد رکھنا قوم کے ہر چھوٹے بڑے کا فرض ہے۔ خصوصاً ہندوستان جیسے فلک میں جہاں خاندانی اور قومی امتیاز و خصوصیت ہماری مجلسی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالا کرتی ہے حالات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

اس تاریخ کی تصنیف سے راقم کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔ جس کے صلے میں کسی جاگیر یا انعام کی امید ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی مبالغہ آمیز کلام ہمیشہ دنیا میں یادگار نہیں رہ سکتا۔ اور نہ مقبول ہو سکتا ہے اسلئے اس کے اندر نہ کوئی فریب و حیلہ ہے نہ کمائی کا وسیلہ ہے۔ صرف قومی یادگار قائم رکھنے کے لئے یہ کھیل کھیلا ہے۔ امید ہے کہ میری قوم اس تحفہ کو قدردانی کی نگاہ سے ملاحظہ فرمائے گی۔

چونکہ خانزادہ قوم کی کوئی علیحدہ تاریخ آج تک نہیں لکھی گئی بلکہ اس کے تمام حالات شاہان دہلی کے حالات کے ضمن میں ہی لکھے گئے ہیں۔ اس وجہ سے اس قوم کی تاریخ لکھنے والے کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ درپیش ہوتی ہے۔ کہ جب تک وہ ہندوستان کی بہت سی مختلف تاریخوں کا مطالعہ نہ کرے تب تک اُسے اُس قوم کے حالات سے مطلق واقفیت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اسی مشکل نے مجھے بھی پریشان کیا ہے۔ باوجود اس مشکل کے دوسری طرف میرے دوستوں اور عالم شائقین نے مجھے مجبور کیا۔ کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد پہلا ایڈیشن نکال دیا جائے۔ کیونکہ عمر ناپائدار کا کیا اعتبار ہے۔ ایسا نہ ہو یہ جمع شدہ مصالح بیکار پڑا رہ جائے اور شائقین تاریخ محروم رہ جائیں۔ لہذا دوستوں کے اصرار اور قوم کے پاس خاطر سے یہ پہلا ایڈیشن بہت عجلت کی حالت میں نکالا جاتا ہے جس میں کار آمد مضامین مختصر طور پر درج کر دئے گئے ہیں۔ البتہ مفصل حالات و شجرہ جات کل دیہات خانزدگان انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں درج کر دئے جائیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال ہے کہ میری کم علمی کی وجہ سے جو مضامین رہ گئے ہونگے ان کو پورا کرنے کے لئے بہت ممکن ہے قوم میں سے دوسرے اصحاب بھی آمادہ ہو جائیں کیونکہ مکمل واقفیت کے لئے میرا تنہا کامیاب ہونا دشوار ہے۔

چونکہ میں انسان ہوں اور انسان سہو و خطا سے خالی نہیں ہو سکتا۔ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان مشہور ہے۔ لہذا تمام شائقین علم تاریخ سے عموماً اور مورخ صاحبان سے خصوصاً التماس ہے کہ اگر وہ کسی تاریخی حوالے کے ذریعہ نہ کہ خانہ ساز روایت سے اس تاریخ کے اندر کہیں سہو پائیں تو بزرگانہ وقار کے ساتھ اطلاع دیکر ممنون فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن

میں ترمیم کر دی جائے۔ ہٹ دھرمی اہل انصاف کا کام نہیں۔ وما علینا الا البلاغ ؎

غرض نقشے است کز ما یاد ماند ۔۔۔ کہ ہستی را نمے بینم بقائے۔
مگر صاحبدلے روزے بہ رحمت ۔۔۔ کند در کار ایں مسکیں دعائے۔

تمہید

؎ بُرا حال دنیا میں اس قوم کا ہے۔ ۔۔۔ بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دُور اور طوفان بپا ہے ۔۔۔ یہ ہر دم خطر ہے کہ اب ڈوبتا ہے

نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

عجب قوم میں اپنی غفلت رہی ہے ۔۔۔ تنزل پہ اپنی قناعت رہی ہے۔
ملی خاک میں پر رعونت وہی ہے ۔۔۔ ہوئی صبح اور خواب غفلت وہی ہے۔

نہ افسوس اپنی ہی ذلّت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

صاحبان یہ ترقی کا زمانہ ہے اس میں ہر ایک قوم اپنے تئیں دوسری سے افضل اور اشرف بننے کی دعویدار ہے حتےٰ کہ آج میراسی بھی قریشی شیخ ہونے کا دعوے کر رہے ہیں۔ یہ گورنمنٹ انگریزی کا طفیل ہے جس کی آزادی سے کوئی سید بنتا ہے کوئی قریشی شیخ۔ کوئی برہمن بننے کا دعویدار ہے اور کوئی خالص چھتری ہونے کا۔

البتہ یہ شرف صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس میں اعلےٰ اور ادنےٰ ذات کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ اس کے اندر جو آگیا وہ کھوٹے سے کھرا اور رذیل سے شریف بن گیا۔ یہ اکسیر جس تانبے پر ڈال دی گئی اس کو خالص کندن بنا دیا۔ یہاں آقا و غلام۔ افسر و ماتحت۔ رذیل و شریف اونچ ذات اور نیچ ذات وغیرہ کے تمام تفرقوں کو ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے حکم نے بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا ہے ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
صاحب و بندہ و محتاج و غنی ایک ہوئے۔ ۔۔۔ تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہاں بلال حبشی جو بُت پرستوں کا ایک زر خرید غلام تھا وہ قریش پر فوقیت رکھتا تھا جس کو حضرت عمر بھی جن کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ بھی لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ سیدی سیدی (میرے آقا میرے آقا) کہکر پکارتے تھے۔ سچ ہے فردا بروز قیامت خواہند پرسید کہ حسرت بیلیت۔ دنخواہند پرسید کہ پدرت کیست۔ غرض اسلام کے اندر صرف عمل کو ہی معیار شرافت و رذالت قرار دیا گیا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ہندوستانی بھائی کیوں اپنی اصلیت کو چھوڑ اور اپنے آباؤ اجداد سے منہ موڑ کر دوسروں کا بیٹا بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ تاریخوں کے اندر بغیر کسی کمی و بیشی کے اصلی اور صحیح واقعات کا نہایت ایمانداری کے ساتھ اندراج کرنا کچھ گناہ میں داخل نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے۔ تو آئندہ آنے والی نسلیں تمام تاریخی فائدوں سے محروم رہ جاتی ہیں۔ قرآن شریف اور احادیث میں بھی بہت سے تاریخی واقعات درج ہیں۔ البتہ بیجا فخر۔ مبالغہ اور غلط نویسی سے قطعی پرہیز کیا جائے۔

موجودہ زمانہ میں ایک قوم دوسری کمزور قوم کو مٹانے کی فکر میں بھی لگی ہوئی ہے چنانچہ میوات کے اندر جن قوموں نے دو سو سال تک ہمارے زیر سایہ اپنی زندگی نہایت امن و چین سے بسر کی تھی آج وہی قومیں ہمیں مٹانے کی فکر میں لگی ہوئی ہیں۔ واقعی ہر عضو ضعیف میرزد کے مطابق اب ہماری حالت ایسی ہی کمزور اور قابل رحم بن گئی ہے کہ جو چاہتا ہے دو ٹھوکریں لگا جاتا ہے۔ ؎

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم۔ خاک ہیں آج انتہا یہ ہے۔

لیکن یہ یاد رہے گردش زمانہ ہمارے مٹانے والوں کو بھی ایک دن ضرور مٹائیگی ؎

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

آج ہمارے سابقہ شاندار کارناموں کی یادگاریں صرف صفحات، تاریخ پر یا ہمارے تعمیر کردہ قلعوں۔ گنبدوں۔ مسجدوں۔ عیدگاہوں۔ مقبروں۔ سڑکوں اور آباد کردہ قصبوں اور شہروں وغیرہ کے کھنڈرات پر ہی باقی رہ گئی ہیں جن کی یاد ہر وقت ہمیں خون کے آنسو رلاتی ہے۔ یوں تو تمام کھنڈرات کا مشاہدہ ہر عقلمند آدمی کے لئے مجسم عبرت ہے۔ لیکن ان کھنڈرات کا نظارہ جو کبھی معزز ہستیوں کا مسکن رہ چکے ہیں۔ اور اب زمانہ کی سرد مہری ان کے نام لیواؤں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹانے کا مکمل تہیہ کر چکی ہو وہ سب سے زیادہ دل خراش نظر ہے۔

خانزادوں کی تعمیرات کی ایک ایک اینٹ ہر زائر کی نگاہ میں اس دنیائے ناپائیدار کی بے ثباتی کا مرقع پیش کرتی ہے۔

اندور۔ کوٹلہ۔ گھرول۔ تجارہ۔ ملک پور۔ سرہٹہ۔ دمدمہ۔ دوراله۔ شاہ آباد۔ سندھا الور۔ بہادر پور۔ مبارک پور۔ جھجر۔ ریواڑی۔ فیروز پور جھرکا۔ جمراوٹ۔ تسہنہ۔ تاوڑو۔ بھونڈسی۔ نارنول۔ بہروز۔ گھساولی عرف علی نگر پہاڑی وغیرہ مقامات میں انہیں کی تعمیر کردہ عمارات نہایت کس مپرسی کی حالت میں کھڑی ہوئی ہیں۔ جب ہم ان عمارات کو یا انکے کھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو اپنا سینہ مسوس کر رہجاتے ہیں۔ یا دو چار آنسو گرا کر دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہی کھنڈرات دنیا کے سامنے اپنی پرانی عظمت کی بے کسی اور بے بسی کی تصویریں پیش کر کے بتلا رہے ہیں کہ وہ سب کی سب خانزادوں ہی کے کارناموں کی شکستہ یادگاریں ہیں۔ مگر ان کی موجودگی بھی تک دیکھنے والوں کے دلوں پر حسرت و شوق پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن افسوس زمانہ کی دست بُردان شکستہ یادگاروں کے مٹانے کی فکر میں بھی لگی ہوئی ہے۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند　　گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں۔

آج حالات بالکل متغیر ہو گئے ہیں۔ دنیا جدید روشنی سے منور ہے۔ جنہیں ہم اپنا غلام اور خادم جانتے تھے انہوں نے اپنی پست حالی اور رسوائی کو محسوس کر لیا۔ آخر قسمت نے بھی ان کی مدد کی۔ جس کی بدولت وہ جدید علوم و فنون سے بہرہ یاب ہو کر بام ترقی پر چڑھنے لگے اور یہ قانون قدرت ہے کہ خدا بھی انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں

زمانہ کی روش کے ساتھ نہ چلنے سے کل تک جو لوگ ہمارے ماتحت تھے آج ہم انہیں کے دست نگر ہیں۔ جنہیں ہم اپنے برابر بٹھانے میں عار کرتے ہیں آج انہیں اپنے سر پر بٹھاتے ہیں اور جو خادم کہلاتے تھے وہ اب مخدوم بن رہے ہیں۔

اس تمام خرابی کے ذمہ دار دراصل وہ لوگ ہیں جو قوم میں اثر و رسوخ والے اور ذی استطاعت ہیں۔ افسوس انہوں نے اپنی دولت و ثروت۔ جاہ و منزلت اور اثر و رسوخ کو صرف اپنے ہی نفسوں کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اپنی قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی موت مرنے دیا۔

اس وقت قومی ترقی کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے سب سے زیادہ ضروری شے

قومی تنظیم ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اپنی بقا کے لئے بڑی بڑی سلطنتوں کو بھی تنظیم کرنی پڑتی ہے پس اگر آپ دنیا میں خوددار بن کر رہنا چاہتے ہیں تو لازمی طور پر اپنی قومی تنظیم کرنی پڑیگی۔ اس کے بعد دوسری ضروری شے مروجہ تعلیم ہے آپ کے بزرگوں کا زمانہ تو ایسا تھا جسمیں عزت و ناموری حاصل کرنے کے لئے صرف تلوار کا دھنی ہونا کافی تھا لیکن آج تلوار کی جگہ قلم نے لی ہے اس وقت جو قلم کے دھنی ہیں وہی رائے بہادر خان بہادر۔ سر اور نائٹ کہلاتے ہیں۔ دنیا پر حکومت کرتے ہیں۔ رعایا کی قسمتوں کی باگیں گورنمنٹ انہیں کے ہاتھوں میں سونپتی ہے

غرض اس زمانہ میں خاندانی شرافت اور اعلٰے حسب و نسب کو کوئی نہیں پوچھتا ؎

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل۔ گردشِ دہر نے دی صورت احوال بدل
اب شریفوں کی شرافت میں پڑا آکے خلل شیخ و سید کسی قابل ہیں نہ ہیں خان و مغل

گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ مزدوری و محنت والے۔

اب خالی خان صاحب اور نواب صاحب کہلانے سے یا قومی مرثیہ پڑھنے سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ دوبارہ اپنے اعمال و افعال سے دنیا پر یہ ثابت کردو کہ ہم آج بھی وہی بہادر ناہر خاں اقبال خاں۔ ملک علاؤالدین خان۔ جلال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں میواتی کی سپوت اولاد ہیں۔ اگر اس پر عمل کیا گیا۔ تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ ہمارا نقش قدم کسی کے مٹائے ہرگز نہ مٹ سکیگا ؎

باطل نہ ہوگا نقش ہمارا کسی طرح۔ ڈوبے گا قوم کا نہ ستارہ کسی طرح
حاصل عروج ہوگا دوبارہ کسی طرح۔ دیگا خدا ضرور سہارا کسی طرح

اس کو ہی بیکسوں کی مدد کا خیال ہے۔
ہم کیوں ہوں ناامید کہ وہ ذوالجلال ہے۔

تاریخ کا مدّعا

لفظ تاریخ ارخ سے مشتق ہے ارخ کے معنی گائے کے بچے کے ہیں جو ابھی پیدا ہوا ہو اس لئے ہر نئے واقعہ کو جو پیدا ہوا ہو تاریخ کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں جس قدر حالات و واقعات زمانہ اور وقت سے منسوب ہو سکتے ہوں ان سب کو تاریخ کہتے ہیں یا با لفاظ دیگر جس ذریعہ سے گذشتہ اور موجودہ زمانے کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اُسے تاریخ کہتے ہیں شروع میں تاریخ کی بنیاد مصر اور چین میں ڈالی گئی۔ اس کے بعد ترقی پا کر عرب۔ عجم اور یورپ میں پھیلی۔ عرب کے اندر مسلمانوں کے زمانے میں تاریخ نے نہایت عمدہ صورت اختیار کر لی تھی چنانچہ شروع میں انہیں عربوں کی تحریرات کو اہل یورپ نے اپنی تاریخوں کا ماخذ قرار دیا تھا۔ البتہ موجودہ زمانہ میں یورپ والوں نے کامل تحقیقات میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ کیونکہ انہوں نے عمارات قدیمہ کو بھی کھود کر پرانے حالات معلوم کرنے میں سب پر توقیت حاصل کر لی ہے۔

علم تاریخ کے ذریعہ ہر قسم کی ملکی مذہبی اور قومی یادگاریں ہمیشہ کے لئے قائم رہتی ہیں اور گذشتہ حالات اور بزرگان قوم و ملت کے واقعات ہم پر اس طرح روشن ہو جاتے ہیں گویا ان کا فوٹو یا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ یہ علم انسان کے لئے رنج و مصیبت میں دل بہلانے کا ایک ایسا آلہ بن جاتا ہے جس سے وہ تغیرات زمانہ کی مصیبتوں کو صبر و استقلال سے برداشت کر لیتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے سابقہ زمانہ کے لوگوں کے تمدنی۔ معاشرتی۔ اقتصادی۔ مذہبی اور اخلاقی کارنامے معلوم ہوتے ہیں۔ جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک دستور العمل ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ اچھے ہیں تو ان پر چلنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور اگر برے ہیں تو ان سے بچنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تاریخ سے انسانی تجربات و معلومات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ بہادرانہ کارناموں کو پڑھ کر طبیعت میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے نیک اور مہذب انسانوں کے کارناموں سے نیکی رحم دلی۔ سخاوت خدا ترسی وغیرہ نیک افعال کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ تاریخ کے لاانتہا فوائد کو احاطہ تحریر میں لانا ویسا ہی مشکل ہے جیسا کسی دریا کو کوزہ میں بند کرنا۔ گذشتہ زمانہ کے واقعات سے آگاہی حاصل کرنا انسانی فرض

ہے خصوصاً ایک ایسی قوم کے لئے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے جو بلندی سے پستی کی طرف گری ہو۔ کیونکہ وہ قوم اس کے مطالعہ سے اپنی تنزلی کے اسباب دریافت کرکے بہتری کے وسائل سوچ سکتی ہے۔

جو قوم اپنے بزرگوں اور شہیدان قوم پر فخر و ناز نہیں کرتی وہ سخت غلطی پر ہے کیونکہ قومیت قائم رکھنے کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔

تاریخ سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر آواز دیتی ہے کہ جاؤ تم بھی دنیا میں نام پیدا کرنے کے لئے ایسے ہی کام کرو۔ علم تاریخ علم اخلاق سے بھی زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ علم اخلاق سے تو صرف نیکی یا بدی کی اصلیت ہی معلوم ہوتی ہے لیکن علم تاریخ سے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور پڑھنے والے کو شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح دنیا میں نام پیدا کرے۔ جس قوم کے اندر اپنے قابل تعظیم بزرگوں کا نام زندہ رکھنے کا شوق پیدا نہیں ہوتا وہ کبھی ترقی کی شاہراہ پر پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ قوم ظاہر طور پر زندہ ہو مگر فی الاصل وہ مردہ ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق اب خانزادوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کی موجودہ اولاد کو ان کے بزرگوں کے حالات اور ان کے کارناموں سے آگاہ بنایا جائے۔ تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ ہماری موجودہ حالت کیسی پستی کی طرف جھک گئی ہے۔ اور اس پستی سے نکلنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

یہ بات روزمرہ دیکھی جاتی ہے کہ دنیا میں صبح۔ دوپہر اور شام برابر ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں کچھ وقت فجر اور دوپہر کے درمیان اور کچھ دوپہر اور شام کے درمیان گذرتا ہے۔ اسی طرح خانزادوں کی حکومت کی بھی صبح۔ دوپہر اور شام ہوئی ہے۔ یعنی بہادر ناہر خاں مورث اعلےٰ قوم خانزادہ جس وقت فیروز شاہ تغلق کے ہاتھ پر اسلام لا کر حاکم میوات بنا تھا۔ تو یہ اُن کی صبح تھی گویا اس کا آفتاب حکومت مشرق سے طلوع ہوا اور اونچا ہوتا گیا اور اپنی گرمی اور روشنی بڑھاتا اور پھیلاتا گیا۔ اس کے بعد راجہ حسن خاں کے زمانہ میں ان کی حکومت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ لیکن پھر وہ مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہوا۔ اور اپنی تیزی اور روشنی کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ نواب فیروز خاں۔ اکرام خاں۔ اور ذوالفقار خاں وغیرہ کے وقت میں شام ہوگئی اور وہ غروب ہوگیا۔ اور پھر اس کی روشنی باقی نہیں رہی۔ زمانہ کا یہی دستور ہے۔ کہ جن اقوام اور سلطنتوں کی ترقی ہوئی ہے ایک نہ ایک دن ان کا تنزل بھی ہوا ہے۔ ہر کمالے را

زوال سے مشہور ہے۔ اس ترقی اور تنزل کے اسباب کو مُسبّب الاسباب ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ قوموں کی ترقی اور تنزل کا تار ایک دوسرے کے آگے پیچھے اسی طرح قیامت تک بندھا رہیگا۔ ؎

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے۔ سرانجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانہ کی عادت یہی ہے۔ طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے۔

بہت یاں ہوئے خشک چشمے اُبل کر۔
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر۔

اگرچہ ہم کو اپنے بزرگوں کے حالات بہت مختصر سے ملے ہیں۔ لیکن خانزادہ قوم کی شجاعت اور بہادری کی یہی دلسوز داستانیں موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے انسانیت کا سبق سکھانے اور اپنے فرائض یاد دلانے کے لئے پوری رہبر ثابت ہونگی میری اس محنت اور جانکاہی کا مقصد محض آپ کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرنا نہیں ہے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کو پڑھکر سبق حاصل کریں گے۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو میں سمجھونگا کہ میری محنت رائگاں نہیں گئی۔ (مؤلف)

مورخ کے فرائض

(۱) چونکہ یہ زمانہ علمی روشنی کا ہے۔ اس میں ہر ایک بات کے لئے ثبوت طلب کیا جاتا ہے نامعتبر تاریخی حالات فسانہ عجائب اور الف لیلہ کی داستانیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے صحیح اور معتبر تاریخ صرف وہی ہو سکتی ہے جس میں تمام حالات پر بلا تعصب اور بغیر استعارات و کنایات معتبر تاریخوں کے حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہو۔ اور ہر لحاظ سے منصفانہ رنگ اختیار کیا گیا ہو۔ خوشامدانہ اور خلاف واقعہ مضامین درج نہ ہوں۔ جس بات کو عقل اور قیاس قبول نہ کرے یا مستند اور معتبر تاریخوں کے برخلاف ہو اس کو ہرگز تحریر میں نہ لائے اور ہر جگہ علم تاریخ کے اصولوں کی پابندی کی جائے۔

(۲) جو حوالہ کسی معتبر تاریخ کا دیا جائے۔ وہ بجنسہ مع پتہ و نشان کے دیا جائے۔ تاکہ فوراً مل سکے۔ اگر صرف یہی لکھدیا جائے کہ دیکھو فلاں تاریخ۔ تو ایسا لکھنا دھوکا دہی ہے۔

(۳) جو حوالہ کسی تاریخ کا دیا جائے۔ اس میں اپنی طرف سے تغیر و تبدل نہ کیا جائے۔ البتہ اپنی طرف سے اندراج کے بعد اس پر تنقید کی جا سکتی ہے۔

(۴) کوئی مورخ اپنی طرف سے ایسی بات ہرگز نہ لکھے جس سے کسی دوسری قوم پر نامناسب نکتہ چینی ہو۔ یا اس کی دل آزاری اور توہین ہوتی ہو۔ اگر مجبوراً اختلاف رائے کرنا پڑے تو اس کے لئے نرم الفاظ استعمال کئے جائیں۔

(۵) تاریخ کی عبارت آسان سلیس اور با محاورہ ہو۔ اس کے اندر استعارات و کنایات موجود نہ ہوں۔ مقفیٰ عبارت بھی ہرگز نہ ہو۔ جیسی کتاب مرقع الور میں ہے اور اردو عبارت کے اندر عربی اور فارسی وغیرہ کے ثقیل الفاظ کی بھرمار نہ ہو۔ غرض ہر لحاظ سے عبارت عام فہم ہو۔ تاکہ معمولی لیاقت والا آدمی بھی سمجھ سکے۔ ہاں یہ ضرور ہے تمام تاریخی واقعات نہایت صحیح اور معتبر ہوں۔

(۵) اسمائے تواریخ جن سے مضامین لئے گئے ہیں

۱۔ اردو زبان کی تاریخیں

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
۱	دربار اکبری	شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی۔	مفید عام لاہور۔ سنہ ۱۹۲۷ء
۲	اردو ترجمہ منتخب التواریخ فارسی ملا عبد القادر بدایونی	مترجمہ کارپردازان نولکشور پریس لکھنؤ۔	نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۸۹ء
۳	اردو ترجمہ مآثر عالمگیری فارسی محمد ساقی مستعد خاں	مترجمہ محمد فدا علی طالب	دار المطابع عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۲ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۴)	اردو ترجمہ تاریخ ہندوستان انگریزی مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی۔	مترجمہ کارپردازان علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس	علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس
	〃	〃	〃
(۵)	آئینہ حقیقت نما۔	مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی	مدینہ پریس بجنور سنہ ۱۹۳۲ء
(۶)	مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اول	مولانا اکبر شاہ 〃	〃 سنہ ۱۹۳۳ء
(۷)	کارنامہ راجپوتان ہند	مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری	پنجابی گزٹ پریس بریلی سنہ ۱۹۳۴ء
	〃	〃	
(۸)	تاریخ راجگان ہند موسوم بہ وقائع راجستھان	مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری	ہمدم برقی پریس لکھنؤ۔ جون سنہ ۱۹۲۷ء
(۹)	اردو ترجمہ ٹاڈ راجستھان انگریزی	کرنل جیمز ٹاڈ صاحب پولیٹکل ایجنٹ ریاست ہائے راجپوتانہ مترجمہ... دوارکا پرشاد افق لکھنوی۔ ایڈیشن پنجم۔	سنیم پریس لاہور سنہ ۱۹۲۵ء
	.		〃
(۱۰)	اردو ترجمہ تاریخ فرشتہ فارسی مرزا محمد قاسم فرشتہ	مترجمہ کارپردازان نولکشور پریس لکھنؤ۔	مطبع نولکشور لکھنؤ۔ سنہ ۱۸۸۹ء
(۱۱)	ارژنگ تجارہ	شیخ محمد مخدوم صاحب تحصیلدار تجارہ متوطن تھانہ بھون	مفید عام پریس آگرہ سنہ ۱۸۷۵ء
	〃		
(۱۲)	مرقع الور	شیخ محمد مخدوم صاحب سابق تحصیلدار تجارہ متوطن تھانہ بھون۔	مفید عام پریس آگرہ سنہ ۱۸۸۹ء
	〃		
(۱۳)	سرتاج التواریخ	عاشق علیخاں ناطق کلانوری	آرٹ پریس لاہور سنہ ۱۹۲۶ء
(۱۴)	ضمیمہ الامان الور نمبر	مولوی مظہر الدین منیجر الامان دہلی۔	الامان پریس دہلی سنہ ۱۹۳۳ء
(۱۵)	حکایت میوات	مولوی محبوب علی صاحب دہلوی	قلمی مسودہ در کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔
(۱۶)	〃	〃	
	تاریخ ہندوستان دس جلدیں	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
		دہلوی	سنہ ۱۹۱۴ء
(۱۷)	وقائع راجستھان	ٹھاکر اچرچند صاحب	سٹیم پریس لاہور
(۱۸)	تاریخ ضلع گوڑگانوہ	سید الطاف حسین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست سنہ ۱۸۷۶ء	بپٹسٹ مشن پریس دہلی
(۱۹)	وقائع راجپوتانہ	پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور	مفید عام پریس آگرہ سنہ ۱۸۷۸ء
(۲۰)	تاریخ ہند حصہ اوّل	پروفیسر من موہن ایم اے و عبدالحمید ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور	مفید عام پریس لاہور سنہ ۱۹۲۴ء
(۲۱)	تاریخ ہند حصہ اوّل	پروفیسر سیتا رام کوہلی و ڈاکٹر ایشوری پرشاد ایم اے ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل الہ آباد۔	انڈین پریس الہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء
(۲۲)	تاریخ ہند حصہ اوّل	مسٹر سمتھ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور	مفید عام پریس لاہور سنہ ۱۹۲۴ء
(۲۳)	مخزن التواریخ	منشی قمر الدین خاں صاحب اکبر آبادی	مفید عام پریس آگرہ
(۲۴)	تاریخ راجپوتان پنجاب۔ حصہ اوّل	ٹھاکر کاہن سنگھ صاحب	مفید عام پریس لاہور
(۲۵)	سالنامہ مسلم راجپوت امرتسر سنہ ۱۹۳۵ء	محمد افضل خاں ایڈیٹر	امرتسر پریس سنہ ۱۹۳۵ء
(۲۶)	تاریخ راجستھان	بھائی پرمانند صاحب ایم۔اے۔	مرکنٹائل پریس لاہور جون سنہ ۱۹۲۶ء
(۲۷)	خطبات الاحمدیہ	سر سید احمد خاں صاحب بانی۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ	مصطفائی پریس لاہور سنہ ۱۹۰۴ء
(۲۸)	رحمت للعالمین جلد دوم	قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی	گلزار ہند سٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۲۱ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۴۹)	تاریخ خانان میوات	منشی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی	قلمی مسودہ تحریر کردہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ
	تاریخ میوات و حالات میوان	مولوی عبدالشکور صاحب نیمکا ایڈیٹر مرقع میوات	فیض عام پریس دہلی سنہ ۱۹۱۹ء و سنہ ۱۹۲۸ء

۲ - فارسی تاریخیں -

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۱)	تاریخ فیروز شاہی	شیخ ضیاء الدین صاحب برنی	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سنہ ۱۹۱۲ء
(۲)	تاریخ فیروز شاہی	سراج عفیف صاحب	بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء
(۳)	منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر صاحب بدایونی	کالج پریس کلکتہ سنہ ۱۸۶۸ء
(۴)	تاریخ فرشتہ	مرزا محمد قاسم فرشتہ	نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۸ء
(۵)	فتوحات فیروز شاہی	فیروز شاہ بادشاہ	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سنہ ۱۸۷۶ء
(۶)	مآثر الامرا	میر عبدالرزاق المخاطب بہ نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں خوانی اورنگ آبادی	کالج پریس کلکتہ - سنہ ۱۸۶۸ء
(۷)	تورک بابری ترکی ترجمہ بفارسی	خان خانان مرزا عبدالرحیم صاحب	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سنہ ۱۸۶۹ء
(۸)	اکبر نامہ	علامہ ابو الفضل صاحب	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سنہ ۱۸۷۶ء
(۹)	سیر المتاخرین	میر غلام حسین صاحب	حیدر آباد پریس سنہ ۱۸۶۶ء

انگریزی تاریخیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۱)	گزیٹیر الور	مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب مہتمم بندوبست الور	بمبئی پریس۔
(۲)	گزیٹیر بلند شہر	مسٹر ایچ۔ آر۔ ڈیول صاحب۔ آئی۔ سی۔ ایس مہتمم بندوبست	ڈسٹرکٹ گزٹ۔ بلند شہر۔

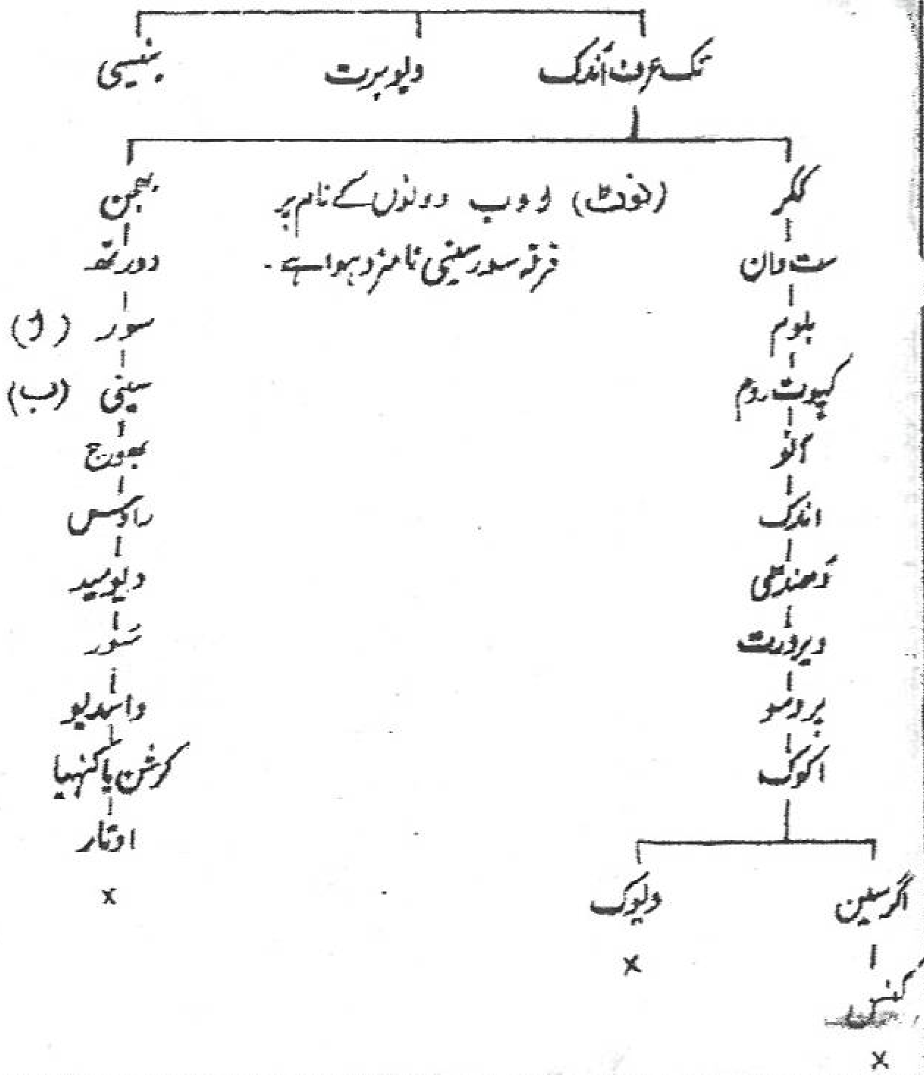
دوسرا باب چھتری راجپوتوں کے ابتدائی حالات

آریوں کا ہندوستان میں آکر آباد ہونا

مسٹر جیمز ٹاڈ صاحب اپنی تاریخ ٹاڈ جستھان جلد اول صفحہ ۱۸۴ میں لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے سری نارائن جی عرف وشن جی سے برہما جی پیدا ہوئے۔ برہما کے دو بیٹے مریچ اور اترے ہوئے۔ مریچ کے کیشب اور کیشب کے سوبرج پیدا ہوا جس سے سورج بنسی خاندان جاری ہوا۔ اور دوسرے بیٹے اترے کے سمدر سمدر کے چاند پیدا ہوا جس سے چندر بنسی خاندان جاری ہوا۔ چاند کے بدھ پیدا ہوا۔ اس بدھ کی شادی ایلا عرف پرتھی ہمشیرہ اکشواکو سے ہوئی تھی جس سے پرورواپیدا ہوا۔ پروروا کے آیو۔ آیو کے نہسو۔ نہسو کے جاتی یا یاتی پیدا ہوا۔ جاتی کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے جادو یا یادو۔ پورو۔ اور د زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔

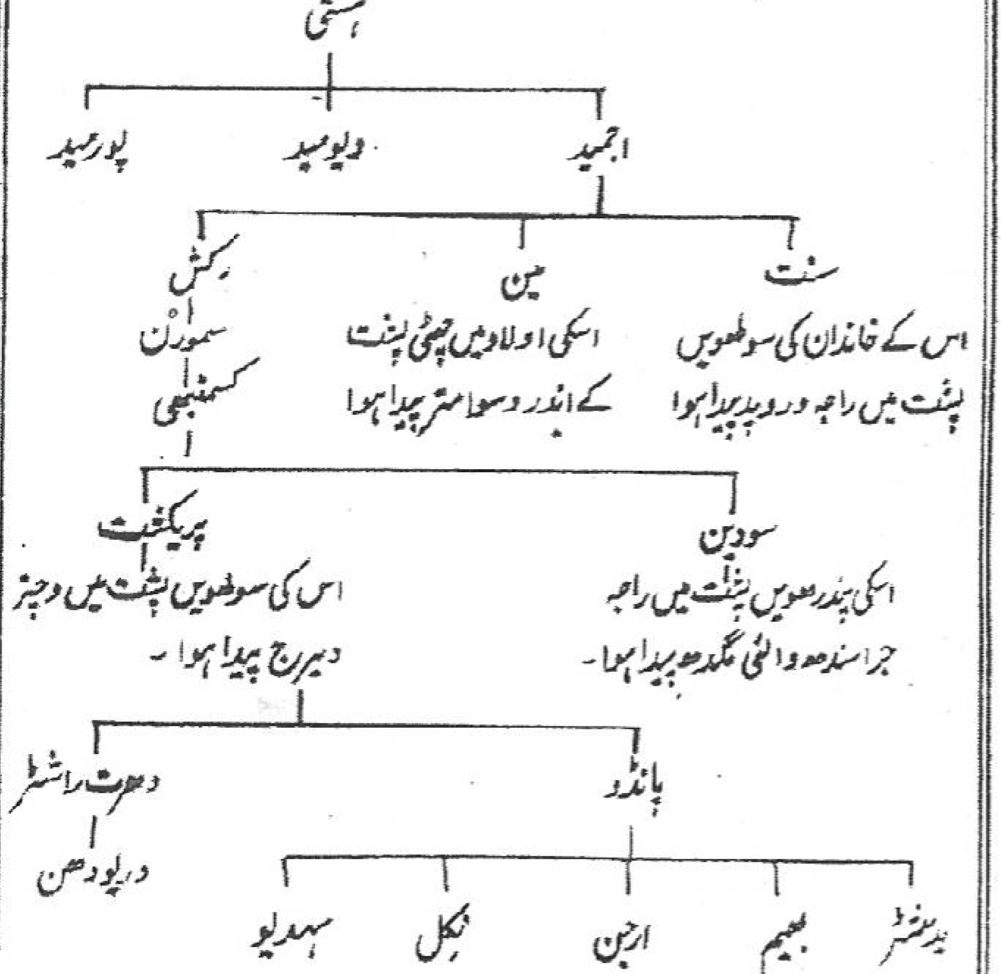
جادو کا شجرہ نسب

جادو کے دو بیٹے کرسنز اور ست جیت ہوئے۔ کرسنز۔ درجنو۔ سواپی اربگ چترتھ۔ سبند۔ سروپت۔ سجا کو کیہ۔ اُدسن۔ ننیگی۔ فورت۔ کوئل۔ درسو۔ رگھو۔ رکیس پرتھوکم۔ بھوسمان۔ جموگ۔ ہو پالی۔ دورب۔ کیبک۔ لوہپاد۔ ورتی۔ چمنتہ۔ رسشید بھیم رتھ۔ دھورتھ۔ رسکنہ۔ کروتک۔ گر۔ دلپورتھ۔ دلیوچیتر۔ مادھو۔ دروسو۔ پرہت گنی۔ بڈرپ جنتو۔ ستوتی۔



شجرہ نسب پورو ولیپر ججاتی۔

پورو ۔ جنمیجے ۔ پراچین دت ۔ پرو پر ۔ نہا سوا ۔ جار وید ۔ سو دوت ۔ باہوگو ۔ سیناوت ۔ ہونگیات ۔ رودوراؤ ۔ گرنجی ۔ رتنو ۔ تن شو ۔ سوت ربیا ۔ دشمنت ۔ بھرت ۔ بھردواج ۔ مانیو ۔ وھشیتر ۔ بہوتر ۔ ہستی ۔ (نوٹ) اس بھرت نے شکنتلا سے بیاہ کیا ۔ اسی راجہ کے نام سے آریا ورت کا نام بھرت کھنڈ بھی مشہور ہے ۔



آریوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے یہاں چند قومیں اور بھی آباد تھیں ۔ جنہیں یہاں کے اصلی یا قدیم باشندے کہا جاتا ہے ۔ ان کے نام کول ۔ دراوڑ ۔ گونڈ ۔ بھیل ۔ مینہ ۔ لوگری وغیرہ ہیں ۔ ان لوگوں کے ہندوستان میں آنے کا حال معلوم نہیں کر

وہ کب آئے تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ یہ لوگ بالکل وحشی اور جنگلی تھے۔ خود آرین لوگ بھی ہندوستان میں آنے سے پہلے وسط ایشیا کے بنوں اور پہاڑوں میں خانہ بدوش رہتے تھے۔ ان کے یہاں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ لوگ اپنی خوراک اور مویشیوں کے لئے گھاس اور پانی کے چشموں کی تلاش میں خانہ بدوش ہر طرف گھومتے رہتے تھے۔ جب کہیں چشمہ مل جاتا تھا تو وہیں قیام کر دیتے تھے۔ اور جب وہاں کی گھاس اور پانی ختم ہو جاتا تھا تو وہاں سے اٹھکر کسی دوسری ایسی ہی جگہ جا بستے تھے۔ چونکہ وہاں سخت سردی اور برف پڑتی ہے زمین بھی سخت اور پہاڑی ہے بارش بھی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اس تکلیف کی وجہ سے پانی اور چارہ کی تلاش میں پھرتے پھراتے منگولین لوگ تو دریائے برہم پتر کی وادیوں میں سے گذر کر ہندوستان کے شمال مشرقی حصے میں آباد ہو گئے اور باقی لوگ ہندوکش پہاڑ کے دروں سے گذر کر ہندوستان کے شمال مغربی حصوں اور پنجاب میں آباد ہو گئے۔ اس نقل مکان سے جو لوگ مغرب کی طرف گئے وہ یورپ میں جا بسے۔ اور جرمن فرانس۔ انگریز اور یونانی وغیرہ بن گئے۔ اور جو جنوب کی طرف آئے وہ آریہ کہلائے۔

ٹھیک ٹھیک تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہ لوگ ہندوستان میں کب آئے۔ لیکن محققوں کا خیال ہے کہ دو ہزار برس قبل از مسیح یہاں آکر دریائے سندھ کے کنارے بس گئے۔ اسی وجہ سے ان کا نام سندھو یا ہندو پڑ گیا۔ چونکہ ہندوستان میں بارش خوب ہوتی ہے۔ زمین نرم اور ہموار ہے موسم معتدل ہے۔ دریا۔ ندی۔ نالے بہت ہیں۔ پانی اور چارے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس وجہ سے آریوں نے اس جگہ کو غنیمت سمجھا۔ اور یہاں پر اپنی بود و باش اختیار کر لی۔ لیکن ایک میان میں دو کھانڈے نہیں سما سکتے۔ آخر ان کی لڑائیاں اصلی باشندوں سے ٹھن گئیں۔ چونکہ آریہ لوگ لمبے قد کے گورے۔ شکیل اور سرد ملک میں رہنے کی وجہ سے ہر طرح سے مضبوط اور جفاکش تھے۔ اس وجہ سے وہ اصلی باشندوں پر جو سیاہ رنگ پستہ قد اور گرم ملک میں رہنے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے فتح پانے لگے۔ انہوں نے اصلی باشندوں کو مار مار کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بھگا دیا۔ اور باقیوں کو اپنا غلام بنا لیا۔ اور ان کے بہت بُرے بُرے نام یعنی داس۔ راکشش۔ شودر۔ آسر۔ دیت وغیرہ رکھ دیئے۔

رفتہ رفتہ آریہ لوگ تمام شمالی ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور ان کی فتوحات بہت بڑھ گئیں۔ اسی وجہ سے اس زمانہ کو زمانہ شجاعت کہا جاتا ہے۔ اسی زمانہ کو ویدک زمانہ

کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وید اسی زمانہ میں تصنیف ہوئے تھے۔ ویدک زبان سے سنسکرت۔ لاطینی یونانی۔ جرمن اور فارسی وغیرہ زبانیں نکلی ہیں۔

اس زمانہ میں آریوں کے اندر ذات پات کا کچھ لحاظ نہ تھا۔ ایک ذات سے دوسری میں شامل ہونا یا بیاہ شادی کرنا کچھ عیب میں داخل نہ تھا۔ مگر مالوں کے زمانہ میں ذات پات اپنی موجودہ حالت میں اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ اب ایک ذات سے دوسری میں جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ کتاب رامائن اور مہابھارت ڈیڑھ ہزار برس قبل از مسیح اور منوسمرتی ایک ہزار برس قبل از مسیح تصنیف ہوئی ہے۔ گویا آریوں کے ہندوستان میں آنے سے ایک ہزار برس بعد منوسمرتی لکھی گئی ہے اور آریہ لوگ اس ایک ہزار سال کی مدت تک ایسی حالت میں رہے جس میں ذات پات کا مطلق خیال نہ تھا۔ منوسمرتی نے بلحاظ پیشہ ان کی چار ذاتیں برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ اور شودر قائم کیں۔ ذاتوں کے قائم ہونے سے پہلے ان کے یہ قبیلے موجود تھے۔

پورو۔ بھارت۔ مگدھ۔ کورو۔ کوسل۔ پانچال وغیرہ۔

برہمن اور چھتری جو بڑی ذاتیں کہلاتی تھیں۔ ان میں حسد کی آگ بھڑکی۔ لڑائیوں کے وقت تو برہمنوں نے کان بھی نہ ہلائے۔ لیکن جب امن دیکھا۔ تو انہوں نے فساد قائم کر دیا۔ اور چھتریوں کے اختیارات میں بیجا مداخلت کرنے لگے۔ جب چھتریوں نے برہمنوں کے بیجا حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اپنی حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہا۔ تو اس سے برہمنوں اور چھتریوں میں جنگ ہونے لگی۔ منو کے قوانین نے کل دنیا کو برہمنوں کا ماتحت بنا دیا تھا۔ ان کی حکم عدولی خدا کی حکم عدولی مانی گئی تھی۔ جو چھتری راجہ اُن کے حکم ماننے میں ذرا بھی تامل کرتا۔ تو برہمن لوگ اس کو سراپ یعنی بددعا دینے کی دھمکی دیتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس سزا کا یہی ہتھیار تھا لیکن اس ہتھیار سے کچھ بھی کام نہ چلا۔ اور تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق باہم لڑائی ہونے لگی ان لڑائیوں میں پرس رام برہمن کا باپ جمدگن راجہ سہسرارجن کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ جس کا بدلا لینے کے لئے پرس رام نے اکیس بار چھتریوں پر حملہ کیا۔ جن میں سخت قتل عام ہوا۔ کہتے ہیں پرس رام نے تمام چھتریوں کو قتل کر دیا تھا بھلا اس سے زیادہ جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ تعجب ہے برہمنوں کا تو ایک قطرہ خون بھی نہ گرا۔ اور تمام چھتری مارے گئے۔

چونکہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا کل کام برہمنوں کے ہاتھوں میں تھا۔ انہوں نے اپنی عزت بڑھانے کے لئے جیسا چاہا لکھ دیا۔

یہ حالت دیکھکر چھتریوں نے بھی علم پڑھنے کی طرف توجہ کی جس سے عالم فاضل برہمنوں میں ہل چل مچ گئی۔ برہمن لوگ دوسروں کو علم پڑھنے سے روکنے لگے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مذہب کو ایسی پیچ در پیچ رسموں میں جکڑ دیا۔ جس سے اصلی دھرم کا پتہ لگنا محال تھا۔ نیز یگ وکرم وغیرہ میں برہمنوں کے حکم سے جانوروں کی قربانیاں اس کثرت سے ہونے لگیں۔ کہ تمام لوگ نفرت کرنے لگے۔ جب اریہ لوگ ایسی حالت میں تھے تو اسی زمانہ میں کپل وستو کی راج دھانی میں راجہ سدھودھن کے گھر میں ساکھی منی یا گوتم پیدا ہوا۔ جس نے برہمنوں کے مقابلہ میں اپنا اپنا نیا مذہب بدھ قائم کیا۔ چونکہ یہ رحم دلی کا مذہب ہے۔ اور برہمنوں کے مذہب میں ویدوں کے فرمان کے مطابق یگ اور قربانی جائز ہے۔ اس وجہ سے برہمنی مذہب اور بدھ مذہب میں تصادم پیدا ہو گیا کیونکہ بدھ نے ویدوں کی تعلیم سے بھی انکار کر دیا تھا۔ برہمنوں کی حفاظت کرنے والے ہمیشہ سے چھتری لوگ تھے۔ لیکن ان سے ان دیوتاؤں نے پہلے ہی بگاڑ پیدا کر لیا تھا۔ اس لئے بدھ مذہب کے مقابلہ میں برہمنی مذہب کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ جس سے برہمنوں کو یگ وغیرہ کرنے میں بڑی تکلیف ہونے لگی۔

اگنی کل راجپوت

برہمنوں کو اپنا مددگار بنانے کے لئے کسی بناوٹ کی ضرورت پڑی۔ پس چالاکی سے اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کے لئے ایک کہانی گھڑی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو رشی لوگ آبو پہاڑ پر رہتے تھے۔ انہوں نے خدا سے دعا مانگی۔ تاکہ کچھ آدمی ایسے پیدا ہوں جو ملک کو راکھشسوں اور بیدینیوں سے پاک کر دیں۔ ان بے دینوں سے مراد یہی بدھ مذہب والے ہیں۔ غرض رشیوں کی دعا قبول ہوئی۔ ان کی ہدایت کے مطابق ایک بڑا اگنی کنڈ تیار کرایا گیا۔ جس کو گنگا جل سے صاف کرایا۔ اور اس میں آگ جلائی گئی۔ جس سے اس کنڈ میں سے چار بڑے شجاع اور بہادر آدمی نکلے۔ جن کے نام یہ ہیں پرمار۔ پرہار۔ چوہان۔ سولنکی۔ ان کی اولاد اگنی کل راجپوت کہلاتی ہے۔

اس کہانی کو سب سے پہلے چاند کوی نے اپنی کتاب پرتھی راج راسا میں لکھا ہے۔ اس کے بعد دوسروں نے اسے نقل کیا۔ غرض ان چار خاندانوں نے بدھ مذہب والوں کو مار کر

پھر از سرِ نو برہمنی مذہب کو رواج دیا۔

راجپوتوں کی شاخیں یا خاندان

زمانہ قدیم میں ہندوستان کے اندر آریاؤں کی دو ہی قومیں تھیں ایک سورج بنسی دوسری چندر بنسی۔ پھر ان میں چار اگنی کل شاخیں شامل ہو کر چھ شاخیں ہو گئیں۔ باقی جتنی اور شاخیں ہیں۔ وہ سب سورج بنسی اور چندر بنسی کی شاخیں ہیں۔ جو کہ عزت و ناموس میں انہیں کے برابر شمار ہونے لگیں الغرض اسوقت چھتیس ۳۶ شاہی شاخیں یا خاندان جنہوں نے ہندوستان پر اپنے اپنے وقتوں میں حکومت کی ہے پیدا ہو گئے۔ ان میں سے دس خاندان سورج کی اولاد ہیں۔ جو سورج بنسی کہلاتے ہیں۔ اور دس ہی خاندان چندر بنسی ہیں جو چاند کی اولاد ہیں اور چار اگنی کل کے ہیں جو آدتی زوجہ کیشپ کی اولاد سے نکلے ہیں۔ اور بارہ خاندان رشی بنسی کہلاتے ہیں جو رشیوں کی اولاد ہیں۔ اور وہ رشیوں سے ہی اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔ ان سب کی نسبت ایک کبشیر کا یہ دوہرا ظاہر کرتا ہے۔

دس روی سے دس چندر سے دوادش رشی پرمان۔ چار اگنی ہوتر سے یہ چھتیس (۳۶) بکھان

ان سب کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سورج بنسی کی شاخیں :۔ روی۔ تنگ۔ روسچیت۔ اگوہن۔ نکمبھ۔ مکواہن گہیت پنگ۔ راٹھوڑ۔ رگھو۔

(۲) چندر بنسی کی شاخیں :۔ چندر۔ اند۔ پال۔ سین۔ جادو یا یادو۔ اسود۔ میدسیتھ۔ ہری۔ تنور۔

(۳) رشی بنس کی شاخیں :۔ مکا۔ ہن۔ ہل۔ جالوت کٹ۔ کوٹپال۔ کورٹا پال۔ راجپال۔ گرو۔ سدابر۔ پوتک۔ دھان پالک۔ گوڑ۔

(۴) اگنی کل کی شاخیں :۔ پرمار۔ پرہار۔ چوہان۔ سولنکی۔

ان سب کی میزان چھتیس ۳۶ ہوتی ہے۔

چندر بنسی خاندان

ہندوستان کے قدیم کشتری راجپوتوں میں چندر بنسی خاندان بڑا مشہور ہوا ہے۔ اس خاندان میں برھما جی کا بیٹا اترے۔ اترے کا سمدر۔ اور سمدر کا بیٹا چاند نامی پیدا ہوا۔ جس سے چندر بنسی خاندان جاری ہوا۔ چاند کا بیٹا بدھ پیدا ہوا۔ یہ وہ بدھ نہیں ہے جو ساکھی منی یا گوتم کہلاتا ہے۔ یہ بدھ تا تار کے علاقہ سے ریاضت کرنے کے لئے ہندوستان میں آیا تھا یہ نہایت دانا اوتار گذرا ہے۔ اس نے ہندوستان میں آکر راجہ اکشوا کو سورج بنسی کی بہن ایلا عرف برتھی سے شادی کی۔ جس سے پردما پیدا ہوا۔ پردوا کے آیو۔ آیو کے نہسو۔ اور نہسو کے ججاتی یا یاتی پیدا ہوا۔ ججاتی کے تین بیٹے جادو یا یادو۔ پورو۔ ادرو پیدا ہوئے ان میں سے جادو اپنے خاندان جادو کا مورث اعلےٰ ہوا ہے۔ اس یادو کی اولاد میں کرشن جی اور بلرام پیدا ہوئے۔ جن کا ذکر آگے آئیگا۔ اور پورو کی اولاد میں راجہ ہستی پیدا ہوا۔ جس نے شہر ہستنا پور بسایا۔ اس کی اولاد میں اجمید دیومید اور پورمید پیدا ہوئے۔ اجمید کی اولاد میں کورو اور پانڈو پیدا ہوئے۔ راجہ بدھ سے لیکر پانڈوں تک چھپن ۵۶ پشتیں گذری ہیں۔ کوروں نے شہر ہستنا پور کو اپنی راجدھانی بنایا اور یدہشتر نے دریائے جمنا کے کنارے شہر اندرپرست بسا کر اپنی راجدھانی بنایا۔ جس کو اب دہلی کہتے ہیں۔ یدہشٹر کا زمانہ کلجگ کے شروع میں ہوا ہے۔ ویاس جی مہابھارت کے مصنف بھی ہری بنس راجاؤں میں راجہ شانتنو کے بیٹے اور بھیشم کے بھائی تھے جو جوجن گندھاری نامی ماہی گیر کی لڑکی سے پیدا ہوئے تھے۔ راجہ شانتنو کے وچتر ویرج اور اس کے پانڈو اور دھرت راشٹر پیدا ہوئے۔ پانڈو شہر دہلی کی سلطنت پر بڑا زبردست راجہ ہوا ہے۔ بارہ سو سال تک اس کے خاندان میں بھی حکومت رہی۔ اس خاندان کی حکومت انگ پال ثانی پر ختم ہوگئی۔ جو اپنے نواسے پرتھی راج کو سلطنت دیکر خود کنارہ کش ہوگیا تھا۔ اور بعد پرتھی راج کی شکست اور موت کے بعد راجپوتوں کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہی۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

یادو یا جادو خاندان!

جادو یا یادو جس کو جودھا یا یودھا بھی کہتے ہیں اس کے خاندان والے اپنے وقت میں تمام ہندوستان میں دریائے ستلج سے لیکر سمندر تک پھیلے ہوئے تھے۔ کورو چھتر اور دوارکا میں اس خاندان والوں کی دوسرے خاندان والوں سے چھپن لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ چنانچہ یہی لڑائیاں آخر میں ان کی تباہی اور کمزوری کا باعث بن گئیں۔ اس جادو قوم نے پریاگ کو چھوڑ کر متھرا کو راجدھانی بنایا۔ بہت مدت بعد اس کی اولاد میں راجہ شورسین نے شورپور بسایا۔ اور اپنی راجدھانی بنایا۔ اس راجہ کے خاندان میں سے ایک راجہ ست وان نے متھرا پر حکومت کی۔ ست وان کی گیارہویں پشت میں راجہ کنس والئی متھرا پیدا ہوا۔ جو کرشن جی کا ماموں تھا۔ جس کو کرشن جی نے قتل کر کے متھرا کی حکومت اس کے باپ اگرسین کو دیدی تھی۔ مگدھ کا راجہ جراسندھ اس زمانہ میں بڑا زبردست تھا۔ اس نے اپنی حکومت متھرا تک قائم کر لی تھی۔ اس کی ایک لڑکی سے کنس نے شادی کر کے اس کو مہاراج ادھیراج تسلیم کر لیا تھا۔ اور بخوف ہو کر ظلم کرنے لگا۔ چونکہ کرشن جی نے کنس کو قتل کر دیا تھا۔ اس وجہ سے جراسندھ نے غصے میں آکر متھرا پر متواتر حملے کر دیئے۔ ان حملوں سے تنگ آکر جادو بنسیوں کو متھرا چھوڑنا پڑا اور بحیرہ عرب کے کنارے دوارکا پوری کو از سر نو بسا کر اپنی راجدھانی بنانی پڑی۔ پردوامن پسر کرشن جی سے لیکر جگمال تک اگرچہ راجدھانی متھرا ہی رہی۔ لیکن لاہور رہتاس اور غزنی وغیرہ میں بھی ان کی حکومت رہی ہے۔ جادو کی بیالیس[42] پشت بعد تک اس کی اولاد جادو بنسی ہی کہلاتی رہی۔ لیکن جب اس کی اولاد میں سے راجہ دوارتھ کا بیٹا شور اور اس کا بیٹا سینی پیدا ہوا۔ تو انہیں باپ بیٹوں کے نام پر قوم کا نام بھی جادو بنسی سے بدل کر شورسینی مشہور ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو راجہ زیادہ زبردست اور دھرماتما ہوا ہے اسی کے نام پر قوموں کے نام بھی مشہور ہوتے رہے ہیں۔ لیکن راجہ سینی کے بعد صرف پانچ پشت تک ہی یہ نام مشہور رہا۔ اس کے بعد سری کرشن جی کے زمانہ میں وہی سابقہ یادو یا جادو نام مشہور ہو گیا۔ چنانچہ کرشن جی کے لئے ہر ایک مورخ نے یادو بنسی ہی لکھا ہے۔

کرنل ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ کرشن جی نے ابھی ہوش نہیں سنبھالا تھا کہ اسکے ماموں

کنس نے زبردستی برج کا علاقہ ان سے چھین لیا۔

اس جادو بنسی فرقہ نے مفصلہ ذیل شہروں اور قلعوں کو خود بنا کر اور قابض ہو کر حکومت کی ہے۔ ان میں سے بعض تو آجکل پہلے سے بھی زیادہ رونق پر ہیں مگر بعض مقامات اور عمارات کے صرف کھنڈر ہی دنیا کے سامنے اپنی پرانی عظمت کی بے بسی اور بے لبسی کی تصویر پیش کر کے زمانہ کو بتلا رہے ہیں کہ وہ جادو بنسیوں کے کارناموں کی شکستہ یادگاریں ہیں اور انقلاب زمانہ کے ہاتھوں گو وہ تباہ اور مسمار ہو چکی ہیں مگر ان کی ہستی ابھی تک دیکھنے والوں کے دلوں پر حسرت و شوق پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱) **شورپورہ** :- یہ شہر متھرا سے پچاس میل کے فاصلے پر دریائے جمنا کے جنوب میں واقع ہے۔ مگر اب بالکل کھنڈر پڑا ہے۔

(۲) **کلیسوپورہ** :- افسوس اب اس کے کھنڈر بھی نہیں رہے حالانکہ سکندر کے زمانہ کے مورخوں نے اس راجدھانی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۳) **متھرا یا مادھوبن** :- یہ شہر بہت پرانا ہے۔ پہلے اس کو شورسینی بھی کہتے تھے۔ یہ شہر راجہ پردروا کی خاص راجدھانی رہا ہے۔

(۴) **پریاگ یا الٰہ آباد** :- یہ بڑا شہر ہے جو گنگا جمنا اور سرسوتی کے سنگم پر بستا ہے۔ اسی وجہ سے ہندوؤں کا تیرتھ ہے۔ سب سے پہلے یہی شہر بسایا گیا تھا۔ اس کے بعد متھرا اور پھر دوارکاپوری بسایا گیا۔ یہ تینوں مقامات بہت مشہور ہیں۔ جو یادو بنسیوں کے بسائے ہوئے ہیں۔ تاریخ راجپوتان پنجاب حصہ اول مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ میں لکھا ہے کہ مہاراج بدھ بڑا پرتاپی راجہ گذرا ہے۔ جس کی شادی ایلا سے ہوئی تھی۔ جس جگہ اس کو ایلا ملی تھی وہاں پر راجہ نے ایک شہر اپنی پیاری استری کے نام پر بسا کر اس کا نام ایلا باس رکھا جس کو مسلمانوں کے زمانہ میں الہ آباد کہنے لگے۔

(۵) **دوارکاپوری** :- سری کرشن جی نے جراسندھ کے اٹھارہویں حملے کے وقت متھرا کو چھوڑ کر از سر نو اسے بسایا تھا۔

(۶) **غزنی** :- یہ شہر بھی جادو حکمرانوں کا بسایا ہوا ہے۔ راجہ گج نے اپنے نام پر گجنی یا غزنی نام رکھا۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ بھی بنایا۔ راجہ گج سمت ۳۰۰۸ یدھشٹری میں موسم بہار بروز اتوار روہنی نچھتر ماہ بیساکھ کی تیج کو تخت نشین ہوا تھا۔

(۷) **سمرقند** :- راجہ گج کی اولاد میں سے ایک شخص سمرو نامی نے اپنے نام پر سمیر کھنڈ یعنی سمرقند بسایا تھا۔

(۸) **سالباہن پور یا سیالکوٹ** :- راجہ گج کے بیٹے سالباہن نے اپنے نام پر بسایا۔

(۹) **جیسلمیر** :- راجہ گج کی تیرھویں پشت میں راؤ جیسل نے یہ شہر بسایا۔ جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ ٹاڈ صاحب کہتے ہیں کہ اس جگہ جب یدھشٹر نے کرشن جی کے ساتھ راجسو یگ کیا تھا۔ تو کرشن جی نے فرمایا تھا کہ بہت عرصے بعد میری نسل کا ایک راجہ اس مقام کے ترکٹے پہاڑ پر قلعہ بنا کر شہر آباد کریگا۔ ارجن نے پانی کی شکایت کی۔ تو کرشن جی نے سودرشن چکر پہاڑ پر مار کر شگاف ڈالدیا۔ جس سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور ایشل رشی نے ایک سنگین کتبہ دکھلایا۔ جس میں مندرجہ ذیل نظم کندہ تھی۔ کہ اے جادو بنس کے راجہ اس مقام پر آباد ہو۔ اور اس پہاڑ پر تین کونے کا قلعہ بنا۔ اسے جیسل دیو جادو راجہ تو لودروا سے نقل مکان کر کے اس جگہ قلعہ بنائے چنانچہ سمت ۱۲۱۲ بکرمی مطابق ۱۱۵۶ء میں ساون کی دوادشی کو اتوار کے دن جیسلمیر شہر کی بنیاد ڈالی گئی

(۱۰) **پٹیالہ** :- راؤ جیسل کا بیٹا ہیم ہیل جیسلمیر سے حصار کی طرف چلا گیا۔ اس کی اولاد میں سے بھوٹ نامی ایک راجہ نے ایک جاٹ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اسوجہ سے وہ اپنے آپ کو بھی جاٹ ہی کہنے لگا۔ اس کی چھ سات پشت بعد راجہ آلا سنگھ نے پٹیالہ کی بنیاد رکھی۔ ہیم ہیل گج کی چودھویں پشت میں ہوا ہے۔

(۱۱) **حصار** :- لاہور کے راجہ جگ پتی کے بیٹے ہنس پتی نے کارتک شدی تیرودشی سمت ۱۲۱۳ بکرمی کو بروز برہسپت وار اپنے نام پر ہنسار شہر بسایا۔ جو بعد میں حصار مشہور ہو گیا۔

(۱۲) **دہلی یا اندر پرست** :- اسے یدھشٹر نے آباد کیا۔ جب اس پر انقلاب آیا۔ تو یہ آٹھ سو سال تک ویران پڑا رہا۔ اننگ پال تنوار نے دوبارہ سمت ۸۴۸ بکرمی مطابق ۷۹۲ء میں آباد کیا۔ اس کی بیس پشتوں نے حکومت کی۔ آخری راجہ اننگ پال بانی سلطنت کے ہم نام نے بحالت لاولدی اپنے نواسے پرتھوی راج کو حکومت دیدی۔

(۱۳) ان کے علاوہ یادو قوم مفصلہ ذیل قلعوں پر بھی قابض رہی ہے۔ دیو گڑھ۔ قنوت

بھیکم پور عرف سینی کوٹ ۔ کرورٹر ۔ بروٹ ۔ گولن ۔ باہمن ۔ بادلو ۔ سیتلو وغیرہ ان میں سے بہت سے خود انہیں کے بنائے ہوئے ہیں علاوہ ان کے مفصلہ ذیل ریاستوں پر بھی یادو قوم کا دخل رہا ہے ۔

لودروا ۔ پوگل ۔ دہانت ۔ بدری ناتھ ۔ سانگلا ۔ شورکوٹ ۔ پنڈی بھٹیاں وغیرہ جادو قوم کی ایک شاخ زمانہ شجاعت ہی میں دکن کی طرف جا گھسی تھی ۔ اور دیوگری عرف دولت آباد کو اپنی راجدھانی بنایا ۔ ایک اور شاخ اسی زمانہ میں میسور تک جا پہنچی تھی شروع میں یہ لوگ دکن کے اندر چلوکیہ خاندان کے ماتحت رہے تھے ۔ لیکن پھر خود مختار بن بیٹھے ۔ یہ جادو خاندان مدت تک دکن میں حکمراں رہا ۔ مگر علاء الدین کے مشہور جرنیل ملک کافور نے ۱۳۰۷ء میں اسکے ملک میں چڑھائی کر کے شکست دی ۔ اور راجہ رامچندر نامی نے جو اُس وقت وہاں تھا علاء الدین کی اطاعت اختیار کرلی ۔

غرض یہ جادو فرقہ بڑا زبردست ہوا ہے ۔ جس کی شجاعت کا ڈنکہ تمام ہندوستان میں بجتا تھا ۔ ان لوگوں میں چھپن کا لفظ بہت مشہور ہے ۔ اسی واسطے یادو قوم چھپن کلی کہلاتی ہے ۔ کہاں جاتا ہے کہ ان کی لڑائیاں دوارکا اور کورو چھتر کے میدانوں میں چھپن اقوام سے ہوئی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے ۔ کہ اس قوم کی آبادی بھی چھپن کروڑ تھی جو سراسر مبالغہ آمیز ہے ۔

یہ جادو خاندان اگرچہ پہلے ہی سے بہت مشہور چلا آتا ہے لیکن کرشن جی کے زمانہ سے اس کو اور بھی چار چاند لگ گئے ۔ کرشن جی باپ کی طرف سے چندر بنسی اور ماں کی طرف سے سورج بنسی تھے ۔ گویا ایک ہی پتلے میں چاند اور سورج دونوں کی روشنیاں جمع ہو گئی تھیں ۔ جن میں سے ایک شانِ جمالی یا رحمانی تھی اور دوسری میں شانِ جلالی ۔

علاقہ برج بھی کرشن جی کی وجہ سے ہی مقدس مانا جاتا ہے ۔ کرشن جی رامچندر جی سے بھی بڑھ کر اوتار مانے جاتے ہیں کہتے ہیں رامچندر جی میں تو صرف نو ہی کلا یعنی طاقتیں تھیں لیکن کرشن جی میں چودہ کلا تھیں ۔ ان کو آج کل تمام ہندوستان کے ہندو پوجتے ہیں ۔

کرشن جی سے آٹھ سو سال بعد سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا ۔ اس نے جو شجرہ جادو خاندان کا لکھا ہے وہ جادو خاندان کے اصل شجرہ نسب سے بہت ہی ملتا ہے ۔ اس شجرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں دریائے گنگا اور جمنا کے ممالک پر قوم جادو ہی قابض تھی ۔

کرشن جی کی وفات کے بعد وہ وشنو جی کے اوتاروں میں شمار ہونے لگے ۔ یعنی ہندوؤں

میں تیسری سواتی کی پرستش کرشن جی کے عہد میں داخل ہوئی۔ کرشن جی کا مندر ناتھ دوارا اودے پور میں ہے۔ ان کی پرستش پیدائش مسیح سے قبل گیارہویں صدی کے وسط میں بمقام متھرا جاری ہوئی۔ اور وہ اوتار مانے گئے۔ ان کے مندر گیا جی۔ دوارکا اور کل برج میں نہایت عالی شان بنے ہوئے ہیں۔ مذہبی اور خاندانی شجرہ نویسوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بکرماجیت کے زمانہ تک کرشن جی کے بعد پینتیس ۳۵ پشتیں گذری ہیں۔

متھرا کو نقطۂ مرکز فرض کرکے اسّی میل کی دوری پر دائرہ کھینچنے سے جو سطح قائم ہوتی ہے۔ اس کو برج کہتے ہیں۔ اور یہاں کی زبان کو برج بھاشا کہتے ہیں۔ یہ زبان ہندوستان کی کل زبانوں سے مقدس اور پیاری سمجھی جاتی ہے۔

کرشن جی نے ہندو مذہب کو بہت رونق اور ترقی دی ہے۔ ان کے گیان گن کے چرچے ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ ہندو قوم میں خدا پرستی کی بنیاد انہوں نے ہی قائم کی تھی۔ جس کی بڑی شہادت کتاب بھگوت گیتا موجود ہے۔ جس میں کرشن جی نے تصوف کو بڑے حکیمانہ انداز پر بیان فرمایا ہے۔ کرشن جی کا باپ واسدیو ایک یتیم لڑکا تھا۔ کیونکہ اس کے باپ سُور کو اگرسین نے قتل کروا ڈالا تھا۔ اور متھرا کی حکومت چھین لی تھی۔ مگر اگرسین کے بھائی دیوک نے باسدیو کی پرورش کی تھی۔ اگرسین کا بیٹا کنس ہوا۔ جس کی بہن دیوکی تھی۔ جو واسدیو کو بیاہی گئی جس سے کرشن جی پیدا ہوئے۔ کنس چاہتا تھا کہ واسدیو کا خاتمہ کردے۔ تاکہ بے کھٹکے راج کرے۔ کیونکہ یہی راج کا حقدار تھا۔ مگر اُس کا چچا دیوک کنس کو ایسا نہیں کرنے دیتا تھا۔ اس دیوک کی مرضی سے ہی دیوکی کی شادی واسدیو سے ہوئی تھی۔ جب دیوکی شادی کے بعد رخصت ہوئی تو نجومیوں کے کہنے سے کنس نے اُسے قتل کرانا چاہا۔ مگر واسدیو کی منت سماجت سے باز رہا۔ لیکن اسکے بعد دیوکی کے ہر ایک بچے کو مرواتے لگا۔ دیوکی کے ساتویں حمل سے بلرام پیدا ہوا۔ واسدیو کی دوسری بیوی روہنی گوکل میں رہتی تھی۔ بلرام کو پیدا ہوتے ہی روہنی کے پاس بھیج دیا۔ اور یہ مشہور کردیا کہ حمل گر گیا ہے۔ ایک دن دیوکی جمنا پر نہانے لگی۔ وہاں پر یسودھا کو اپنی بپتا یعنی مصیبت سنائی۔ اس نے اقرار کیا کہ میں بچہ کو بدل لونگی۔ آخر جب آٹھویں حمل سے کرشن جی پیدا ہوئے۔ تو رات کو ہی گوکل جاکر یسودھا اور اس کے خاوند نند سے کہہ سُنکر لڑکی کو بدل لائے۔ کنس نے صبح ہوتے ہی لڑکی کو مروا ڈالا۔ جب کرشن جی بارہ برس کے ہوئے تو انہوں نے متھرا آکر کنس کو قتل کردیا۔ کیونکہ تمام اہل شہر نے جو کنس سے دکھ اٹھائے ہوئے تھے۔ کرشن جی

مدد کی تھی۔ جب کنس کی وفات کی خبر راجہ جراسندھ کو ہوئی۔ تو وہ بہت غصے ہوا۔ کیونکہ اس کی لڑکی کنس کو بیاہی تھی۔ اسی وجہ سے جراسندھ نے کنس کا مددگار بن کر متھرا پر اٹھارہ بار حملے کئے۔ آخری حملہ بڑے زور کا تھا۔ اس حملے کی تاب نہ لاکر اٹھارہ ہزار جادو بنسی دوارکا کو چلے گئے۔

برار کے راجہ بھیشمک کی لڑکی رکمنی تھی۔ اس کی خوبصورتی کی شہرت سنکر کرشن جی نے اُس سے شادی کرنی چاہی۔ مگر ششوپال سپہ سالار جراسندھ بھی رکمنی سے شادی کرنی چاہتا تھا چونکہ جراسندھ زبردست راجہ تھا۔ اُس کے ڈر سے رکمنی کے باپ نے ششوپال سے اقرار کرلیا۔ یہ حال معلوم کرکے خفیہ طور پر رکمنی نے کرشن جی کو خبر بھیج دی کہ میں فلاں روز بہانہ سے مندر میں درشنوں کے لئے محل سے باہر آونگی۔ تم سواری لے کر تیار رہنا۔ اس لئے کرشن جی بھی اپنے ساتھی لیکر برار پہنچ گئے۔ اور رکمنی کو وہاں سے لے آئے راستہ میں سخت لڑائی بھی ہوئی تھی۔

مہابھارت کی لڑائی سے پہلے کرشن جی کو اور بھی چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ایک لڑائی آسام کے راجہ نرگ سے ہوئی۔ جو خوبصورت عورتوں کو زبردستی اپنے محل میں بلایا کرتا تھا۔ کرشن جی نے اسے مارا۔ اور سولہ ہزار عورتوں کو قید سے چھڑایا۔ پھر کرناٹک کے راجہ بان سے لڑائی ہوئی۔ کرشن جی کا پوتا انرودھ بان کی لڑکی پر عاشق ہوگیا تھا۔ اس لڑکی کا نام اُوشا تھا۔ انرودھ اس کے محل میں ہی چلا گیا تھا۔ اس لئے بان نے اپنی لڑکی اوشا کو اور انرودھ کو قید کردیا۔ کرشن جی نے پوتے کو چھڑانے کے لئے راجہ بان پر چڑھائی کی۔ اور شکست دیکر پوتے کو چھڑا لائے۔

ارجن کی دوسری شادی اپنی بہن سے کرشن جی نے ہی کرائی تھی۔ دوارکا کے پاس پہاڑی پر ایک میلا بھرتا تھا۔ اس میں ارجن نے کرشن جی کی بہن سوبھدرا کو دیکھ لیا۔ اور ہزار جان سے اس پر عاشق ہوگیا۔ کرشن جی سے بھی ارجن نے یہ ذکر کردیا۔ اور وہ لڑکی دکھلائی۔ انہوں نے کہا یہ تو میری بہن ہے۔ یہ سنکر ارجن بہت شرمندہ ہوا۔ مگر کرشن جی نے کہا کہ میں تو راضی ہوں۔ مگر میرے بھائی بند اس شادی سے راضی نہ ہونگے۔ آخر کرشن جی کے مشورہ سے سوبھدرا کی شادی ارجن سے ہوگئی۔

برج وہ مقدس مقام ہے جو تین ہزار برس سے پرستشگاہ خاص و عام چلا آتا ہے مگر محمود غزنوی اور محمد غوری کے حملوں کے وقت کرشن جی کی مورتی کو برج چھوڑنا پڑا۔ مگر شاہان مغلیہ نے مخالفت نہیں کی۔ اور پھر برج میں بدستور کرشن جی کی پوجا ہونے لگی۔

* شودی لوگ کرشن جی سے باغی ہیں۔ اس لئے پنڈتوں نے برج سے ان کا دور نی نکالدی

تھی۔ مگر اودے پور کی ایک رانی کی تحریک سے یہ مورتی دوبارہ برج میں لائی گئی۔ اورنگ زیب کے زمانہ تک یہی حال رہا۔ مگر اورنگ زیب نے ان مورتیوں کو متھرا میں توڑ پھوڑ ڈالا۔ اسی وجہ سے ہندو لوگ اورنگ زیب کو کال جمن کا اوتار مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی کرشن جی کا دشمن تھا۔ دریائے جمنا کو بھی کال جمن کہتے ہیں کیونکہ اس میں کرشن جی نے کالی ناگ کو ناتھا تھا۔ کرشن جی کے بہت سے خطاب ہیں۔ جادو ناتھ۔ ہری۔ شام۔ مانہ موجی وغیرہ۔

جن لوگوں کو دنیا سے ترک تعلق منظور ہوتا ہے وہ گھر بار چھوڑ کر کرشن جی کے مندر میں ان کی پرستش میں عمر گذار دیتے ہیں۔ کرشن جی کے مندر میں کسی قسم کی حیوانی یا انسانی قربانی نہیں ہوتی ان کی تعلیم میں صرف مکتی یا نجات ماننے کا سبق دیا جاتا ہے۔ کرشن جی کے مذہبی اصول شیو جی کے مقابلہ میں بہت ہی نرم۔ شائستہ اور عمدہ ہیں۔ رسم ستی اور دختر کشی کو انہوں نے سخت منع کیا ہے۔ کرشن جی کے مہنتوں کے لئے مجرد رہنا لازمی نہیں جیسا کہ شیو کے مہنتوں کے لئے لازمی ہے۔ کرشن جی کے چیلے اپنے مردوں کو جلاتے نہیں بلکہ گاڑتے ہیں۔ کرشن جی کی تمام نصیحتیں نہایت عمدہ ہیں۔ مگر ان پر کوئی عمل نہ کرے تو نصیحت کا کیا قصور ہے۔

کرشن جی دوپر یگ کے آخری ایام میں اور کل جگ کے پچیس برس قبل مسیح سے گیارہ بارہ سو برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دواپر جگ کے پچیس برس میں سے وہ گیارہ برس تو گوکل میں اور چودہ برس متھرا میں رہے۔ متھرا میں زیادہ تر گوبردھن میں رہا کرتے تھے۔ جب کلجگ شروع ہوا۔ تو دوارکا کو چلے گئے۔ اور وہاں سو برس قیام فرما کر سورگ لوک کو سدھارے جادو لوگوں میں کرشن جی نے سورج و چاند کی پرستش بھی منع کر دی تھی۔ جادو قوم کے کھتریوں اور راجاؤں نے وحدت پرستی کا جو ذکر لکھا ہے ان سب میں جادو لوگوں کے خیالات بہت ہی پاکیزہ ہیں۔ جنہوں نے کبھی مورتیوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ اور نہ ان کے مندر بنائے۔ اور ان لوگوں کو سورج۔ چاند۔ اور بدھ کے سامنے ہاتھ جوڑنے یا ڈنڈوت کرنے سے ہمیشہ پرہیز رہا ہے۔ البتہ یہ مورتی پوجا کا رواج کرشن جی کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ اور اس کا رواج یہاں تک بڑھا کہ دنیا بھر کی چیزیں پوجی جانے لگیں۔ یہاں تک کہ تینتیس کروڑ دیوتا پوجے جانے لگے۔ اگرچہ کرشن جی ایک تھے۔ مگر ان کی پرستش سات صورتوں میں ہونے لگی۔

گوبردھن برج میں ایک مقدس پہاڑ ہے۔ جس کے نام پر کرشن جی کو گردھاری اور گوبردھن ناتھ بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ پر کرشن جی نے پہلے پہل اپنی قدرتوں کا اظہار کیا تھا۔ اب ہر سال

گوبردھن پربت کی پوجا ہوتی ہے۔ یہ مقدس پہاڑ دودھ سے دھویا جاتا ہے۔ اور تمام علاقہ برج کی گائیں وہاں جمع ہوتی ہیں۔ اور میلا بھرتا ہے۔

کرشن جی چشمِ عقیدت نے ترے دیکھے ہنر۔ اہلِ بینش نے جگہ دی تجھکو ہفت افلاک پر
برہمن نے تجھ میں پائی شانِ ایزد جلوہ گر بھر گئے تیرے محامد سے تمامی بحر و بر

کشتیٔ ملت کا رہبر۔ رہنما ایسا تو ہو
جس پہ دھوکا ہو خدا کا۔ ناخدا ایسا تو ہو

گوکل و متھرا میں اب تک شور ہے برپا ترا گونجتی ہے بانسری کی اب تلک بن میں صدا
تیرے اوصافِ حمیدہ کا اثر۔ یہاں تک ہوا دیکھنے آتی ہے خلقت تجھکو ہر صبح و مسا

برج کا خطہ ترے دم سے ہوا رشکِ جناں
گاؤں چھوٹا سا بنا معبد پئے اہلِ جہاں

نام نامی ہے ترا عاشق مزاجوں میں رقم۔ ہے بجا تجھکو کہیں سرخیلِ اہلِ دردِ ہم
ہے صدائے عشق تیری بانسری کی زیر و بم کعبۂ اہلِ معانی ہے ترا بیت الصنم۔

چشمِ بد بیں میں نہ کھٹکے تیرا طرزِ ماند و بود
تھا معائب سے مبرا۔ سر بسر تیرا وجود

وہ ترا بچپن وہ تیری سیدھی سادی زندگی وہ جوانی تیری وہ چہلیں تری وہ دل لگی
وہ ترا بن بن میں پھرنا۔ اور وہ تیری بانسری ہائے رے اس دم خیال آیا مجھے کچھ اور بھی

زندگی کہتے ہیں اس کو جس میں ہو آرامِ دل
ہیں نشاط انگیز اس عالم کے سارے آب و گل

کیا عجب ہو نردبانِ عشقِ حق۔ عشقِ مجاز۔ کیا عجب محمود ہی آخر کو نکلے خود ایاز
غور کے قابل ہیں اے دل آفرینش کے یہ راز ان سے واقف ہیں وہی دنیا میں ہیں جو پاکباز

دانہ دانہ یونہی بڑھتے بڑھتے اک خرمن ہوا
پھول جو اسلوب سے پھولا وہی گلشن ہوا

آخرش جادو بنسیوں کے اس عروج و کمال کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس فرقے سے دوسرے فرقوں کو حسد پیدا ہو گیا۔ اسی حسد کی بدولت ان کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جن کی وجہ سے جادو بنسیوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد اس فرقے کے دو فریقوں

میں وہ مشہور عالم جنگ جسے مہابھارت کہتے ہیں۔ مسیح سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے شروع میں آئی تھی جس کا مختصر حال یہ ہے۔

جنگ مہابھارت

یہ مشہور عالم جنگ کورو اور پانڈو کے درمیان ہوئی تھی۔ راجہ وچترویرج کے دو لڑکے تھے۔ ایک دھرت راشٹر جو اندھا تھا۔ اور دوسرا پانڈو تھا۔ پانڈو کے پانچ بیٹے یدھشٹر۔ بھیم۔ ارجن۔ نکل اور سہدیو تھے۔ یہ سب پانڈو کے نام سے مشہور ہوئے اور دھرت راشٹر کی اولاد کورو کہلائی۔ اس کا بڑا بیٹا دریودھن تھا۔ پانڈو اپنے بچوں کو نابالغ چھوڑ کر مر گیا۔ اس وجہ سے دھرت راشٹر ہی گدی پر بیٹھا۔ اس نے بیٹوں اور بھتیجوں کو علم و ہنر سیکھنے کے لئے ایک گرو درونا چارج نامی کے سپرد کر دیا۔ یہ گرو اگرچہ علم و ہنر اور فن سپہ گری سے خوب واقف تھا۔ مگر وہ ویر راجہ پانچال سے حسد رکھتا تھا۔ کیونکہ درو پد نے اس کو اپنے دربار سے کسی بات پر ناراض ہو کر نکلوا دیا تھا۔ اس وجہ سے درونا چارج اس سے بدلا لینا چاہتا تھا۔ غرض اس نے اپنے شاگردوں کو خوب محنت سے لکھایا پڑھایا۔ پانڈوؤں میں یدھشٹر سب سے بڑا تھا۔ وہ نہایت دلیر اور ذہین بھی تھا۔ دھرم شاستر وغیرہ میں سب بھائیوں پر سبقت لے گیا۔ بھیم نے کشتی کا فن خوب سیکھا۔ ارجن نے تیر اندازی میں نکل نے شہسواری میں اور سہدیو نے جوتش میں کمال پیدا کیا۔ دریودھن نے بھی سپہ گری میں بڑی لیاقت حاصل کی۔ بعد حصول تعلیم امتحان کے لئے ایک دن مقرر کیا گیا جس کے لئے بڑا دربار سجایا گیا۔ ایک وسیع میدان میں تماشائی لوگ جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے دریودھن اور بھیم جوڑ چھوڑی گئی۔ یہ دونوں اکھاڑے میں خوب لڑتے رہے۔ اور اپنے اپنے ہنر لوگوں کو دکھاتے رہے۔ پھر ارجن کی باری آئی۔ اس نے بھی اپنی تیر اندازی کے کمال دکھلا کر لوگوں کو خوش کیا۔ دریودھن اس کے کمال دیکھ کر جل گیا۔ اس نے کرن کو ارجن کے مقابلہ میں چھوڑا۔ جب کرن سے پانڈوں نے اس کا حسب و نسب پوچھا تو وہ خاموش ہو گیا جس پر پانڈو بغیر تحقیق حسب و نسب اس کے مقابلہ سے انکار کر گئے۔ بعد ختم دنگل درونا چارج نے اپنے شاگردوں سے دکشنا مانگی۔ راجہ نے کہا جو مانگو گے وہی دوں گا۔ اس پر درونا چارج نے درو پد سے بدلا لینے کا اقرار کرایا۔ چونکہ راجہ عہد کر چکا تھا۔ اس لئے درونا چارج نے راجہ کی

فوج لیکر درو پد پر چڑھائی کردی۔ اور اس کا آدھا ملک چھین لیا۔ اس کے بعد راجہ نے کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں اس لئے اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں۔ اور اس کے لئے یدہشٹر کو مقرر کرونگا مگر دریودھن نے اس بات کو نہ مانا۔ اور باپ کو بہکا کر پانڈوں کو جلاوطن کرادیا۔ یہ ہستنا پور کو چھوڑ کر کرورن وارت یعنی الہ آباد میں جا بسے۔ دریودھن نے یہ سوچ کر کہ جب تک یہ زندہ ہیں سلطنت کے لئے خطرہ ہے ان کے رہنے کو ایک ایسا مکان بنوایا۔ جس کی چھت اور دیواروں پر خوب رال اور گندک کا پلستر کرایا تھا۔ لیکن پانڈوں کو اس چال کی پہلے ہی خبر ہوگئی تھی چنانچہ وہ خود اس مکان میں آگ دیکر وہاں سے چلے گئے۔ اور برہمنوں کے بھیس میں جنگلوں میں گھومتے رہے۔ انہیں دنوں میں درو پد راجہ پانچال نے اپنی بیٹی درو پدی کا سوئمبر رچایا۔ جس کی شرط یہ رکھی گئی کہ جو شخص گھومتی مچھلی کی آنکھ میں تیر مارے گا درو پدی اس کو بیاہی جائیگی۔ بہت سے راجہ اور راجکمار دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ درو پدی پھولوں کی مالا ہاتھ میں لئے ہوئے محفل میں آئی۔ اس کو دیکھکر ہر ایک راجہ نے باری باری سے اٹھکر قسمت آزمائی کی۔ مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تماشائیوں میں سے ایک شخص برہمن کے بھیس میں نکلا۔ اور کمان اٹھاکر نشانہ پر تیر مارا۔ چاروں طرف واہ واہ ہونے لگی۔ درو پدی نے مالا فوراً اس کے گلے میں ڈالدی مگر چھتری راجاؤں نے شور مچایا کہ یہ تو برہمن ہے اس کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی۔ اس کو سنکر ارجن نے بھیس دور کرکے اپنا حسب نسب بتایا۔ آخر شرط کے بموجب درو پدی کو بیاہ کر گھر لائے۔ اپنی ماں کو مبارکباد دی اور کہا آج ہم ایک تحفہ لائے ہیں۔ ماں کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس نے کہا اچھا جو تحفہ لائے ہو وہ تمہارا سب کا مشترکہ مال ہے۔ ماں کے اس حکم کے بموجب پانچوں بھائیوں نے درو پدی سے شادی کرلی۔ اس شادی سے راجہ درو پد بھی پانڈوں کا ساتھی بن گیا۔ اس نے دھرت راشٹر کو آدھا راج دینے کے لئے مجبور کیا۔ مگر اس تقسیم میں بھی پانڈوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی۔ کیونکہ ویران علاقہ ان کو دیا گیا۔ آخر انہوں نے جنگلوں اور بنوں کو صاف کراکر شہر اندر پرست بسایا۔ پھر اور بھی علاقہ گرد و نواح فتح کرلیا اور زبردست راجہ بن گئے۔ آخر راجسو یگ کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اپنے ماموں زاد بھائی کرشن جی کو بلاکر اس بات کی صلاح لی۔ کرشن جی نے کہا راجسو یگ ضرور کرنا چاہئے۔ مگر پہلے راجہ جراسندھ کو مار لو کیونکہ وہ چھیاسی راجاؤں کو شکست دیکر اپنا غلام بنا چکا ہے۔ یدہشٹر یہ سن کر ڈر گیا مگر باقی اس کے چاروں بھائیوں نے کہا ہم تیار ہیں۔ آخر کرشن جی ارجن اور بھیم کو ساتھ لے کر

جراسندھ کے پاس گیا۔ اور کہا تو ظالم راجہ ہے یا تو ظلموں سے باز آ اور ان غلام بنائے ہوئے راجاؤں کو چھوڑ دے۔ ورنہ ہم سے لڑائی کر۔ آخر بھیم سے کشتی ٹھیری۔ چودہ روز تک کشتی ہوتی رہی پندرہویں دن بھیم کے ہاتھ سے جراسندھ مارا گیا۔ کرشن جی نے سب قیدی راجہ چھوڑ دئے۔ اور ان سب سے راجسویگ میں آنے کا وعدہ لیکر اور جراسندھ کے بیٹے سہدیو کو تخت پر بٹھا کر واپس آگئے۔ اور اندرپرست میں فتح کی خوشی منائی۔ اور راجسویگ ٹھیرایا۔ بھیشم نے یہ تحریک پیش کی کہ کرشن جی کو پردھان یعنی صدر جلسہ بنایا جائے۔ مگر ششو پال نے مخالفت کی۔ اگرچہ یہ کرشن کا بھی پھوپی زاد بھائی تھا۔ اور جراسندھ کا سالا اور یدھشٹر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ لیکن اس کی منگیتر کو کرشن جی لے آئے تھے۔ اس وجہ سے اُن سے ناراض تھا۔ آخر جنگ کی نوبت پہنچ گئی۔ اور کرشن جی نے بھری سبھا میں ششو پال کو مغلوب کرکے قتل کردیا جس سے اس جھگڑے کا فیصلہ ہو گیا۔ اور کرشن جی پردھان چن لئے گئے۔ جب جگ ختم ہو گیا۔ تو دریودھن اور بھی زیادہ حسد کرنے لگا۔ اور ایک دن ہنسی میں یدھشٹر کو جوا کھیلنے پر آمادہ کرلیا۔ جس میں یدھشٹر بازی ہار گیا۔ اور سب راج پاٹ دے بیٹھا یہاں تک کہ دروپدی کو بھی ہار گیا۔ دروپدی اس خبر کو سنکر گھبرا گئی۔ اور دریودھن کے پاس جانے سے انکار کردیا۔ مگر دوشاشن نامی ایک شخص اُس کو سر کے بالوں سے پکڑ کر محفل میں لے آیا۔ اس بات پر تکرار بڑھنے والی ہی تھی کہ دھرت راشٹر نے آکر فیصلہ کردیا۔ کہ پانڈو بارہ برس کے لئے بن باس چلے جائیں۔ پھر ایک سال تک اور چھپ رہیں۔ اگر تیرہویں سال میں دریودھن پتہ لگا لے تو پھر از سر نو بارہ برس کے لئے جلا وطن رہیں۔ اور اگر پتہ نہ لگا سکے تو ان کا راج واپس دیدیا جائے۔ مجبوراً پانڈو پھر دوسری دفعہ بن باس چلے گئے۔ بارہ برس جنگلوں میں گھوم کر تیرہویں برس راجہ وراٹ کی نوکری کرلی۔ میعاد پوری ہونے پر پانڈوں نے واپس آکر اپنا راج مانگا۔ مگر دریودھن نے صاف انکار کردیا۔ اس بات سے دونوں فریقوں میں ایک زبردست لڑائی ہوئی۔ آریہ ورت کے تمام راجہ مہاراجہ اس لڑائی میں شامل ہوئے۔ کوئی پانڈوں کی طرف سے اور کوئی کوروں کی طرف سے شامل ہوا۔ کرشن جی کو بھی بلایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک طرف میری فوج اور سامان جنگ ہے۔ اور دوسری طرف میں خود ہوں اے ارجن جونسی چیز تجھے پسند ہو وہ تو لے لے ارجن نے خود کرشن جی کو لے لیا۔ اور دریودھن نے بھی خوشی سے ان کی فوج اور سامان جنگ لے لیا۔ آخر کورو کھیتر کے میدان میں اٹھارہ دن تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اگرچہ پانڈو لڑنے پر آمادہ نہ تھے کیونکہ دونوں طرف اپنے ہی

تھے۔ مگر کرشن جی نے انصاف اور حق حاصل کرنے کے لئے پانڈوں کو بہت سی نصیحتیں کرکے لڑائی پر آمادہ کیا تھا۔ یہ تمام نصیحتیں کتاب بھگوت گیتا میں درج ہیں گرو درونا چارج کا مقابلہ بھی اپنے شاگردوں سے آن پڑا۔ کیونکہ یہ بھی کوروں کی طرف سے لڑائی میں شامل ہوئے تھے غرض درونا چارج بھیشم۔ کرن۔ اور دریودھن وغیرہ سب مارے گئے۔ اور یدہشٹر کو فتح حاصل ہوئی۔ لیکن ایسے بڑے نقصان کے بعد یہ فتح ان کے لئے کچھ مبارک نہیں ہوئی۔ کیونکہ جو لوگ زندہ بچے تھے وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے مرنے سے دنیا سے بیزار ہوگئے تھے۔ اسی وجہ سے راجہ یدہشٹر نے ارجن کے پوتے پریکھیت کو گدی پر بٹھا کر خود مع اپنے بھائیوں اور رانی دروپدی کے دنیا کو ترک کرکے ہمالیہ کی برف میں جاکر اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا۔

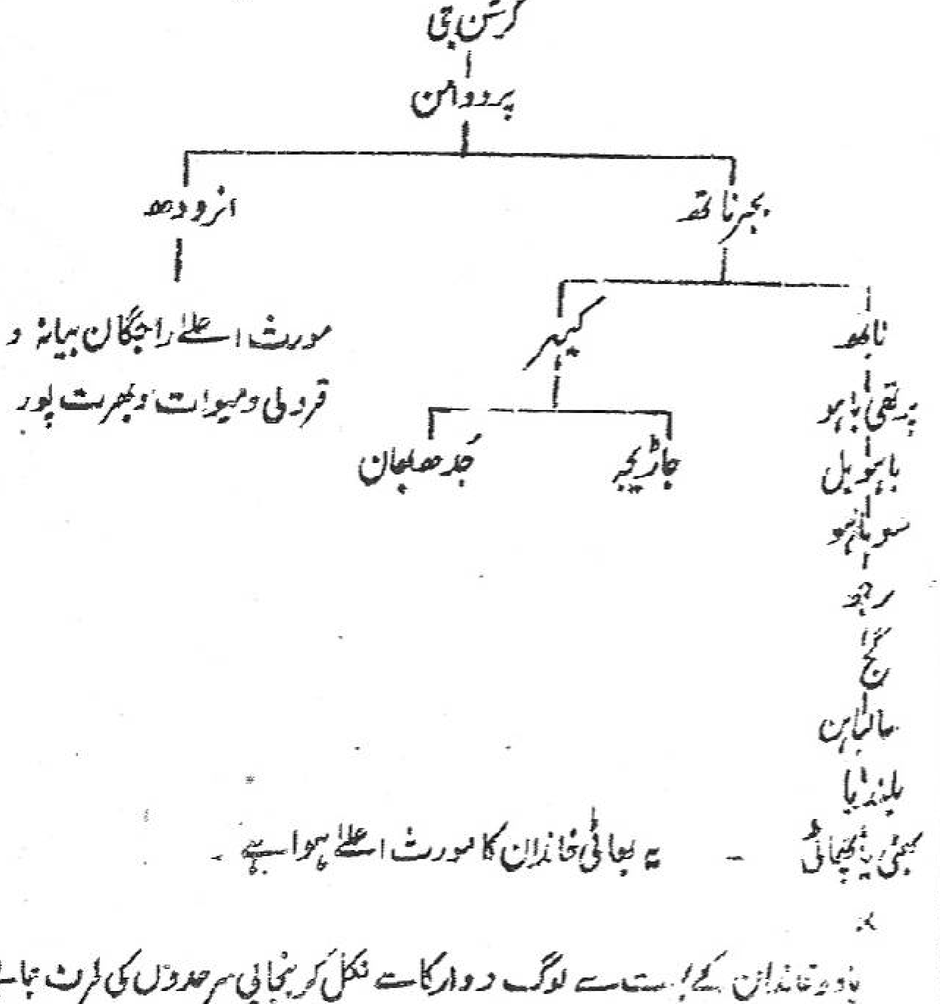
کرشن جی بھی اس لڑائی کے بعد اپنی راجدھانی دوارکا کو واپس چلے گئے اور پھر زندگی بھر دہلی نہیں آئے۔ اگرچہ اس کے بعد چھتیس ۳۶ سال تک وہ زندہ رہے تھے۔ لیکن ان کا انجام بھی کچھ اچھا نہ ہوا۔ کیونکہ تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اپنے ملکی جھگڑوں میں پھنس گئے اور راٹھوڑوں سے ان کی سخت لڑائیاں ہوئیں۔ راٹھوڑوں کے دباؤ سے ان کی اولاد کو متھرا اور دوارکا پوری چھوڑنی پڑی۔ ان کے مرنے کا قصہ بھی عجیب ہے کہتے ہیں یہ ہمیشہ جنگل میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دن مراقبے (سمادھی) میں بیٹھے تھے۔ ایک بھیل نے ہرن خیال کرکے ان کے تیر مارا جس سے یہ زخمی ہوگئے۔ بھیل نے اپنے قصور کی معافی مانگی۔ اور کہا کہ میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا ہے۔ اس پر کرشن جی نے اس کو معاف کر دیا۔ اور یہ کہا کہ جب میں پچھلے جنم میں رام تھا۔ تو میرے ہاتھ سے یہ بھیل مارا گیا تھا۔ آج یہ اس کا بدلا ہے۔

غرض کرشن جی کی وفات کے بعد بہت کچھ ان کا خاندان برباد ہوگیا۔ ایک دوسری خانہ جنگی میں یہ لوگ لڑ کر تباہ ہوگئے۔ دوارکا پوری پر سمندر آگیا جب رات دن کے جھگڑوں سے ان پر سخت مصیبت پڑی۔ تو یہ لوگ تارک الوطن ہوگئے۔ جن میں کرشن جی کے دو فرزند بھی شامل تھے۔ کرشن جی کی آٹھ پٹ رانیاں تھیں۔ جن میں سے دو رانیوں کی اولاد ان مقامات میں آباد ہوگئی جہاں وہ مسلمان ہوگئے۔ اور اب وہ سندھ کے نومسلم جاگیردار کہلاتے ہیں۔ کرشن جی کی بڑی رانی رکمنی جی تھی۔ ان کے بڑے لڑکے پردومن کی شادی بدربہ کی راجکماری سے ہوئی تھی۔ جن سے دو لڑکے انرودھ اور بجرناتھ ہوئے تھے۔ بجرناتھ بھاٹی قوم کا اور انرودھ مہاراجگان بیانہ۔ تر دلی۔ اور میوات و بھرت پور وغیرہ وغیرہ کا مورث اعلےٰ ہوا ہے

مختلف رانیوں کی اولادوں میں سے جادو قوم کی نو بڑی بڑی شاخیں ہوگئیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ جادو یا یادو۔ تنور۔ بھاٹی یا بھٹی۔ جاڑیجہ۔ سمیٹھ۔ بدیجہ۔ بدمن۔ بدھا۔ سوہا۔

ان میں سے شروع کی چار شاخیں زیادہ مشہور ہوئی ہیں۔ بھٹی خاندان کو سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا ہے۔ اب تک بھی بھاٹیوں کے ہزاروں گاؤں اور شہر یو۔پی۔ راجپوتانہ اور پنجاب میں آباد ہیں۔

۷۔ بھاٹی خاندان معہ شجرہ نسب



یادو خاندان کے بہت سے لوگ دوارکا سے نکل کر پنجابی سرحدوں کی طرف جا بسے اور بہت سے بہاتا اور دھوسہ کے ماتحت سعدھی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پہلے تو

یادو کے ڈانگ یعنی کوہ یادو نامی علاقہ میں اپنی سکونت اختیار کی۔ اور پھر دریائے سندھ کو عبور کر کے زابلستان چلے گئے۔ اور افغانستان کا بہت سا علاقہ فتح کر کے ہزاروں سال تک وہاں حکومت کرتے رہے۔ کرشن جی کی وفات کے بعد نابھ بن بجرنا تھ بن پردوامن گدی پر بیٹھا نابھ کا بیٹا پرتھی باہو تھا۔ اور جاڑیجہ اور جدھ بھان کبھر کے بیٹے تھے۔ یہ جاڑیجہ خاندان جاڑیجہ کا موارث لکھا ہوا ہے۔ اور نابھ کی اولاد سے بھاٹی خاندان جاری ہوا۔ جدھ بھان کی اولاد کی سکونت اور حکومت سے کوہستان کا نام بھی یادو کا ڈانگ رکھا گیا۔ پرتھی باہو کے لڑکے باہو بل کی شادی نبھے سنگھ والئی مالوہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ باہو بل کی وفات کے بعد سوباہو راجہ ہوا۔ جو گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ سوباہو کے بعد اس کا بیٹا رجھ گدی پر بیٹھا۔ اس کی رانی سہاگ سندری بیر سنگھ والئی مالوہ کی بیٹی تھی۔ اس لڑکی سے گج پیدا ہوا۔ کیونکہ اس نے خواب میں اپنے پیٹ سے ہاتھی کی پیدائش دیکھی تھی۔ اس گج نے مغربی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لئے ایک مضبوط قلعہ درہ خیبر کی گھاٹیوں سے پار اتر کر بنایا۔ جس کا نام اپنے نام پر گجنی یا غزنی رکھا۔ انہیں میں سے ایک شخص سمیرو نے اپنے نام پر سمیرو کھنڈ یا سمرقند بسایا۔ لیکن دشمنوں کے زور اور دباؤ سے ان کو وہ ملک چھوڑنا پڑا۔ اور ہندوستان کو واپس آ گئے انہیں لڑائیوں میں گج مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سالباہن پنجاب میں آ کر رہنے لگا۔ یہاں اس نے سالباہن پور یعنی سیالکوٹ اپنے نام پر بسایا۔ اور گرد و نواح کے تمام جاگیرداروں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی۔ جس سے یہ کل پنجاب پر قابض ہو گیا۔ اس نے دوبارہ پھر زور لگا کر غزنی کو فتح کرنا چاہا۔ اس کے مقابلہ میں بیس ہزار فوج لیکر جلال آیا۔ مگر سالباہن نے اس کو شکست دیدی۔ اور غزنی پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے بیٹے بلند یا بالوچند کو غزنی میں چھوڑ کر خود اپنی راجدھانی میں واپس آ گیا۔ اور کچھ عرصے بعد مر گیا۔ اس کے پندرہ لڑکے پیدا ہوئے سب سے بڑا بلند تھا۔ یہی باپ کے بعد گدی پر بیٹھا۔ جس کی شادی جیپال تنور والئی دہلی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اب پھر ترکستانی قوموں نے ترقی کی اور غزنی کے سوا اپنا تمام ملک چھڑا لیا۔ بلند کے آٹھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے سب سے بڑا بھٹی تھا۔ بلند سالباہن پور میں رہا کرتا تھا۔ اس نے بھوپتی کے بیٹے چکیتو کو جو اس کا بھتیجا تھا۔ اپنی طرف سے غزنی کا حاکم بنا کر بھیجا۔ چونکہ اب اسلام کی قوت زور پکڑ چکی تھی۔ اس لئے چکیتو نے مسلمانوں کو بڑے بڑے عہدے دئے۔ اور اپنی تمام فوج میں انہیں کو بھرتی کر لیا۔ اور آخر مسلمانوں کی صحبت در

ترغیب سے خود بھی مسلمان ہوگیا۔ اور بلخ و بخارا کے بادشاہ کی بیٹی سے اپنی شادی کر کے وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ اسی چکیتو کے نام سے قوم چغتائی یعنی مغل پیدا ہوئے ہیں۔ بلند کے تیسرے بیٹے کولر کے آٹھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ سالباہن کے بیٹے بلند اور پوتے بھاٹی نے اپنی سکونت پنجاب میں ہی رکھی تھی۔ مگر دشمنوں نے انہیں یہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ آخر یہ ستلج پار اتر کر راجپوتانہ کے مغربی ریگستان میں آٹھویں صدی عیسوی کے قریب آ بسے۔ ان بھائیوں نے وہاں سے دوسری قوموں کو نکال دیا اور خود قابض ہو گئے۔ اس خاندان کے ایک مشہور راجہ جیسل راؤ نے لودروا کی بجائے شہر جیسلمیر آباد کیا۔ چنانچہ یہ شہر آج تک کرشن جی کی اولاد کا یعنی بھاٹی شاخ کا دارالسلطنت سمجھا جاتا ہے۔ اس بھاٹی کے نام پر ہی بھاٹی گوت بھی مشہور ہوا ہے۔ جیسلمیر کے بسانے کی وجہ یہ ہوئی کہ راجہ جیسل راؤ اپنے بھتیجے بھوج دیو سے گدی چھیننا چاہتا تھا۔ لیکن بھوج دیو کے ساتھ ہر وقت پانچ سو سوار سولنکی راجپوت رہتے تھے اس وجہ سے جیسل راؤ کا کوئی قابو نہ چل سکا۔

اسی زمانہ میں شہاب الدین غوری نے ملتان اور سندھ کو فتح کر لیا۔ جیسل راؤ اپنے دو سو رشتہ داروں کے ساتھ بادشاہ مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رفاقت کی قسم کھائی۔ بادشاہ نے اس کی مدد کی۔ جس سے اس نے بمقام لودروا اس کا محاصرہ کر کے اپنے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ دو روز تک شہر والوں کو اجازت دی۔ کہ وہ اپنا مال و اسباب جس قدر بچا سکیں لیجائیں۔ تیسرے روز مسلمانوں کو شہر کے لوٹنے کی اجازت دیدی گئی انہوں نے لودروا کی راجدھانی کو لوٹ کر غارت کر دیا۔ جیسل راؤ نے لودروا کی بجائے اب اپنی راجدھانی دس میل الگ ہٹ کر ایک پہاڑی پر سمت ۱۲۱۲ بکرمی میں شہر جیسلمیر اپنے نام پر آباد کیا۔ پھر بارہ سال حکومت کرنے کے بعد یہ مرگیا۔ اور اس کا بیٹا سالباہن دوئم گدی پر بیٹھا۔ اس خاندان کا آغاز ۱۱۵۶ء میں ہوا تھا۔

۸۔ جاڑیجہ خاندان

کرشن جی کی آٹھ پٹ رانیاں تھیں۔ دوسری اور ساتویں رانی کی اولاد سب کی سب مسلمان ہو گئی۔ ٹاڈ صاحب کہتے ہیں کہ بڑی رانی رکمنی جی سے کرشن جی کا بڑا لڑکا پردامن

پیدا ہوا۔ اس کے دو لڑکے انرودھ اور بجرناتھ پیدا ہوئے۔ بجرناتھ کے دو بیٹے نابھ اور کبھیر ہوئے اور کبھیر کے دو لڑکے جدھ بھان اور جاڑیجہ ہوئے۔ یہی جاڑیجہ نامی لڑکا اپنے خاندان جاڑیجہ کا مورث اعلیٰ ہوا ہے۔ ساتویں رانی جامونتی کا بڑا لڑکا سامب تھا۔ جس کی حکومت دریائے سندھ کی دونوں طرف تھی۔ خاندان ساما کا مورث اعلیٰ یہی ہوا ہے۔

بھٹی راجپوتوں کے بعد جاڑیجہ قوم کا درجہ ہے۔ ان کے تاریخی حالات بہت کچھ بھاٹیوں سے ہی ملتے جلتے ہیں۔ اس قوم کے لوگ بلدیوجی کی رفاقت میں دوارکا سے تارک الوطن ہوئے تھے۔ لیکن ان کو وہ عروج حاصل نہیں ہوا جو بھاٹیوں کا ہوا ہے۔

اس قوم کے لوگ وادیٔ سندھ میں خصوصاً دریائے سندھ کے مغربی ساحل پر آباد ہوگئے۔ آج کل کچھ و بھج کی ریاست انہیں کی حکومت میں ہے۔

گو ان کی طاقت پہلے برائے نام تھی۔ اور آلات حرب و ضرب بھی بہت کم تھے۔ لیکن پھر بھی سکندر کے زمانہ میں وہ اپنے بزرگوں کی شہرت قائم رکھے ہوئے تھے۔

کرشن جی کو جہاں ہری کہتے ہیں وہاں سانولا رنگ ہونے کی وجہ سے ان کا قومی خطاب شیام بھی ہے۔ اس وجہ سے جاڑیجہ قوم والوں نے اپنا خطاب شیام پتر رکھا ہے۔ ایس شیام کا بدل کر جام ہوگیا۔ چنانچہ اس قوم کی ایک چھوٹی سی ریاست جام نگر کے نام سے یہاں موجود ہے۔

۹۔ تنور خاندان

یہ خاندان بھی یادو قوم کی ایک شاخ ہے۔ لیکن شجرہ نویسوں نے اس کا نام چھتیس ۳۶ شاہی خاندانوں میں شامل کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی شہرت کے لحاظ سے اس شاہی اعزاز کی ہر طرح مستحق بھی ہیں۔ اگر تنور قوم صرف صرف اسی بات پر ناز کرے۔ کہ اس کے خاندان میں مہاراجہ بکرماجیت جیسا صاحب اقتدار فرمانروا مسیح کی پیدائش سے چھپن سال پہلے گذرا ہے۔ اور اس کا سمت ہندو قوم میں تنور خاندان کے شاہنشاہی اعزاز کی یادگار ہے۔ تو اس فرقہ کی عزت و توقیر کے لئے کم نہیں ہے۔ مگر اس کے علاوہ اس فرقے کے وہ کارنامے اور اعزاز کی باتیں ہیں جن سے واقعی وہ واجب التعظیم ہونے کے مستحق ہیں۔ اگرچہ اندرپرست یعنی دہلی

کو یدہشٹر نے بسایا تھا۔ لیکن زمانہ کے انقلاب سے یہ شہر آٹھ سو سال تک ویران پڑا رہا۔ پھر اننگ پال تنور نے دوبارہ اس کو سمت ۸۴۸ بکرمی مطابق ۷۹۲ء میں آباد کر کے موصوفی دارالخلافہ بنایا بیس نسل پشتوں تک ان کا راج رہا۔ آخری راجہ اننگ پال ثانی ذوجہ اننگ پال اول بانی سلطنت کا ہمنام اور کھنا کا بیٹا تھا بحالت لاولدی قانون سالک (گود لینا) کی رو سے دہلی کی حکومت اپنے نواسے پرتھی راج چوہان کو دیکر قوم تنور کا عروج و اقبال ختم کر دیا۔ اب اس قوم کو قدیم عروج و شہرت پر ہی فخر و ناز ہو سکتا ہے ورنہ آج ان کے قبضے میں کوئی خود مختار ریاست نہیں رہی جس سے یہ معلوم ہو سکے۔ کہ وہ بکرماجیت کے مایہ ناز اور پانڈو کے معزز خاندان کی بقائے نام ہے۔ اور جس کے بزرگوں میں سے آخری زمانہ میں ہندوستان کا ایک سامہنشاہی خاندان عروج و اقبال کے ڈنکے بجا گیا تھا۔

یہ بات دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہوگی۔ کہ دہلی کا اننگ پال ثانی اسی بزرگ کی نسل میں سے تھا جس نے اندرپرست پہلے بھی اور بعد میں بھی آباد کیا تھا۔ اور دو ہزار دو سو پچاس برس بعد بھی تخت دہلی یدہشٹر ہی کی اولاد کے قدموں سے شرف یاب ہوا۔ اس فرقہ کے قبضے میں اس وقت بڑے سے بڑا مقام دریائے چمبل کے داہنے کنارہ پر اور جمنا کے سنگم پر تنور گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔

اس سے چھوٹی ریاست جے پور میں پائیں تنوروٹی کہلاتی ہے۔ ان دونوں ریاستوں کے فرمانروا اپنے آپ کو اندرپرست کے قدیم چھتری خاندان کی اولاد بتلاتے ہیں۔

۱۰۔ شجرہ نسب مہاراجگان

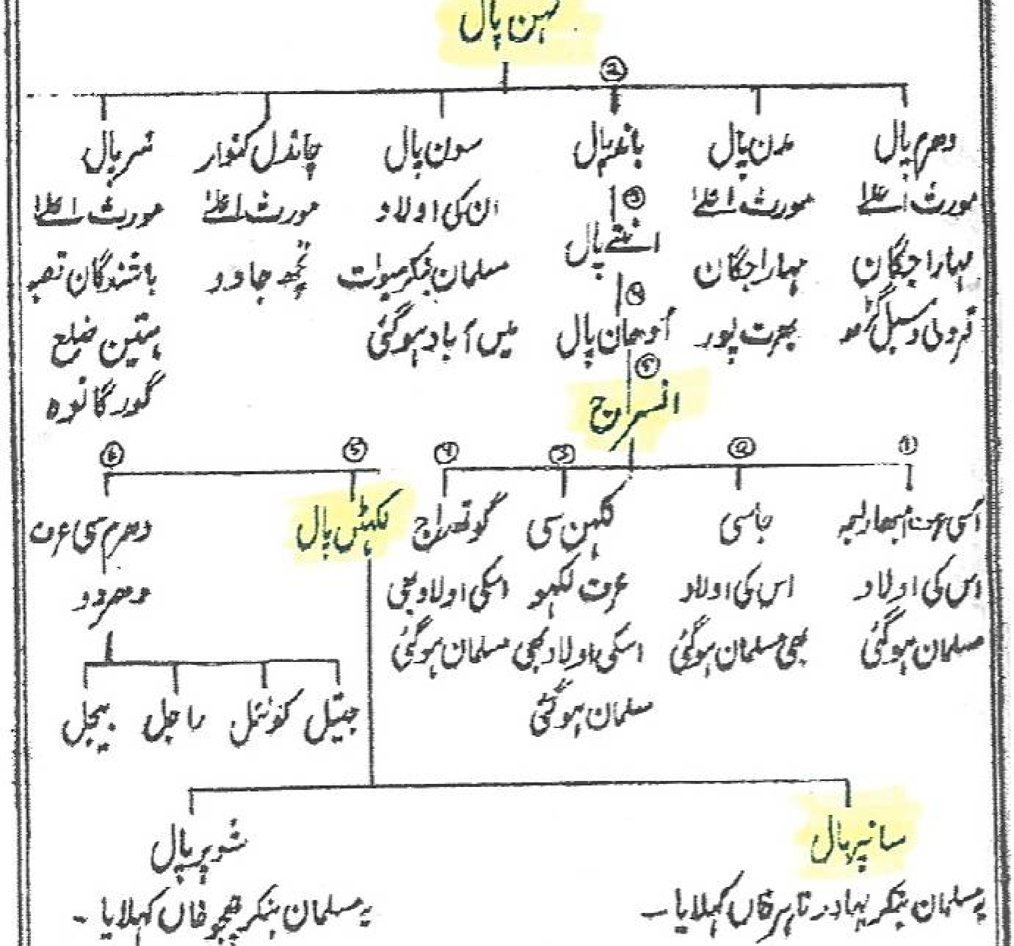
بیانہ وقرولی ومیوات وبھرت پور

کرشن جی۔ پردوامن۔ انرودھ۔ بجر سین۔ اگر سین۔ دھرم سین

بجھ پال۔ برہم پال۔ چندر پال۔ سہن پال۔ بجے پال۔ تہن پال والی تہن گڑھ۔ علاقہ بیانہ۔

نوٹ:۔ بعض مورخ اس تہن پال کے بارہ بیٹے لکھتے ہیں اور بعض بائیس بیٹے بتاتے

ہیں۔ جن میں سے ہم کو صرف چھ نام معلوم ہو سکے ہیں کہتے ہیں مقام آدرجنیہ ادرسنگیل کے راجپوت بھی تہن پال ہی کی اولاد میں سے ہیں مگر اُن کے مورث اعلےٰ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ غرض تہن پال کا شجرہ آگے حسب ذیل ہے۔



مہاراجگان بیانہ

سری کرشن جی کی بڑی رانی رکمنی جی سے پردوامن پیدا ہوا جس کے دو بیٹے انرودھ اور بجر ناتھ ہوئے۔ بجرناتھ کی نسل سے بھٹی اور جاڑیجہ شاخیں قائم ہوئیں ہیں جن دونو کا ذکر پہلے آچکا ہے اور انرودھ کی اولاد سے مہاراجگان بیانہ و قروی و میوات و بھرت پور پیدا ہوئے جن کو جادو قوم

کا سرگروہ مانا جاتا ہے۔ جب یہ جادو قوم راٹھوڑوں کے زور دینے سے تارک الوطن ہوئی۔ تو صرف اندرودھ کی اولاد ہی ایسی باقی رہ گئی تھی جو متھرا سے دُور کہیں نہیں گئی۔ یعنی اس کی اولاد میں سے بہو سردار ایسے باقی رہ گئے تھے جنہوں نے اپنے بزرگوں کے اصلی وطن یعنی علاقہ برج کی قدیم حدود سے کبھی بھی باہر قدم نہیں نکالے تھے۔ بلکہ وہ قدیم سے ہی بیانہ وغیرہ کے مشہور مقاموں پر قابض رہے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کو دوسری جگہ کے یادو بنسیوں پر اس بات کا بڑا فخر حاصل ہے۔ کہ ہم نے اپنی قدیم جائے سکونت کو کسی مصیبت کے وقت بھی نہیں چھوڑا۔ گویا اس بڑائی اور بزرگی کا فخر ان کے لئے ایک قسم کا سارٹیفکیٹ ہے۔

اسی وجہ سے مہاراجگان بیانہ قرولی وغیرہ دوسرے تمام یادو بنسیوں کے سرگروہ مانے جاتے ہیں لیکن افسوس یہ فخر ان کا جو قدیم زمانے سے چلا آتا تھا قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ مسلمان حملہ آوروں کی وجہ سے ان کو بھی مجبوراً اپنا اصلی وطن چھوڑنا ہی پڑا۔

بیانہ میں یادو راجاؤں کے زمانہ کے بہت سے محل اور تہ خانے بنے ہوئے ہیں۔ ان تہ خانوں میں سے کھود کھود کر اب تک یادو راجاؤں کے آلاتِ جنگ نکالے جاتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں صوبہ آگرہ کا نام بھی صوبہ بیانہ تھا۔

بحوالہ کتاب مراۃ آفتاب نما معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں بال چند نامی راجہ کا تعمیر کیا ہوا قلعہ بیانہ میں بڑا مضبوط تھا۔ اسی راجہ نے گوالیار کا قلعہ بھی بنوایا تھا۔ بال چند کے بعد راجہ بجے پال نے قلعہ بیانہ کی از سر نو مرمت اور مضبوطی کر کے اس کا نام بجے مندر گڑھ رکھ دیا۔ یہ قلعہ بیانہ کے اندر ایک اونچے پہاڑ پر بڑا مضبوط بنا ہوا ہے۔ قلعہ کے اندر ایک لاٹھ ہے جس کو تیلی کی لاٹھ کہتے ہیں۔ لاٹھ پر جو حروف کندہ ہیں وہ پڑھنے میں نہیں آتے۔ محمود غزنوی کے بھتیجے مسعود سالار غزنوی نے سنہ ۱۰۳۰ء مطابق سنہ ۴۲۱ھ میں بیانہ کو فتح کیا تھا۔ پھر سمت ۱۱۷۳ بکرمی میں ابوبکر شاہ قندھاری جو کہ خاندان محمود غزنوی کے معتمدوں میں سے تھا۔ بیانہ پر حملہ آور ہوا۔ کتاب وقائع راجپوتانہ میں جو یہ لکھا ہے کہ سمت ۱۲۰۳ بکرمی میں ابوبکر قندھاری نے بیانہ کا قلعہ فتح کیا تھا اُس کا یہ سن لکھنا غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سمت ۱۱۹۸ بکرمی لغایت سمت ۱۲۴۹ بکرمی پرتھی راج چوہان والئی دہلی و اجمیر کا عہد تھا۔ اور بیانہ میں اس کی سسرال تھی۔ اور بیانہ والے راجپوت اس کے زبردست سرداروں میں سے تھے۔ پس پرتھی راج ضرور اپنے ان رشتہ دار سرداروں کی مدد کرتا۔ لیکن تاریخوں میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر

قندھاری کا قلعہ بیانہ کو فتح کرنا سمت ١٢٠٣ بکرمی میں غلط ہے اس سے پہلے یا بعد کا سن ہو سکتا ہے
لہٰذا سمت ١١٧٣ بکرمی جو ہم نے لکھا ہے صحیح ہے۔

راجہ بجے پال نے مقابلہ کے لئے سوار ہوتے وقت اپنی رانیوں سے کہا تھا کہ فوج کی واپسی کے وقت اگر زرد نشان آگے آتا ہوا دیکھو۔ تو اپنی فتح سمجھنا۔ اور اگر سیاہ نشان دیکھو تو شکست جاننا۔ کہتے ہیں اس لڑائی میں راجہ ہی کی فتح ہوئی تھی۔ اور خود ابوبکر بھی اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جس کا مزار بھی بیانہ میں موجود ہے۔ مگر فتح کی خوشی میں راجہ کے ملازموں کو زرد نشان آگے رکھنا یاد نہیں رہا۔ بلکہ سیاہ نشان آگے رکھدیا۔ رانیوں نے اس سیاہ نشان کو آگے دیکھکر اپنی شکست سمجھی جس سے انہوں نے خودکشی کر لی۔ اور اپنے خون سے قلعہ بیانہ کے دروازہ پر پنجہ کے نشان لگا دئے۔ جو آج تک وہاں بتلائے جاتے ہیں۔

اپنے قبیلہ کی تباہی سے راجہ کو بہت رنج ہوا۔ اس لئے کابل تک دشمن کے تعاقب میں جاتے ہوئے مارا گیا۔ لیکن صاحب مراۃ آفتاب نما یہ لکھتا ہے اور جس کی شہادت اور تاریخیں بھی دے رہی ہیں۔ کہ اس لڑائی میں ابوبکر قندھاری کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ جس نے راجہ کو نکالکر بیانہ پر اپنا قبضہ کر لیا۔ کہتے ہیں یہ لڑائی ایک مدت تک ہوتی رہی مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ آخر کسی درویش نے ابوبکر کو بتایا کہ فلاں جگہ پر دو شخص ماموں بھانجے ہیں۔ یہ قلعہ ان کے نام پر فتح ہوگا۔ ابوبکر نے ان دونوں آدمیوں کو بلاکر اپنے لشکر میں ملازم رکھ لیا۔ اور پھر لڑائی شروع کی بڑا کشت و خون ہوا۔ خدا کی قدرت کہ قلعہ اب فتح ہو گیا۔ لیکن افسوس یہ کہ دونوں ماموں بھانجے بھی اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔ ان دونوں کی درگاہیں پہاڑ کے نیچے قلعہ کے متصل شہر کی آبادی میں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں مسلمان بھی اس لڑائی میں مارے گئے جنکی قبریں بھی زیر بالائے کوہ اور قلعہ کے گرد و نواح میں بنی ہوئی ہیں۔ جن کو گنج شہیداں کہتے ہیں۔ بجے پال بھی اس لڑائی میں ماہ پھاگن بروز اتوار سمت ١١٧٣ بکرمی میں مارا گیا۔ اور ابوبکر نے قلعہ بیانہ فتح کر لیا۔ قلعہ کی پیشانی پر ایک پتھر لگا دیا گیا ہے جس میں یہ دوہا کندہ ہے۔

گیارہ سو تہتر ا۔ پھاگ۔ تیج۔ روی بار   بجے مندر گڑھ توڑیا ابوبکر قندھار

یعنی سمت ١١٧٣ بکرمی میں ماہ پھاگن کی تیج کو اتوار کے دن ابوبکر قندھاری بجے مندر گڑھ فتح کر لیا ہے۔ بیانہ کے علاقہ میں جو مندر اور مشہور مقامات ہندوؤں کے بنے ہوئے ہیں۔ ان سب کو مسلمانوں نے تغیر و تبدل کر کے خانقاہیں یا مسجدیں وغیرہ بنالی ہیں۔ قصبہ کا مال جو

کرشن جی کی ننھیال یعنی نانا کا مسکن ہے جس میں چوراسی کھم کی مشہور عمارت اسی زمانہ کی تعمیر کی ہوئی ہے چنانچہ راقم نے خود بھی یہ چوراسی کھم والی عمارت ۲۶ دسمبر ۱۹۳۲ء کو بھرت پور جاتے ہوئے دیکھی تھی۔ واقعی وہاں بھی یہی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اس عمارت کے دروازوں پر عربی عبارتیں کندہ ہیں۔ لیکن جب اندر پہنچتے ہیں۔ تو وہاں ہندوؤں کی دیوی دیوتاؤں کی مورتیں دیواروں پر بنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن کے کان۔ ناک۔ منہہ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ توڑ پھوڑ کر بگاڑ دی گئی ہیں بجے پال کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تہن پال گدی نشین ہوا۔ یہ راجہ بڑا زبردست۔ شجاع اور صاحب شوکت و ہمت ہوا ہے۔ اس نے بیانہ کے قریب ہی ایک قلعہ اور شہر اپنے نام پر تہن گڑھ آباد کیا۔ اس زمانہ میں اس راجہ کی عملداری میں کل علاقہ بیانہ جس میں اب ریاست بھرت پور واقع ہے۔ اور کل علاقہ میوات جس میں پرگنہ جات فیروزپور جھرکا۔ نوح۔ تاوڑو ہتین۔ رام گڑھ۔ کشن گڑھ اور تجارہ وغیرہ شامل تھے۔ اسی راجہ کی زیر حکومت تھا۔ یہ راجہ ایک مدت تک نہایت شان شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ناگاہ ایک طوفان مغرب کی طرف سے آیا جس نے ہندوستان کے چراغ گل کر دیے۔ یعنی جب سنہ ۵۹۲ھ مطابق سنہ ۱۱۹۶ء میں شہاب الدین محمد غوری تہن پال کی سرکشی کی خبر سنکر اس کو سزا دینے اور علاقہ میوات کا انتظام درست کرنے کے لئے ادھر آیا تو اس کی لڑائی تہن پال مذکور سے ہوئی۔ لیکن راجہ معہ اپنے ساتھی راجپوتوں کے شکست کھا کر بھاگ گیا شہاب الدین نے قلعہ تہن گڑھ فتح کرکے اپنے ایک سردار بہاء الدین طغرل کو دیدیا۔ اور اکثر رئیسوں کو قتل کر دیا۔ باقی جو بچے وہ آوارۂ دشت ادبار ہو گئے۔ غرض راجہ اور اس کی اولاد بیانہ سے نکل کر دیہات اور صحرا میں ادھر ادھر سرگردان پھرتی رہی۔ اور پھر کبھی ان کو خود مختار حکومت نصیب نہیں ہوئی۔

۱۲- مہاراجگان قرولی و سبل گڑھ

جب راجہ تہن پال اور اس کی اولاد کا قبضہ بیانہ سے اٹھ گیا۔ تو اس کے ایک بیٹے دھرم پال نے دریائے چمبل کے مغربی کنارہ پر قرولی اور مشرقی پر سبل گڑھ آباد کرکے وہاں اپنی راجدھانی بنائی۔ افسوس قرولی کی قدیم تاریخ ہم کو نہیں ملی۔ سمت ۱۵۱۱ بکرمی مطابق سنہ ۱۴۵۴ء میں مالوہ کے بادشاہ محمود خلجی نے قرولی کو فتح کرکے اپنے خالصے میں شامل کر لیا تھا۔ اور وہاں کے

جادو راجپوت پہاڑوں اور جنگلوں وغیرہ میں گذر کرنے لگے تھے۔ لیکن اکبر کے وقت میں جبکہ گجرات اور مالوہ کے سوا سے راجپوتانہ کے تمام مضبوط مقامات اس کے قبضے میں آ گئے۔ تو اس نے اپنی بلند ہمتی سے جیسا کہ وہ خاندانی راجپوتوں اور رئیسوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا کرتا تھا قرولی والوں کو بھی کچھ جاگیر اور منصب دیا۔ لیکن دہلی کی سلطنت کمزور ہو جانے پر مرہٹوں نے راجپوتانہ کی دوسری ریاستوں کی طرح قرولی کو بھی اپنا ماتحت بنالیا۔ ۱۷۹۶ء میں مہاراجہ سیندھیا نے سبل گڑھ چھین کر قرولی کو قدیم رئیس کے قبضے میں چھوڑ دیا۔ راجہ قرولی پچیس ہزار روپیہ سالانہ خراج پیشوا کو دیتا تھا۔ جس کے عوض ماچلپور کا پرگنہ سونپ رکھا تھا۔

۱۸۱۷ء میں سرکار انگریزی نے راجپوتانہ وغیرہ سے مرہٹوں کا دخل اٹھا دیا۔ تو سب سے اوّل راجہ قرولی نے عہدنامہ کے ساتھ سرکاری اطاعت قبول کی۔ اور اس کا خراج بالکل معاف ہو کر پرگنہ ماچلپور چھوڑ دیا گیا۔ راجہ نے یہ درخواست کی تھی کہ چمبل کے جنوب کی طرف والے پرگنے جو سیندھیا نے دبا لئے تھے سرکاری خراج قائم ہو کر اس کو دلائے جائیں۔ لیکن سرکار انگریزی نے سیندھیا کے ساتھ عہدنامہ طے ہو جانے کے سبب یہ نئی کارروائی منظور نہیں کی اس رنجش پر ۱۸۲۵ء میں راجہ ہربخش پال نے عہدنامہ کے برخلاف بھرت پور کی لڑائی میں سرکار انگریزی کے برخلاف راؤ درجن سال کو فوج بھیجکر مدد دی۔ لیکن کچھ عرصے بعد سرکاری اطاعت کے سوا کوئی حرکت اس سے ظاہر نہیں ہوئی۔ مندرجہ ذیل راجہ مہاراجہ اس ریاست میں حکومت کرتے رہے ہیں۔

راجہ ہربخش پال دیو۔ راجہ پرتاپ پال دیو۔ راجہ نرسنگھ پال۔ راجہ بھرت پال مہاراجہ مدن پال۔ مہاراجہ جے سنگھ پال۔ مہاراجہ ارجن پال۔ مہاراجہ بھنور پال وغیرہ۔

۳۔ مہاراجگان بھرت پور

راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ کا ایک بیٹا مدن پال تھا جس کی اولاد میں مہاراجگان۔ بھرت پور ہیں۔ ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ دریائے گنگا اور جمنا کے ساحلوں پر جو جاٹ لوگ آباد ہیں ان کا رئیس اعظم بھرت پور کا فرمانروا ہے۔ تاریخ بھیا میں یہ بھی لکھا ہے کہ (ہندوستان میں جو جاٹ کاشتکاروں کا عظیم گروہ آباد ہے۔ وہ اپنے آپ کو جادو

قوم کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔ بیانہ اور بھرت پور کے رہنے والے جاٹ یادو قوم کو ہی اپنا سر چشمہ بتاتے ہیں)

دیکھو تاریخ پنجاب جلد دوئم ایڈیشن سوئم صفحہ ۔۔ ۔

شیخ محمد مخدوم صاحب نے بھی تاریخ ارژنگ پور میں یہ لکھا ہے کہ رئیس بھرت پور کا مورث اعلیٰ راجہ تھن پال جادو والئی بیانہ کی اولاد میں سے ہوا ہے جو کرشن جی کے خاندان میں تھا۔ یہ موضع تھون واردسنسنی میں جو اب ریاست بھرت پور کے ماتحت ہیں چھوٹے چھوٹے قلعہ بنا کر رہا کرتا تھا۔ اور رہزنی اور غارتگری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ اس کے جاٹ بننے کی روایت اس طرح پر لکھی ہے کہ ایک دفعہ ان راجپوتوں کی ایک جماعت کہیں لوٹنے کو جا رہی تھی۔ راستے میں جاٹوں کی ایک برات مل گئی۔ ان اشیروں نے اُسے لوٹ لیا۔ اور دولہن کو بھی پکڑ لائے۔ راجپوتوں کا سردار اس دولہن پر عاشق ہو گیا۔ آخر اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کھندل رکھا گیا جب یہ جوان ہوا۔ تو راجپوتوں نے اس کو اپنی ذات میں شامل نہیں کیا اور بیٹی دینے سے بھی انکار کر دیا۔ ناچار اس کی شادی جاٹوں میں ہی ہوئی۔ پھر اس کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ ہر جگہ جاٹ مشہور ہو گئی۔ اس کھندل کے چار بیٹے برج۔ بھگونت۔ جھونجا۔ جھنکھا پیدا ہوئے۔ جھونجا اور جھنکھا دونوں مسلمان ہو گئے جن کی اولاد میوات میں متفرق طور پر آباد ہو گئیں۔ اور برج اور بھگونت آبائی مذہب پر قائم رہے۔ برج کی اولاد ٹھاکر مشہور ہوئی۔ جو رئیسان بھرت پور کی مورث اعلیٰ بن گئی اور بھگونت کی اولاد فوجدار کہلائی۔ جن کی ریاست بھرت پور میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ چونکہ موضع سنسنی ان کی سکونت کا اصلی وطن تھا اس وجہ سے ان کا گوت سنسوال مشہور ہو گیا۔ برج کے پانچ بیٹے ہوئے جن میں بھاؤ سنگھ و راجا رام اور چوڑامل مشہور ہوئے ہیں۔ ان میں سے اول نامدار آدمی راجہ رام ہوا ہے۔ جسے عالمگیر بادشاہ کے پوتے بیدار بخت نے غارتگری کے جرم میں سمت ۱۷۲۵ بکرمی مطابق ۱۶۶۹ء میں قتل کرا کر سنسنی کو برباد کر دیا۔ عالمگیر کے بعد ان لوگوں نے سلطنت کو کمزور دیکھ کر پھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ ٹھاکر چوڑامن کو جو راجہ رام کے مرنے کے بعد جاٹوں کا سرگروہ بنا تھا راستوں کو لوٹ مار سے بچانے کے لئے فرخ سیر بادشاہ کے وزیر سید عبداللہ نے راہدار خاں کا خطاب اور کچھ گاؤں جاگیر میں دیئے تھے۔ لیکن جب یہ لوگ فسادی عادتوں سے باز نہ آئے تو وزیر مذکور نے سوائی جے سنگھ والئی جے پور کو سمت ۱۷۷۵ بکرمی مطابق ۱۷۱۸ء میں چوڑامن کو سزا دینے کے لئے بھیجا مگر اس میں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ چوڑامن نے اپنے باغی بھتیجے بدن سنگھ پسر بھاؤ سنگھ کو

قید کر دیا۔ کیونکہ یہ سوائی جے سنگھ سے مل گیا تھا۔ یہ کئی سال قید رہا ہوا۔ یہ پھر جے سنگھ کو اپنی مدد کے لئے چوڑامن پر چڑھا لایا۔ چھ ماہ کے بعد محاصرہ کے بعد تھون فتح ہو گیا۔ چوڑامن نے اپنے بیٹے محکم سنگھ سمیت بھاگ کر جان بچائی۔ پھر سمت ۱۷۷۵ بکرمی میں بھاؤ سنگھ سردار بنایا۔ یہ بڑا نصیبہ والا تھا۔ یہ موضع سنسنی سے اٹھکر موضع تھون میں آیا۔ اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے روپ سنگھ اور بدن سنگھ۔ یہ بدن سنگھ جاٹوں کا سردار و رئیس مقرر رہا جس کو سوائی جے سنگھ نے ڈیگ کے مقام پر راج تلک دیا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے ضعیف عہد میں بدن سنگھ نے کئی گاؤں پر اپنا قبضہ جما لیا اور کئی چھوٹے چھوٹے قلعہ بنا لئے۔ اور لوٹ مار شروع کر دی پھر یہ گڑھی تھون پر مستقل طور سے قابض بن بیٹھا۔ غرض اس کی اولاد رفتہ رفتہ سترہ برس کے اندر راجاؤں میں شمار ہونے لگی۔

بدن سنگھ کے چار بیٹے سورج مل۔ سوبھارام۔ پرتاپ سنگھ اور بیر نرائن پیدا ہوئے۔ ان میں سے سورج مل کو گدی ملی۔ اس نے بھی دہلی کی سلطنت میں ابتری دیکھ کر گرد و نواح کا کل علاقہ لوٹ مار کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور ڈیگ اور بھرت پور میں قلعہ بنا لئے۔ رفتہ رفتہ ایسا زور پکڑا کہ قلعہ آگرہ پر بھی گولہ باری جا بچائی۔ وہاں کا شاہی قلعدار مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔ سورج مل نے قلعہ پر قبضہ جما لیا۔ اور اپنا قلعدار مقرر کر کے بھرت پور آ گیا۔ اس کے بعد میوات کا کل علاقہ بھی فتح کر لیا۔ اور قلعہ الور پر بھی قابض ہو بیٹھا۔ آخر سمت ۱۸۲۰ بکرمی مطابق ۱۷۶۳ء میں شاہ عالم کے وزیر نجیب الدولہ کے ساتھ لڑتا ہوا محمد خان بلوچ کے ہاتھ مارا گیا۔ باوجود تلاش بھی اس کی لاش نہ ملی۔ اس کے پانچ بیٹے جواہر سنگھ۔ رتن سنگھ۔ مول سنگھ ناہر سنگھ اور رنجیت سنگھ پیدا ہوئے۔ سورج مل کے بعد جواہر سنگھ گدی نشین ہوا۔ یہ سوائی مادھو سنگھ رئیس جے پور کا ہم عہد تھا۔ سمت ۱۸۲۱ بکرمی میں فوج لے کر دہلی پر جا چڑھا اور اسے فتح کر کے قلعہ کو جاٹوں سے خوب لٹوایا۔ یہاں تک کہ بادشاہی تخت اور قلعہ کے دروازہ کے کواڑوں تک کو بھی بھرت پور میں لے آیا۔ اس کے بعد جے پور میں ابتری دیکھ کر جو مرہٹوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ سوائی مادھو سنگھ سے مقام کاماں طلب کیا۔ یہ مقام اس زمانہ میں جے پور ہی کے ماتحت تھا۔ جب کاماں ملنے میں ناکامی ہوئی۔ تو اس نے پشکر کے اشنان کے بہانے سے جا کر مادھو سنگھ مذکور سے لڑائی شروع کر دی۔ اس لڑائی میں اگرچہ کچھواہوں کے بہت سے سردار مثل ہر سہائے وگرو سہائے وغیرہ مارے

گئے۔ لیکن ان کو فتح ہوگئی۔ اور جواہر سنگھ شکست کھا کر کشن گڑھ ہوتا ہوا بڑی مشکل سے بھرت پور واپس آیا اور اپنے غرور کی سزا پائی۔ آخر سمت ۱۹۲۵ بکرمی میں جواہر سنگھ قلعہ آگرہ میں دھوکے سے اپنے ملازم مداری خاں میو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی رنجیت سنگھ گدی پر بیٹھا۔

۱۴ - راجگان میوات

جب راجہ تہن پال کی اولاد بیانہ سے نکالی گئی۔ تو اس کا بیٹا باندپال مدت تک ادھر اُدھر آوارہ پھرتا رہا۔ آخر اس نے ایک پہاڑ کے اوپر سمت ۱۱۰۳ بکرمی میں موضع اجان گڑھ آباد کیا جو قصبہ کاماں ریاست بھرت پور سے تین میل کے فاصلے پر ہے وہاں پر باندپال نے اپنی سکونت اختیار کی۔ اس نواح میں ایک مسلمان فقیر حقیقت کیش شاہ نامی رہتا تھا۔ باندپال اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے لئے دعا کا طالب ہوا۔ درویش مذکور نے ان کے لئے خدا سے دعا کی جس کی وجہ سے وہ فارغ البال ہوگئے۔ باندپال کے بعد اس کا بیٹا اننتے پال ہوا۔ یہ خود اور اس کے بچازاد بھائی اجے پال اور اجیتے پال سب اسی اجان گڑھ میں آباد رہے۔ اننتے پال کے بعد اس کا بیٹا اُدھان پال ہوا۔ اس نے موضع کلتاج پور پرگنہ تجارہ کے پاس پہاڑ کے اوپر ایک موضع دوالہ آباد کیا۔ جس کے ویران کھنڈرات اور آبادی کے نشانات آج تک پائے جاتے ہیں۔ اُدھان پال کے بعد اس کا بیٹا انسراج ہوا۔ اس نے موضع سرہٹہ پرگنہ تجارہ کو آباد کرکے وہاں سکونت اختیار کی۔ اس کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ آسی عرف اسبھا راجہ۔ جاسی۔ لکھن سی عرف لکھو۔ گوشہ راج۔ لکھن پال۔ دھرم سی عرف دھرموں۔ چنانچہ آسی۔ جاسی لکھن سی۔ اور گوتہ راج ان چاروں کی اولاد پہلے ہی مسلمان ہوگئی۔ اس کے بعد لکھن پال کے دو بیٹے سانبر پال اور شومبر پال بھی ۷۵۵ھ میں فیروز شاہ بادشاہ کے زمانے میں مسلمان ہوکر خانزادگان میوات کے مورث اعلیٰ ہوئے ہیں۔ سانبر پال کا نام بہادر ناہر خاں اور شمبر پال کا چھجو خاں رکھا گیا۔

دھرم سی کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جیتل۔ کونتل۔ راجل۔ بیجل۔ کہتے ہیں جیتل فقیر ہوگیا۔ جس کی اولاد سے جسینی فقیر بنے ہیں۔ کونتل کی اولاد نوگانوہیں

میں آباد ہوئی۔ اور راجل کی اولاد سے موضع اندان والے لوگ ہیں۔ چوتھا بیٹا بیجل تھا۔ جو بڑا خدا پرست اور متقی آدمی تھا۔ یہ ہمیشہ اپنے مالک کے گیان دھیان میں معروف رہتا تھا۔ اس وجہ سے لکھن پال بھی اس سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اور چچازاد بھائی ہونے کی وجہ سے سانپر پال عرف بہادر ناہر خاں بھی اسے بہت چاہتا تھا اور ہمیشہ سیر و شکار میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جب سانپر پال معہ اپنے اہل و عیال مسلمان بن گیا۔ تو اب یہ بیجل ہی اکیلا ہندو رہ گیا۔ یہ حال دیکھ کر بیجل بہت گھبرایا۔ اور ہمیشہ غمگین اور اداس رہنے لگا۔ اس کو سب سے زیادہ یہ فکر دامنگیر ہو گیا۔ کہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر ایک روز سانپر پال عرف بہادر ناہر خاں نے اسے سمجھایا کہ بھائی جب ہم سب کے سب مسلمان ہو چکے ہیں تو اب تم اکیلے ہندو رہ کر کیا کرو گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ جو حال ہم سب کا ہوگا وہی تمہارا ہو رہیگا۔ غرض ان سب بھائی بندوں کے سمجھانے سے آخر یہ بھی اسلام لے آیا۔

چونکہ یہ لاولد تھا۔ اس وجہ سے اس کی دلداری سب بھائیوں کو منظور تھی۔ دوئم اس کی نیک عادت کی وجہ سے بھی اس کو سب بھائیوں پر ایک خاص بزرگی حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اس کے مرنے کے بعد بہادر ناہر کی حسب ہدایت عہد بزرگان قدیم سے بیجل کے نام کی صحنک بھرنی شروع کی گئی۔ جس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ چاول پکا کر صحنک بھر کر برائے ایصال ثواب اس پر فاتحہ دلا کر غربا اور بچوں وغیرہ میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ تاکہ اس کی روح کو ثواب پہنچے لیکن آج کل اکثر خانزادوں نے اس کی فاتحہ خوانی بند کر دی ہے۔ اور اب بعض لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ بیجل کون تھا۔ لیکن یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے۔ کیونکہ یہ لکھن پال کا حقیقی بھتیجا اور بہادر ناہر خاں کا چچازاد بھائی تھا۔ مقام کھیڑلی پرگنہ رام گڑھ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ وہیں ان کی قبر بھی بنی ہوئی ہے گرد و نواح کے لوگ ان کی قبر پر نذر و نیاز چڑھانے اب تک آتے ہیں اور بڑا اعتقاد رکھتے ہیں۔

۵۔ غیر ملکی مورخوں کے راجپوتوں پر حملے

عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری نے اپنی کتاب سرتاج التواریخ میں مرزا محمد قاسم فرشتہ کا بہت رونا رویا ہے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ

(محمد قاسم فرشتہ نے راجپوتوں کی نسل کے متعلق خلاف واقعہ بیان تحریر کرکے اُنکو مشتبہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ جو اس کے متعصبانہ خیال کا شاید ہو۔ اصل یہ ہے کہ راجپوت قوم علم سے محروم ہی اور تاریخ نویس مصنفین دیگر قوم کا افراد تھے) دیکھو تاریخ سرتاج التواریخ صفحہ ۸۔ اگر کوئی معمولی مورخ ایسا لکھتا تو ہم اس کے جواب دینے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن محمد قاسم جیسے مورخ کی غلط بیانی کا ازالہ نہ کرنا ایک قومی گناہ ہے۔ چونکہ عاشق علی خاں نے صرف شکایت تو کر دی لیکن کوئی جواب تحریر نہیں کیا۔ ایسی شکایت ایک محقق یا معترض کے لئے راجپوتوں کی پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ لہٰذا ایک مفصل بیان لکھا جاتا ہے

محمد قاسم وغیرہ غیر ملکی مورخوں نے چھتری راجپوتوں اور نومسلموں کے ساتھ اکثر ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اسلامی درباروں میں وہ اپنی گرم بازاری شاہی خوشامد اور راجپوتوں کی ہجو لکھنے میں دیکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس فرض کو بخوبی ادا کیا ہے۔

محمد قاسم کو معتبر مورخ بیان کیا جاتا ہے لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کے تمام مضامین کو وحی آسمانی سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو ہم یہاں پر دور کر دیں گے۔

محمد قاسم فرشتہ نے سورج بنسی اور چندر بنسی راجپوتوں کے برخلاف تو کچھ نہیں لکھا۔ کیونکہ ان کے برخلاف لکھنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ البتہ اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کے متعلق اُن کی نسل کو مشتبہ قرار دینے کی ضرور کوشش کی گئی ہے دیکھو ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۰ فرشتہ صاحب نے اپنے بیان کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل یا حوالہ بھی نہیں دیا صرف یہ لکھ دیا ہے کہ منقول ہے۔ اس لفظ منقول سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف سنی سنائی بات لکھ دی ہے۔ بہت ممکن ہے بعض لوگ اپنی ناواقفیت کی بدولت فرشتہ کو حقیقی فرشتہ سمجھتے ہوں جس سے اس کے بیان کو صحیفہ آسمانی قرار دیتے ہوں۔ حالانکہ ان کا مندرجہ بالا بیان محض غلط ہے۔

۱- محمد قاسم کی غلط بیانیاں

اگرچہ فرشتہ صاحب کی تاریخ کا ماخذ مسلمان مورخوں کی فارسی تاریخیں ہیں۔ لیکن ہم نہایت وثوق سے یہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی تاریخ میں بھی اگنی کل راجپوتوں کے حسب ونسب کو مکروہ یا مشتبہ قرار دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کے بعد مورخین متاخرین کی باری آئی۔ جن میں زیادہ تر انگریز اور انگریزی داں ہندوستانی پائے جاتے ہیں۔ گو ان لوگوں نے اگنی کل راجپوتوں کو شک۔ ہن اور ستھیا وغیرہ نسل کی اولاد ثابت کرنے کی ضرور کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی نسل کو مکروہ یا مشتبہ کسی نے بھی ثابت نہیں کیا۔ فرشتہ کی غلط بیانیاں ثابت کرنے میں کچھ ہم ہی اکیلے نہیں ہیں بلکہ دوسرے مورخوں نے بھی ان کی غلطیاں ثابت کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) فرشتہ کی مخالفت راجپوتوں کے ساتھ کئی وجوہات سے ہے۔ اول یہ کہ راجپوت ہندو ہیں، اس لئے تعصب مذہبی سے ان کو برا بھلا لکھا ہے۔ دوئم یہ کہ راجپوتوں کی لڑائیاں مغل بادشاہوں سے زیادہ تر ہوئیں، اور فرشتہ صاحب بھی مغل قوم سے تھے۔ پس قومی طرفداری سے بدگوئی کی گئی ہے۔ سوئم یہ کہ ابوالفضل کی تاریخ اکبر نامہ انہوں نے پڑھی ہے۔ جس میں اس خوشامدی مورخ نے بادشاہوں کی فتوحات اور راجپوتوں کی شکستیں اور ان کی قومی توہین اچھی طرح دکھائی ہے۔ بالکل اسی کی نقل فرشتہ صاحب نے بھی کر دی ہے۔ چہارم یہ کہ فرشتہ کے آبا و اجداد ہندوستان وغیرہ شاہی درباروں میں عرصے تک ملازم رہے۔ جن کی لڑائیاں ہمیشہ راجپوتوں سے ہوتی تھیں۔ پس فرشتہ نے اپنے بزرگوں کی طرح رسماً ان دوران کے مخالفین کی ہجو لکھنی ضروری خیال کی ہے۔ پنجم یہ کہ مسلمان بادشاہوں نے راجپوتوں سے ملاپ رشتے کرنے شروع کر دیئے جن سے راجپوت لوگ بھی دربار شاہی میں دیگر امرا اور وزرا کی ہمسری کرنے لگے تھے۔ اور یہ امر مسلمان امرا کو ناگوار گزرا۔ اس لئے راجپوتوں کی فعل کے متعلق ہرزہ سرائی کی گئی ہے تاکہ بادشاہوں کو ان کے ساتھ ملاپ رشتے کرنے سے نفرت پیدا ہو جائے

(۲) مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(تاریخ فرشتہ میں جو حال سومنات کے بت توڑنے کا فرشتہ نے لکھا ہے۔ وہ بالکل بے اصل

کہانی گھڑی ہوئی ہے۔ مگر وہ دلچسپ ایسی بنائی گئی ہے کہ ان مورخوں نے جو تحقیق سے غرض نہیں رکھتے ہوبہو نقل کر دیا ہے۔ البوریحاں بیرونی نے صحیح لکھا ہے کہ سومنات ایک لنگ تھا اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ لنگ کے پیٹ نہیں ہوتا جو اسمیں جواہر بھرے جاتے ہندوستان میں لنگ کے بارہ مندر ہیں انہیں ایک مندر سومنات کا بھی ہے) دیکھو تاریخ ہندوستان جلد اول ۲۹۱

(۳) شیخ سلطان حمید صاحب وارثی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل اٹاوہ فتوحات علاءالدین خلجی کے بیان میں اس طرح لکھتے ہیں کہ

(ابوالقاسم فرشتہ بھی قصہ گوئی میں کسی سے کم نہ تھا جیسے افسانوں کو واقعیت سے کوئی بھی سروکار نہیں ہو جیسا پدمنی کی داستان عشق کو اُسنے بالکل غلط لکھا ہے) دیکھو سالنامہ اخبار مونس اٹاوہ ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۱

(۴) دوسری جگہ مولوی ذکاءاللہ صاحب لکھتے ہیں کہ

(فرشتہ نے اپنی تاریخ میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ علاءالدین خلجی نے راستہ میں دکن کو جاتے ہوئے جھوٹ بول کر یہ مشہور کر دیا تھا۔ کہ میں چچا سے ناراض ہو کر راجہ مندری کی نوکری کرنے جاتا ہوں اس بیان پر انگریز مورخ مسلمان بادشاہوں پر دروغگوئی کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ فرشتہ کا یہ تمام بیان پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے) دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۲۶۔

(۵) میاں محمد حسین خاں منہاس قومی مورخ لکھتے ہیں کہ۔

(فرشتہ نے ایک شخص کامل خاں کو محمود غزنوی کا جرنیل لکھا ہے۔ اس کے سوا اور کسی تاریخ میں آج تک کامل خاں کا نام نظر سے نہیں گذرا۔ اور نہ محمود غزنوی کے جرنیلوں میں اس نام کا کوئی جرنیل پنجاب میں سکونت پذیر ہوا۔ یہ محض فرشتہ صاحب کی دماغی اختراع ہے) دیکھو اخبار مسلم راجپوت گرمو شنکر مطبوعہ ۳/۲۶ ۲۶ صفحہ ۵ کالم ایک۔

(۶) رانا سانگا کو راجہ دہلی و اجمیر کا یک جدی نہم قبیلہ فرشتہ نے لکھا ہے) دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۹۷ -

حالانکہ یہ محض غلط ہے رانا سانگا چھتری نسل کا اور سورج بنسی تھا اور پرتھی راج اگ بنسی چوہان تھا۔ ان تمام حوالوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ فرشتہ صاحب نے تاریخی حالات بغیر تحقیق کے لکھے ہیں۔ اور انہیں غلط واقعات میں سے ایک یہ واقعہ ہے جو راجپوتوں کی نسل کے متعلق لکھا گیا ہے۔ محمد قاسم فرشتہ کی قوم کے متعلق بھی تاریخوں کے اندر بہت سے مکروہ اور مشتبہ بیانات تحریر کئے گئے ہیں۔ جن کے لئے ہم فرشتہ صاحب کے ہم

خیالوں کی توجہ تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۱۲۳ اور جلد سوئم صفحہ ۹ مصنفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے مطالعہ کی طرف دلانا چاہتے ہیں۔ امید ہے ان حوالوں کو پڑھ کر فرشتہ اور ان کے ہم خیالوں کی عقل درست ہو جائے گی ؎

چو تیر انداختی بر روئے دشمن ۔ ✦ حذر کن کاندر آماجش نشستی

۲- لفظ راجپوت اور چھتری کا ایک ہی مفہوم ہونا

اس موقعہ پر ہم مندرجہ ذیل تاریخی ثبوت ایسے بھی پیش کرتے ہیں۔ جن کے ذریعہ راجپوت اور چھتری ایک ہی قوم ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) مسٹر وید نے مختلف تاریخی حوالوں سے اور اپنی مضبوط دلائل سے اس امر کو پختہ طور سے ثابت کر دیا ہے کہ راجپوت اور کشتری دو الگ الگ قومیں نہیں ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ سے ہی ایک چلی آتی ہیں۔ اور ان کے خط و خال جسم کی بناوٹ اور عادات و اطوار وغیرہ ان کو کلی طور پر آریہ نسل سے ثابت کرتی ہیں۔ نیز راجستھان کی کشتری کلوں کی روایات بھی ان کو سورج بنشی اور چندر بنشی خاندان سے ہی بتاتی ہیں۔ برہمن۔ ویش۔ جاٹ یا راجپوت کشتری وغیرہ محض قبیلوں کے نام تھے۔ جن میں یہ نام محض پیشوں کے لحاظ سے پائے جاتے ہیں۔ اگنی کل کا قصہ بھی بالکل غلط اور فرضی ہے۔ مسٹر وید کہتے ہیں کہ اس فرضی کہانی کو سب سے پہلے پرتھی راج کے بھاٹ چاند نے اپنی نظم میں درج کیا ہے۔ اور یہ محض اس کے شاعرانہ خیال کو ظاہر کرتی ہے۔ ورنہ چاند خود بھی یہ نہیں مانتا تھا۔ اور نہ اس کہانی سے یہ بتانا چاہتا تھا۔ کہ کشتریوں اور راجپوتوں کی کلیں الگ الگ ہیں۔ یا راجپوتوں کی کلیں دوسری جاتیوں میں سے پیدا کی گئی ہیں۔ عام لوگ جن میں کشتری اور برہمن لوگ بھی داخل تھے دھن کمانے میں لگ گئے کیونکہ آرام سے زندگی بسر کرنیکا سب سے اچھا طریقہ دھن کمانیکا ہی ہے چونکہ یہ طریقہ سب سے اونچا تھا۔ اسلئے عام لوگوں نے کھیتی کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ کشتریوں کا جنگوں میں لڑنیکا کام تھا یہ کام مشکل ہونیکی وجہ سے لوگ اس سے کنارہ کش ہونے لگے۔ اس وجہ سے کشتریوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی۔ ان کشتریوں نے اپنے غرور کو قائم رکھنے کے لئے کھیتی کرنے والوں کو بھی شودر سمجھنا شروع کر دیا۔ بدھ دھرم کے غلبہ کے وقت کشتریوں کی تعداد بالکل ہی کم ہو گئی تھی۔ جب بیرونی اقوام کے حملے ہندوستان پر شروع ہوئے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ ان پرانے کشتریوں میں جو کاشتکار

بن گئے تھے نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے کشتری نسل کو عروج دیا گیا۔ لیکن خون کی پاکیزگی کا خیال اپنے زور سے ہندوؤں میں داخل ہو گیا تھا کہ ذرا سے تغیر سے بھی فوراً نئی ذات بنانے کا رواج پڑ گیا۔ نیز پرس رام کے حملوں کے وقت بھی بہت سے کشتریوں نے اپنا جنگی کام چھوڑ کر کھیتی کو ہی اپنا پیشہ بنا لیا تھا) دیکھو تاریخ راجستھان بھائی پرمانند صاحب ایم۔ اے مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۸۵، ۱۶۷۔

(۲) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری بھی یہ لکھتے ہیں کہ (آریہ ہندوؤں کی ابتدائی چار قومیں لیعنی برہمن۔ چھتری۔ ویش اور شودر میں سے قسم دوئم یعنی چھتری کو راجپوت بھی کہتے ہیں) دیکھو تاریخ راجگان ہند مطبوعہ ہمدم پریس لکھنو صفحہ ۳۶۔

(۳) مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان میں تحریر فرماتے ہیں کہ (حال کے جو مورخ راجپوتوں کو چھتری خیال کرنے میں تامل کرتے ہیں اور ہُن اور سیتھیا وغیرہ نسل سے بتاتے ہیں وہ درست نہیں ہے۔ جاٹ لوگ اگر سیتھیا نسل سے ہوں تو ہوں۔ لیکن راجپوت سب کے سب خالص آریہ ہندو ہیں۔ البتہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ آریہ ہندو اور سیتھیا نسل والے ایک ہی نسل سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ ٹاڈ صاحب بھی مانتے ہیں لیکن بعد میں اپنے اپنے مخصوصات کے سبب سے جُدا جُدا قومیں بن گئی ہیں۔ تو اس معاملہ پر گفتگو کرنے کی بالکل حاجت نہ ہوگی۔

آٹھویں صدی سے بہت پہلے منو کا قانون بن چکا تھا جس میں ذات پات کی بڑی بڑی قیدیں لگائی ہوئی تھیں۔ پس زنار دار قوموں میں دوسری باہر کی آئی ہوئی قومیں کسی طرح بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ کیونکہ آریہ ہندو بہت فخر کرنے والے اور مغرور تھے۔ اپنے آپ کو سب سے بڑا جانتے تھے۔ یہاں تک کہ انسانی اولاد ہونے سے بھی اپنی اہانت جانتے تھے۔ اسی وجہ سے اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہلانے میں نہایت فخر سمجھتے تھے۔ اپنا نام بھی آریہ یعنی مقدس رکھا تھا۔ پس ایسی حالت میں ان کے اندر غیر ملک کے لوگوں کا ایسے زمانہ میں داخل ہو کر جذب اور مخلوط ہو جانا جبکہ منو کے قوانین کی رو سے ان میں آپس میں بہت کامل امتیاز پیدا ہو چکا تھا نہایت دشوار امر ہے۔

بعض لوگ اگنی کل کی پیدائش سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ راجپوت قوم بہت بعد کی پیدائش ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگنی کل کی کہانی چاند بھاٹ کی گھڑی ہوئی ہے۔ جو محض اس کے

شاعرانہ خیال ہیں۔ ورنہ اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے۔ اور نہ چاند اس کہانی سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ کشتری اور راجپوتوں کی نسلیں الگ الگ ہیں۔ کیونکہ اس سے اس کے ممدوح خود پرتھی راج چوہان کی بھی ہتک ہوتی تھی۔

دوئم یہ کہ جب ہندوؤں کی تاریخوں اور ان کی مذہبی باتوں کو دوسرے مذاہب والے غلط اور قانون قدرت کے برخلاف مانتے ہیں تو پھر اگنی کل کی پیدائش کو ہی کیوں صحیح مانا جاتا ہے۔ نیز اگنی کل کی پیدائش صرف آبو پہاڑ کے گرد و نواح میں ہوئی بیان کی گئی ہے۔ نہ کہ کل ہندوستان میں۔ لیکن جس زمانہ میں اگنی کل کی پیدائش بتائی جاتی ہے۔ اس وقت آبو پہاڑ کے گرد و نواح میں شک ہن اور ستھیا نسل کا وجود ہی نہ تھا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مغرب کی طرف یعنی زابلستان وغیرہ سے آئے ہوئے لوگ راجپوت بن گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یادو خاندان کی ایک بڑی تعداد جو قدیم زمانہ میں ہندوستان ہی سے گئی تھی وہ دریائے اٹک کے پار سے واپس آگئی یہ لوگ کرشن جی کی وفات کے بعد اپنے دارالخلافہ دوارکا سے قدیم زمانہ میں ہی چلی گئی تھی۔ بہت ممکن ہے انہیں لوگوں کی واپسی پر ان کو راجپوت بتایا گیا ہو۔ حالانکہ یہ لوگ خالص آریہ نسل سے ثابت ہو چکے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ راجپوتوں کا مذہب اور چال چلن ستھیا وغیرہ اقوام کے مذہب اور چال چلن سے ملتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان قوموں کی جتنی مشابہت چال چلن اور مذہب کے بارہ میں راجپوتوں سے ہے۔ اس سے بہت زیادہ مشابہت برہمنوں و چھتریوں اور ویشیوں وغیرہ سے ہے۔ راجپوتوں کی زبان سنسکرت اور ہندی بھاشا ہے۔ لیکن ستھیا وغیرہ اقوام کی زبان کا ایک لفظ بھی سنسکرت یا ہندی بھاشا زبان میں نہیں پایا جاتا۔ پس یہ دلیل بھی محض غلط ہے۔

بعض لوگ راجپوت قوم کے نام ستھیا وغیرہ کے ناموں سے ملتے جلتے بتاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آسٹریلیا میں سے بھی بہت سی قوموں کے نام ان قوموں سے ملتے جلتے ہیں پس یہ دلیل بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دریائے اٹک کے آس پاس ایسے لوگ موجود پائے جاتے ہیں جو ہندوں اور ستھیا وغیرہ اقوام کی آمیزش سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ کس طرح معلوم ہوگیا کہ اس قسم کی پیدائش سے صرف راجپوت ہی ہو سکتے ہیں اور دوسرے لوگ نہیں ہو سکتے نیز ہندوستان میں ایرانی - ترک - عرب - انگریز - افغان وغیرہ مدتوں سے یہاں فاتح کی حیثیت سے آکر رہے ہیں - مگر ان میں سے کسی قوم کو بھی ہندو قوم کی فہرست میں جگہ نہیں ملی - پھر شک - ہن اور ستھیا والے ہی کس طرح جذب ہو گئے -) دیکھو تاریخ راجگان ہند مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری مطبوعہ لکھنؤ بحوالہ تاریخ ہندوستان مسٹر الفنسٹن صاحب صفحہ ۱۵ لغایت ۱۸ -

(۴) سید حسن مرزا صاحب ایم - اے - بی - ٹی و عبدالحمید خاں صاحب نیازی ایم - اے پروفیسر ہسٹری یہ لکھتے ہیں کہ (سمتھ صاحب اور دیگر مورخین نے یہ نتیجہ نکالا ہے - کہ جب باہر کی قومیں ستھیا - کشان اور ہن وغیرہ ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے سردار لوگوں نے تو آریہ لوگوں میں مل جل کر ان کے ساتھ شادیاں کر لیں اور انہوں نے اپنا نیا نام بجائے کشتری کے راجپوت رکھ لیا - لیکن ان سرداروں کے ساتھ جو دوسرے لوگ سپاہی وغیرہ آئے تھے ان کی نیچی ذاتیں مقرر ہو گئیں چنانچہ ایک ہی قوم کے لوگوں میں سے سردار لوگ تو راجپوت اور باقی لوگ گوجر جاٹ وغیرہ کہلانے لگے) دیکھو تاریخ ہند مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور سنہ ۱۹۳۱ء صفحہ ۴۰ -

(۵) یہی صاحبان دوسری جگہ یہ لکھتے ہیں کہ (جس طرح مسلمانوں میں مختلف قبیلوں اور مختلف مقاموں کی رہنے کی وجہ سے ہندوستان میں آکر مختلف قومیں کہلانے لگیں - اسی طرح ہندوستان کے فاتح آریہ ہن - کشان وغیرہ بھی مختلف قبیلوں اور مختلف جگہوں کے رہنے کی وجہ سے آریہ اور راجپوت وغیرہ کہلانے لگے ہیں) دیکھو تاریخ ہندوستان ایضاً صفحہ ۷۸ -

البتہ قدیم آریہ اور جدید آریہ کا فرق ضرور کہا جا سکتا ہے - لیکن یہ بعد میں آنے والے آریہ لوگ بھی اسی سرزمین اور اسی قوم سے تعلق رکھنے والے ہیں جس سے قدیم آریہ تعلق رکھتی ہے - آریاؤں کی یہ آمد صرف ایک دفعہ میں ہی ختم نہیں ہو گئی تھی - بلکہ مختلف اوقات میں ایک عرصے تک ہندوستان میں آتے رہے اور اپنے پرانے بھائی ہندوؤں میں ملتے جلتے رہے - یہی وہ اختلاط ہے جس کو مورخوں نے نو وارد قوموں کو آریہ ہندوؤں میں جذب ہو کر ایک قوم بن جانا بیان کیا ہے - لہذا قدیم آریاؤں کو جدید آریوں پر بجز اس کے

اور کچھ شرف حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ ذرا پہلے ہندوستان میں آگئے تھے۔ اور یہی جدید آریہ یعنی بعد میں آنے والے تاتاری لوگ راجپوت کہے جا سکتے ہیں۔ ورنہ اصل سب کی ایک ہی ہے جو لوگ راجپوت اور چھتریوں کو ایک قوم نہیں مانتے۔ ان کے پاس کوئی بھی معیار ایسا نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ موجودہ باشندوں میں سے راجپوت اور چھتریوں کو الگ الگ انتخاب کر سکیں۔ اس دعوے کے مندرجہ ذیل ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ (جب آریاؤں کے متعدد گروہ اسی طرح مختلف وقتوں میں شمالی و مغربی ملکوں سے فاتحانہ آ کر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوتے رہے اور پہلے آئے ہوئے آریاؤں میں ملتے جلتے رہے تو پھر لفظ ہندو میں آریوں کے لئے کوئی اذیت رساں اور رنجدہ مفہوم باقی نہیں رہا) دیکھو مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۹۰۔

(۲) ڈاکٹر لیبان صاحب کتاب تمدن ہند میں فرماتے ہیں کہ (ہندوستان میں بیرونی اقوام کی آمد کا سلسلہ شمال و مغرب کی جانب سے عرصے تک جاری رہا۔ اور ہر سو یا پچاس سال کے بعد کوئی نہ کوئی آریاؤں کا گروہ فاتحانہ داخل ہو کر اس ملک میں سکونت اختیار کر لیتا ہے) بحوالہ مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۱۵۔

(۳) پروفیسر سیتارام صاحب کوہلی ایم۔ اے اور ڈاکٹر ایشوری پرشاد صاحب ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل الہ آباد لکھتے ہیں کہ (ہندوستان کے باشندے مختلف زمانوں میں یہاں آئے۔ اور آریوں سے ملتے رہے۔ یہاں آنے کے بعد ان میں اور آریاؤں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ بلکہ وہ آریہ قوم کا ایک جزو بن گئے۔ اور ہندو مذہب اختیار کر کے بوجہ حکومت چھتری مشہور ہو گئے۔ ہندوستان میں ان کی آمد کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا) تاریخ ہند حصہ اول صفحہ ۸۰۷۔

(۴) مسٹر مارسڈن صاحب لکھتے ہیں کہ (لفظ راجپوت کے معنی راجاؤں کے بیٹے کے ہیں۔ ان راجپوتوں میں بہت سے تو پرانے زمانہ کے ان کشتری راجکماروں کی نسل سے ہیں جو آرین تھے اور بعض ان قوموں کے راجکماروں کی اولاد میں سے ہیں جو آرین کے بعد ہندوستان میں آئے۔ پھر صدیوں تک رہتے رہتے ہندو بن گئے۔ اور پرانے زمانہ کے چھتریوں میں اور ان میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ کیونکہ یہ بھی شاہی نسل سے تھے۔ اور حکمرانی اور جنگ جوئی ان کا قدیم کام تھا) دیکھو تاریخ ہند حصہ اول صفحہ ۳۸۔

ان تمام حوالوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ راجپوتوں میں چھتری اور راجپوت کی کوئی الگ الگ تمیز موجود نہیں ہے۔ اور سب کے سب راجپوت کہلاتے ہیں

۳۔ حال کی تحقیقات کے مطابق آریاؤں کا قدیم وطن

جن لوگوں نے ہندوستان کے رہنے والے آریاؤں کا اصلی اور قدیمی وطن وسط ایشیا سمجھا ہے اور وہ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ والوں کو چھتری خیال نہیں کرتے۔ وہ زمانہ حال کی تحقیقات کو ملاحظہ فرمائیں۔ جو پروفیسر سیتارام کوہلی و ڈاکٹر ایشوری پرشاد صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل الہ آباد اور مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے اپنی اپنی تاریخوں میں لکھی ہے۔ اس کو پڑھنے سے آریاؤں کا قدیمی اور اصلی وطن وسط ایشیا ہی غلط ثابت ہو رہا ہے۔ یہ صاحبان لکھتے ہیں کہ آریہ کس وطن سے نکلے۔ کب نکلے۔ کس کس زمانہ میں کس کس ملک میں جاکر آباد ہوئے۔ اس بات کی بابت محقق لوگوں میں ابھی تک بہت اختلاف رائے ہے۔ اول ہی اول یورپین فاضلوں نے اس کی نسبت جو رائے قائم کی تھی وہ یہ ہے کہ آریہ نسل شروع میں وسط ایشیا کے ممالک مثلاً بحیرہ کیسپین بحیرہ اسود اور سلسلہ کوہ قاف کے متصل علاقہ میں آباد تھے۔ اور یہاں سے رفتہ رفتہ یورپ اور ہندوستان میں پھیلتے گئے۔ لیکن ان فاضلوں کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اس نسل کا ابتدائی وطن وسط ایشیا ہرگز نہیں بلکہ شمالی قطب کے نزدیک تھا۔ اور اسی علاقہ میں سویڈن اور ناروے کے ملک بھی شامل ہیں۔ اس خیال کے ماننے والوں میں سے مہاتما بال گنگا دھر تلک بھی ایک تھے۔ ایک تیسرا گروہ بھی ہے جس میں ایک بنگالی فاضل مسٹر ابناش چندر داس ہے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ آریاؤں کا اصلی وطن وہ علاقہ ہے جس کو رگ وید میں سپت سندھو لکھا گیا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جو دریائے کابل سندھ اور پنجاب کے پانچوں دریاؤں اور سرسوتی ندی سے سیراب ہوتا ہے۔ اور جس کو آجکل پنجاب کہا جاتا ہے۔ آریہ لوگ یہاں سے نکل کر کوہ ہندوکش کے دروں سے گذرتے ہوئے پہلے ایران اور پھر وہاں سے یورپ میں جا بسے۔ حال ہی میں ایک انگریز محقق مسٹر پارجیٹر نے ایک نیا خیال پیش کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آریہ لوگ کوہ ہمالیہ کے درمیانی علاقوں میں رہا کرتے تھے۔ پھر وہاں سے اتر کر ہندوستان میں آ بسے۔ اور سب سے اول انہوں

نے الٰہ آباد (اجودھیا) بسایا۔ اور پھر یہاں سے شہر تا غر با فتح کرنا شروع کیا۔ اور پنجاب سے ہوتے ہوئے کوہ ہندوکش کو عبور کر کے رفتہ رفتہ یہ لوگ ہندوستان سے باہر گئے۔ اور کچھ عرصے بعد ایران۔ یونان اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ تقریباً یہی خیال آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ظاہر کی ہے۔ ان کا بھی یہ خیال ہے کہ آریہ لوگ ملک تبت سے جہاں وہ پہلے رہا کرتے تھے نیچے اتر کر ہندوستان میں آبسے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام سنسکرت لٹریچر میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ آریہ لوگ غیر ممالک سے آکر یہاں آبسے تھے۔

غرض محقق لوگ برابر اسباب پر غور کر رہے ہیں اور نئے نئے خیالات پیش کر رہے ہیں اس لئے ابھی تک پورے طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ آریہ نسل کا ابتدائی وطن کہاں تھا۔ (دیکھو تاریخ ہند حصہ اول سیتارام کوہلی و ڈاکٹر ایشوری پرشاد مطبوعہ انڈین پریس الٰہ آباد ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۱۔ اور مقدمہ تاریخ ہند قدیم اکبر شاہ خاں صاحب مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ۱۹۳۲ء صفحہ ۶۸۔

ان تمام تحریروں سے ثابت ہو رہا ہے کہ جو لوگ صرف وسط ایشیا کے علاقہ تاتار و منگولیا وغیرہ کے باشندوں کو ہی اصلی آریہ سمجھتے ہیں اور دوسری جگہ سے آئے ہوؤں کو غیر آریہ کہکر چھتری اور راجپوت وغیرہ کی قومی تفریق پیدا کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اور ان کا یہ موہوم دعوے کہ راجپوت لوگ چھتری نہیں ہیں قطعی غلط ثابت ہو گیا۔

۶۔ لفظ راجپوت کی وجہ تسمیہ

لفظ راجپوت کے معنی راجا کا بیٹا یا شاہزادہ ہے۔ اور راجپوت۔ راجکمار۔ سلج کنور وغیرہ الفاظ سب ہم معنی ہیں۔

آریاؤں کے ہندوستان میں آنے سے ایک ہزار برس بعد منوسمرتی لکھی گئی ہے۔ اور آریہ لوگ اس ایک ہزار سال کی مدت تک ایسی حالت میں رہے جس میں ذات پات کا مطلق لحاظ نہ تھا۔ اس کے بعد منوجی نے بلحاظ پیشہ ان کی چار ذاتیں برہمن۔ چھتری۔ ویش اور شودر قائم کیں۔ چھتریوں میں راجہ اور سپاہی لوگ شامل تھے۔ جن کا کام ملک کی حفاظت کرنا تھا۔ یہ لوگ اپنے باہمی اتفاق سے جس شخص کو اپنی قوم میں زیادہ لائق اور بہادر جانتے

تھے اُسے اپنا سردار بنا لیتے تھے۔ اس سردار کا خطاب رائے یا راجہ مقرر تھا۔ انہیں رایوں یا راجاؤں کی اولادوں کو راجپوت کہا جاتا ہے۔ البتہ اس پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اگر راجہ چھتری نسل کے علاوہ کسی دوسری نسل کا ہو۔ تو اس کا لڑکا بھی راجپوت کہلائیگا یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ منو کے قانون کے مطابق دوسری نسل کا آدمی راجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ چھتری لوگ کسی غیر کو راجہ بننے دیتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کی ہتک ہوتی تھی۔ پس یہ سوال ہی غیر متعلق ہو گیا۔ بفرض محال ایسا ہو بھی۔ تو گو معنوں کے لحاظ سے اس غیر چھتری نسل کے راجہ کی اولاد کو بھی راجپوت ہی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ راجپوت کے معنی ہی راجہ کا بیٹا ہے۔ لیکن بلحاظ قوم اس غیر چھتری نسل کے راجہ کی اولاد کو ہرگز راجپوت نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً موجودہ زمانہ میں بھرت پور کا راجہ قوم سے جاٹ کہلایا ہے۔ تو اب اس کے بیٹے کو راجپوت نہیں کہا جائیگا گو وہ بھی راجہ کا ہی بیٹا ہے پس اس لحاظ سے جاٹ کا بیٹا جاٹ اور راجپوت کا راجپوت کہلائیگا اور راجگی کا عہدہ یا خطاب مل جانے سے اسکی قومیت نہیں بدل جائیگی۔

۵۔ لفظ راجپوت کب ایجاد ہوا

اس میں شک نہیں کہ آٹھویں صدی سے پہلے تاریخوں کے اندر راجپوت لفظ کا اطلاق قوم یا ذات کے معنوں میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ لیکن اس لفظ کا استعمال سنسکرت کے علم ادب میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجپوت کا لفظ قوم یا ذات کے معنوں میں مسلمان بادشاہوں کے زمانہ کی ساخت ہے۔ شاہی زمانہ میں چھتری لفظ کی بجائے اس راجپوت لفظ کی زیادہ وقعت ہوتی تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ لفظ صرف شاہی خاندان کے افراد کے لئے مخصوص تھا۔ مسلمانوں کے نزدیک راجپوت لفظ کے معنے ایسے ہی سمجھے جاتے ہیں جیسے عربوں میں امیر کے۔ پٹھانوں میں خاں کے اور مغلوں میں بیگ کے ہوتے ہیں۔ اور یہ سب الفاظ سرداروں کے معنوں میں بولے جاتے ہیں گویا راجپوت کا لفظ صرف حکمراں جماعت کے لئے اور چھتری کا لفظ بہ حیثیت مجموعی کل جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یا یوں کہو کہ چھتری کا لفظ عام ہے جس میں حکمراں اور غیر حکمراں سب شامل ہیں لیکن راجپوت کا لفظ خاص ہے۔ جو صرف سردار یا راجہ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ البتہ شاہی درباروں میں راجپوتوں کے اس اعزازی خطاب کو دیکھکر بعد میں تمام چھتری لوگ بھی اپنے آپ کو راجپوت ہی کہنے لگ گئے تھے۔

اگرچہ راجپوت کا لفظ شروع میں بطور خطاب بولا گیا تھا۔ لیکن آجکل تمام قوم کے معنوں میں بولا جاتا ہے کہ چھتری اور راجپوت کے الفاظ لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ بلکہ قوم یا ذات کیلئے آجکل راجپوت لفظ کے عام رواج نے لفظ چھتری کو بالکل ہی معدوم کردیا ہے۔ سرکاری یا نجی کاغذات وغیرہ میں بھی قوم یا ذات کیلئے لفظ چھتری نہ کہیں بولا جاتا ہے اور نہ لکھا جاتا ہے۔ اگر آپ مردم شماری کا گزیٹیر اٹھا کر دیکھیں گے جس میں کل ہندوستان کی قوموں کے نام درج ہیں۔ تو اس میں بھی چھتری قوم آپ کو کہیں بھی نظر نہ آئے گی۔ بلکہ اس کے بجائے راجپوت کا لفظ لکھا ہوا ملیگا۔ چنانچہ گزیٹیر مردم شماری پنجاب ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲۶ میں لکھا ہوا ہے کہ

(لفظ راجپوت زمانۂ قدیم کی کشتری ذات سے مشہور ہوا ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں چھتری کا لفظ بالکل معدوم یا متروک ہو گیا ہے۔ اور اس کی جگہ راجپوت کا لفظ ہر جگہ استعمال ہو رہا ہے۔

۲۔ راجپوتوں کی قومی شرافت کے متعلق مورخین کی رائیں

کرنل جیمز ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ راجپوتوں کی قومی شرافت کو آپ بچہ بچہ کی زبان سے سن لیجئے وہ نہ تاریخوں کے محتاج ہیں اور نہ مورخوں کے دست نگر۔ بلکہ ان کے بزرگوں کے حالات ہی ایسے ہیں جو کسی دل سے فراموش ہونے والے نہیں۔

راجپوتوں میں غیر شریف کو مطلق راج گدی نہیں دی جاتی۔ اگر کبھی ایسا عمل ہوا بھی ہے تو راجہ کے بھائی بیٹوں نے اس کی ماتحتی سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اور بغاوت کر کے فوراً اسے گدی سے اتار دیا ہے۔ مثلاً میواڑ کے سرداروں نے باہمی رنجش سے بکرما جیت کی جگہ بان بیر سنگھ کو جو کنیزک زادہ تھا راجہ بنالیا۔ مگر پھر سرداروں نے فوراً پنچایت کر کے اسے گدی سے اتار دیا۔ اسی طرح شیودان سنگھ رئیس الور کا بیٹا جسونت سنگھ ماں کی طرف سے داغدار تھا۔ اسے شریف نہ سمجھ کر راجپوتوں نے گدی نہیں دی بلکہ منگل سنگھ تھانہ کے ٹھاکر کو اپنا راجہ بنالیا۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں میں صحیح النسب کے سوا مخلوط النسل نہیں ملتے۔ گو فی زمانہ اب ان کا

عروج باقی نہیں رہا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی خاندانی صحیح النسبی پر نازاں ہو کر فخر کرتے ہیں
یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ
(راجپوتوں میں جن لوگوں کے اندر شرافت کا نقص ہوتا ہے۔ وہ زمرۂ امرا میں شمار نہیں ہو سکتے)
یہی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ
(لونڈی یا گولی یا داسی عورت کے بیٹے بھی ہر حالت میں غلام یا داس ہی رہیں گے اور ان کی شادیاں بھی ایسے ہی لوگوں میں ہونگی۔ رانا میواڑ کے خاندان میں جو اولاد گولیوں یا لونڈیوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو داس یا غلام یا گولا کے خطاب سے پکارتے ہیں۔)
مولوی ذکا اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ
(ہندوؤں میں ایک قدیمی قوم راجپوتوں کی ایسی ہے جس میں ماں کے پیٹ سے ہی سپاہی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا ہر گروہ ایک موروثی سردار رکھتا تھا۔ ان کے ہاں جاگیر دینے کا انتظام بھی عمدہ تھا۔ غرض ان باتوں سے راجپوتوں میں عالی نسبی قومی شرافت بلند ہمتی۔ دلاوری اور مردانگی کے خیالات بڑے زور و شور سے پیدا ہو گئے تھے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو راجپوتوں سے زیادہ اپنے ننگ و ناموس اور شرافت کی حفاظت میں جان دینے کو بے حقیقت جانتی ہو۔ بھاٹ ان کی ترنگوں کو اپنے کڑکوں سے اور زیادہ رنگ دیدیتے تھے۔ اگر یہ سپاہ پیشہ فریق ہندوستان میں نہ ہوتا۔ تو شہاب الدین غوری وغیرہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ہندوستان کو لے لیتے)
تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۳۵۵۔ ان تمام حوالوں سے راجپوتوں کی صحیح النسبی دلاوری اور بہادری کا حال بخوبی ظاہر ہو رہا ہے۔ نہ معلوم فرشتہ صاحب کو یہ حالات تاریخوں کے اندر کیوں نظر نہ آئے۔

مؤلف کی ذاتی رائے

ار سے خیال میں راجپوتوں کی اصلیت کو مکروہ قرار دینے کی سب سے بڑی وجہ

یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب شاہان غیر ملکی نے اپنی مطلب برآری اور حمایت حاصل کرنے کے لئے راجپوتوں کے ساتھ رشتے ناطے شروع کر دیئے۔ تو اس تعلق کی وجہ سے شاہی دربار وں میں بھی راجپوت لوگ بہت معزز و ممتاز شمار ہونے لگے۔ اور اپنی عمدہ کارگزاریوں کی بدولت بڑے بڑے عہدے۔ جاگیریں۔ خطاب۔ انعامات اور صوبوں کی حکومتیں حاصل کرنے لگے راجپوتوں کی اس شان و شوکت کو دیکھکر اُن غیر ملکی امرائے سلطنت کے دلوں میں رشک و حسد کی بنیاد قائم ہو گئی۔ جو بادشاہوں کے ہم مذہب اور ہم قوم ہونے کی وجہ سے تمام منصب ہائے جلیلہ کو بلا شرکت غیرے صرف اپنا ہی لوٹ کا حق سمجھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یہ لوگ راجپوتوں کے رقیب بن گئے اور یہی جوش رقابت تھا جس کی بدولت محمد قاسم وغیرہ نے اپنے بھائی بندوں کے زوال دولت وجاہ کا اندیشہ کر کے راجپوتوں کی برائیاں کرنی شروع کر دیں۔ اگر فی الحقیقت راجپوت اچھے نہ تھے۔ تو فرشتہ کو چاہیے تھا کہ بجائے راجپوتوں پر تہمت تراشی کے، اپنے مغل، بادشاہوں کو ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے سے منع فرماتے۔ لیکن ایسا مطلق نہیں کیا گیا۔ کیا اس خاموشی کے یہ معنی ہیں کہ در حقیقت یہ بادشاہ بھی بلحاظ قومی شرافت و اعتبار تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو اچھے رشتے ناطوں کے لئے شریف خاندان نہیں مل سکتے تھے۔

ان تمام حوالوں سے پایا جاتا ہے کہ محمد قاسم وغیرہ غیر ملکی مورخوں نے راجپوتوں کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خاک ڈالنے سے کبھی چاند نہیں چھپ سکتا۔

تیسرا باب خانزادوں کے قومی حالات

جغرافیۂ میوات

میوات کی وجہ تسمیہ

اہل شاستر نے دنیا کو سات دیپ اور نو کھنڈوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک دیپ میں کچھ کھنڈ ہیں اور ہر ایک کھنڈ میں کچھ دیس ہیں چنانچہ ایک کھنڈ کا نام بھرت کھنڈ ہے۔ جس میں یہ میوات کا دیس شامل ہے۔ میوات کا نام قدیم سے ہی میوات چلا آتا ہے مسلمان مورخوں نے بھی اس علاقہ کا نام اپنی اردو و فارسی کی تاریخوں میں ملک میوات یا ولایت میوات یا کوہ پایہ لکھا ہے لیکن میوات کی وجہ تسمیہ بیان نہیں کی گئی۔ اور یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ میوات نام کب اور کس نے رکھا۔ ہاں یہ میوات کا علاقہ ہمیشہ سے ایک مستقل حکومت کا مقام رہا ہے۔

اگرچہ مورخوں نے میوات کی وجہ تسمیہ کچھ نہیں لکھی۔ لیکن اس بارہ میں ہمیں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) میوات کا تمام علاقہ پہاڑی ہے۔ اور سنسکرت زبان میں میر پہاڑ کو کہتے ہیں پس پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے میوات کا نام میروات یا میرات یا میوات رکھا گیا۔ اور بکثرت استعمال سے میوات مشہور ہو گیا ہے۔

نوٹ :۔ ناڈ راجستھان میں بھی میوات کا دوسرا نام میرات لکھا گیا ہے۔

(۲) میوات کے علاقہ میں اربلی پہاڑ کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان شاخوں کے اردگرد ایک قوم میر نام آباد ہے جس کا یہ نام بھی پہاڑی قوم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ لہذا

اس میر قوم کے نام پر میر وات یا میرات یا میوات نام رکھا گیا میواڑ کا نام بھی میوات کی طرح پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے میر واڑ یا میواڑ رکھا گیا

نوٹ:۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میوات یا میو اسستہ موجودہ میو قوم کے رہنے کی جگہ کیوں نہ سمجھکر میوات نام خیال کیا جائے۔ لیکن یہ سوال صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو علم تاریخ سے ناواقف ہو۔ اگر میوات کا نام میو قوم کے وجود میں آنے سے پہلے موجودہ نہ ہوتا۔ بلکہ میو قوم کی پیدائش کے وقت یا اس کے بعد رکھا جاتا۔ تو یہ کہنا درست ہو سکتا تھا لیکن اب سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے بھی جبکہ اس علاقہ پر جادو چھتری خاندان حکومت کرتا تھا اس کا نام میوات ہی مشہور تھا۔ اور چونکہ میو قوم کی پیدائش پہلے پہل موٴرخوں کی تحریروں کے مطابق سن ۴۲۰ھ میں محمود غزنوی کے زمانہ میں سید سالار مسعود غازی کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے۔ اس لئے یہ بات ایک معمولی عقل والا بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جو علاقہ اب سے پانچ ہزار سال پہلے آباد ہو چکا ہو وہ سن ۴۲۰ھ تک بغیر نام کے کس طرح گمنام حالت میں پڑا رہا۔ جبکہ اس کا سابقہ دوسرا نام بھی کوئی تاریخوں کے اندر نہیں پایا جاتا۔

شیخ محمد مخدوم صاحب بھی مرقع الور کے صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں کہ

(جو دیسی لوگ یہاں کے بوجہ سکونت میوان۔ نام اس ملک کا میوات بتلاتے ہیں۔ وہ جنگلی بالکل بے سُرا راگ گاتے ہیں۔ کیونکہ اکثر تواریخ سے اظہر کہ باشندگان میوات کا قدیم سے لقب میواتی مقرر۔ پس لفظ و باشی میوات سے۔ یہاں کے ساکنین نے لقب میو کا پایا ہے۔ نہ کہ سکونت قوم میو سے۔ اس ملک کو۔ اسم میوات ہاتھ آیا ہے)

دیکھو شیخ جی بھی یہی فرماتے ہیں کہ میوات کا نام میو قوم کی سکونت کی وجہ سے میوات ہرگز نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ خود میو نام کی وجہ تسمیہ میوات کی سکونت کی وجہ سے عمل میں آئی ہے۔

۲۔ اقوام میوات

علاقہ میوات میں ہندوؤں و مسلمانوں کی تقریباً تمام بڑی بڑی قومیں آباد ہیں ہندوؤں میں برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ مہاجن۔ جاٹ۔ گوجر۔ اہیر وغیرہ اور مسلمانوں میں شیخ

سید۔ مغل۔ پٹھان۔ میو۔ خانزادے۔ مسلم راجپوت وغیرہ شامل ہیں۔ ایکٹ انتقال اراضی گورنمنٹ پنجاب مجریہ ۱۹۰۱ء کی رو سے ضلع گوڑگانوہ میں جو میوات کا مرکز ہے بجز ایک قوم مہاجن کے باقی مندرجہ بالا تمام قومیں زراعت پیشہ قرار دی گئی ہیں۔ اس وجہ سے یہ قومیں اراضی زرعی کی خرید وفروخت کر سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی غیر زراعت پیشہ قوم ایسی خرید فروخت نہیں کر سکتی۔ انگلستان میں بھی مالکانِ زمین کو لارڈ یعنے نواب کہتے ہیں۔ جن کی شاہی درباروں میں خاص طور پر عزت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی زراعت پیشہ قومیں معزز گردانی جاتی ہیں۔ انہیں قوموں میں سے نمبردار۔ ذیلدار۔ سفید پوش۔ ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔ ممبر لیجس لیٹو کونسل۔ ممبر اسمبلی اور منسٹر وغیرہ منتخب کئے جاتے ہیں سرکاری ملازموں کے لئے بھی خاص کر آج کل زمینداروں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے خصوصاً فوجی ملازمت میں تو جنگی اور بہادر اقوام ہونے کی وجہ سے انہیں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔

۳۔ میوات کی حدودِ اربعہ

امیر سے چالیس کوس شمال کی طرف ہٹ کر ملک میوات شروع ہوتا ہے۔ یعنی الور سے ابتدا ہے اور دریائے جمنا تک انتہا ہے پس حدود اربعہ یہ ہوئیں۔

شمال میں انتربید یعنی دریائے گنگا اور جمنا کا درمیانی علاقہ۔ مشرق میں برج کا دیس۔ جسمیں بھرت پور کی ریاست اور ضلع متھرا شامل ہے۔ جنوب میں ڈھونڈھار کا علاقہ ہے۔ مغرب میں بیگوتہ۔ جس میں کوٹ قاسم۔ اور تحصیل ریواڑی وغیرہ شامل ہیں۔ اور راٹھ کا علاقہ۔ جس میں جھنڈولی سے مانڈھن تک۔ اور بہروڑ شامل ہیں۔

۴۔ میوات کے حصے

میوات کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ جھانہ۔ دوسرا آبریز۔ تیسرا پہاڑ اوپر۔ جو پہاڑ فیروز پور جھرکہ سے قصبہ تہنہ ضلع گوڑگانوہ تک پھیلا ہوا ہے اس کے مغرب میں جو علاقہ ناوڑہ۔ ٹیوکڑہ۔ تجارہ اور کشن گڑھ وغیرہ سب پہاڑ اوپر کہلاتے ہیں۔ اور

اس پہاڑ کے مشرق کی طرف علاقہ فیروزپور جھرکہ۔ نگینہ۔ کوٹلہ اور نوح وغیرہ آبریز کہلاتے ہیں۔ چونکہ موسم برسات میں یہاں پانی بھر جاتا ہے۔ اس وجہ سے سرکاری کاغذات میں اس حصے کا نام آبریز لکھا ہوا ہے۔ البتہ زمینداروں نے اپنی زبان میں آبریز کا نام بگاڑ کر اریز بنا لیا ہے۔ اس آبریز کے مشرق میں ایک اور پہاڑ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ وہ گویا آبریز کی حدِ فاصل ہے۔ یعنی اس پہاڑ کے مغرب کی طرف آبریز ہے اور مشرق کی طرف بھیانہ ہے۔

۵۔ میوات کا طول وعرض اور آبادی

طول تقریباً سو میل ہے اور عرض پچھتر میل کے قریب ہے۔ لیکن یہ صرف اندازہ ہی ہے آبادی بہ نسبت مسلمانوں کے ہندوؤں کی کچھ زیادہ ہے۔ لیکن درست طور پر میوات کی آبادی معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس ذرائع موجود نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بلحاظ ملکی تقسیم میوات کا علاقہ ریاست الور۔ ریاست بھرت پور اور ضلع گوڑگانوہ میں ہے اس لئے ہر ایک جگہ سے آبادی کی تعداد ٹھیک ٹھیک معلوم کرنی بہت دشوار ہے۔

۶۔ میوات کا کونسا علاقہ شامل ہے

پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور لکھتے ہیں کہ

(علاقہ میوات میں تحصیل الور۔ رام گڑھ۔ بہادر پور۔ گوبند گڑھ۔ پیپل کھیڑہ۔ کشن گڑھ اسمعیل پور۔ تجارہ۔ ٹپوکڑہ۔ اور علاقہ انگریزی میں فیروزپور جھرکا۔ نوح۔ تاوڑو اور پنہن کی تحصیلیں شامل ہیں۔ اور ریاست بھرت پور میں گوپال گڑھ۔ پہاڑی جرہڑہ اور کاماں کی تحصیلیں شامل ہیں۔)

نوٹ: پہلے زمانہ میں یہ سب قصبے تحصیل تھے۔ جن میں سے بعض اب ٹوٹ گئی ہیں۔

۷۔ زمین اور خودرو پیداوار

میوات میں پہاڑوں کے بہت سے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ جو اربلی پربت کی شاخیں ہیں
یہ سلسلے جنوب مغربی حصے میں زیادہ ہیں۔ اسی وجہ سے اس حصے کی زمین۔ سخت۔ ناہموار اور
رتیلی بھی ہے۔ اور جگہ جگہ ندی نالوں سے کٹی پھٹی بھی ہے۔ جس میں کیکر۔ ببول۔ کریل۔ جانٹ
رجھاڑیاں، اور جھنڈے وغیرہ بہت پائے جاتے ہیں۔ کوئیں بہت کم ہیں۔ مگر گہرے زیادہ ہیں۔
البتہ ان کا پانی عموماً شیریں۔ ہلکا۔ اور زود ہضم ہوتا ہے۔ لیکن شمال مشرقی حصے کی زمین
زیادہ نرم۔ ہموار اور چکنی ہے۔ جہاں کوئیں بھی بہت ہیں مگر کم گہرے ہیں جن میں پانی میٹھا اور
کھاری دونوں طرح کا نکلتا ہے۔ زمین نرم اور ہموار ہونے کی وجہ سے اس حصے میں دریائے
جمنا سے ایک نہر بھی کاٹ کر لائی گئی ہے جس کی وجہ سے ایام قحط میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس
حصے میں پہاڑ بھی کم ہیں اور ہر قسم کے درخت پائے جاتے ہیں۔

۸۔ آب و ہوا۔ بارش اور پیداوار زراعتی

آب و ہوا عموماً گرم اور خشک ہے اور سمندروں سے اور کوہ ہمالیہ سے دور ہونے کی
وجہ سے بارش عموماً کم ہوتی ہے۔ بارش کی کمی سے پیداوار بھی کم ہوتی ہے۔ جس سال بارش کافی
ہو جاتی ہے تو اس کے جنوب مغربی حصے میں جوار۔ باجرہ۔ مکئی۔ موٹھ۔ مونگ۔ سرسوں۔
جو اور چنے وغیرہ اور شمال مشرقی حصے میں ہر قسم کا غلہ۔ کپاس۔ سن اور گنا وغیرہ پیدا ہوتا
ہوتا ہے۔ لیکن جس سال بارش نہیں ہوتی۔ تو قحط پڑ جاتا ہے۔ کمی پیداوار کی وجہ سے لوگ
مفلس بھی زیادہ ہیں۔ اور اسی وجہ سے تجارت بھی بہت پھیکی ہے۔
پہلے زمانہ میں قحط پڑنے پر لوگ مالوہ کی طرف نقل مکان کر جاتے تھے۔ لیکن آج
کل عموماً دہلی۔ احمد آباد اور بمبئی کی طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر ہر قسم کے کارخانے ہونے
کی وجہ سے مزدوری مل جاتی ہے۔

۹۔ باشندوں کی عام حالت

لوگوں میں ذرا ذراسی بات پر مقدمہ بازی کا عام رواج ہے اور نام ونمود کی خاطر فضول خرچی کرنا نوان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ شادی وغمی وغیرہ کی تقریب پر یا مقدمہ بازی کے لئے یہ لوگ یا تو زمین فروخت کرتے ہیں۔ یا آدھ آنے سے لے کر دو آنے فی روپیہ ماہوار تک سودی روپیہ مہاجن سے قرض لیتے ہیں جس کی وجہ سے مالکان اراضی عموماً مہاجنوں کے ماتحت غیر موروثی مزارع بن گئے ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ کی مہربانی سے انگریزی علاقہ میں تو ایکٹ انتقال اراضی نے زمینوں کا مہاجنوں وغیرہ زراعت پیشہ اقوام کے ہاتھوں میں فروخت ہونا بہت کچھ بند کر دیا ہے۔ لیکن ریاستوں میں اس کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی علاقہ میں سودی قرضے کا بندوبست بھی بذریعہ قانون بہت کچھ ہو گیا ہے۔ لیکن ریاستوں میں ابھی وہی سابقہ حالت ہے۔

اگر یہی لیل ونہار ہیں۔ تو ریاستوں کے اندر وہ دن جلد آنے والا ہے جب یہ مالکان اراضی مقروض ہو کر بالکل تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔

پہلے زمانہ میں میوات کے اندر ہندو اور مسلمان باہم شیر وشکر بنکر رہا کرتے تھے لیکن اب کچھ عرصے سے مذہبی تفرقے پیدا ہو گئے ہیں جو ملکی تباہی کا باعث ہے۔

۱۰۔ تعلیم

ریاستوں کے اندر رعایا کی تعلیم کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہے۔ دیہات میں زمانہ حاضرہ کی تعلیم نفی کے برابر ہے۔ الور کی ریاست بھر میں صرف ایک کالج حال ہی میں کھلا ہے جو موجودہ پرائم منسٹر کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ اردو فارسی کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ ابتدائی تعلیم صرف ہندی زبان میں ہوتی ہے جس کو پڑھنے سے بجز تضیع اوقات کچھ حاصل نہیں۔ نہ اس تعلیم سے کوئی علمی لیاقت ہی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ریاست سے باہر یہ کچھ کام آ سکتی ہے۔ البتہ میوات کے انگریزی علاقہ میں تعلیم کا خاص انتظام ہے۔ جا بجا

گاؤں اور قصبوں میں پرائمری سکول ۔ مڈل سکول ۔ اور ہائی سکول کھلے ہوئے ہیں لیکن کالج کی یہاں بھی کمی ہے جو بوجہ سنٹر ہونے کے نوح میں ہونا چاہیئے ۔

حکومت

ہندوستان میں اب سے پانچ ہزار سال قبل چھتری راجپوت حکومت کرتے تھے ۔ یہ علاقہ میوات بھی جادو چھتریوں کے ماتحت تھا ۔ ان میں سے ایک کا نام سمرا جیت تھا جس کا دارالخلافہ مقام سرہٹہ متصل تجارہ تھا ۔ اور دوسرے کا نام راجہ چند تھا جس کی راجدھانی الور کے پاس آبھانیر میں تھی ۔ راجہ سمرا جیت کے لڑکے تیج پال نے تجارہ کو بسایا تھا ۔ اور راجہ بیدھ سنگھ کے زمانہ میں اُسے اپنا دارالخلافہ بنایا ۔ ایک عرصے تک یہاں حکومت کرتا رہا ۔ اسی زمانہ میں راجہ چند نے آبھانیر سے الگ کر کے جنوب میں شہر ڈیگر بسایا ۔ اور اسمیں ایک مضبوط قلعہ بنایا چنانچہ اسکے بسانیکا یہ ہندی شعر مشہور ہے

شہر ڈڈیکر پرگنہ ۔ الور گڑھ کے پاس
بستی راجہ چند کی آبھانیر نکاس

غرض اس کے خاندان نے بھی یہاں مدت تک حکومت کی ۔ آخر جب ان دونوں کا زوال آیا ۔ تو ان کی جگہ قوم تنور کا ستارۂ اقبال چمکا ۔ اور وہ میوات کے حاکم بنے ۔

سید سالار مسعود غازی محمود غزنوی کے زمانہ میں سنہ ۴۲۲ھ میں میوات کے اندر اسلام کو رواج اور ترقی دینے آئے ۔ تنور خاندان میں سے بھی رعایا کے ساتھ بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوگئے ۔ قوم میو اسی زمانہ کی مسلمان شدہ ہے ۔ پرتھی راج راجہ دہلی کو ان لوگوں کا مسلمان ہونا بہت ناگوار گذرا ۔ اس وجہ سے اس نے مسلمانوں پر ظلم کرنے شروع کئے ۔ ان کو زبردستی شراب پلوادی ۔ اور داڑھیاں منڈوا دیں ۔ اور حد سے زیادہ دکھ دیئے ۔ پھر بڈگوجروں کو ڈھونڈھار کے علاقہ سے بلا کر مسلمانوں کو دکھ دینے کے لئے میوات میں مقرر کیا ان بڈگوجروں نے بھی نومسلموں پر خوب دل کھول کر ظلم کئے ۔ اس حالت کو دیکھکر سنہ ۵۷۲ھ میں محمد غوری نے ہندوستان پر فوج کشی کی ۔ بڈگوجروں نے اس کے ڈر سے الور کے پہاڑ پر ایک پتھروں کا احاطہ سا امن کے لئے بنالیا ۔ اس زمانہ میں میوات کے اندر جھاڑیاں اور خودرو درخت بہت تھے ۔ ان درختوں سے راستے بہت تنگ تھے ۔ بڈگوجر لوگ ان جھاڑیوں میں چھپ کر راستے لوٹتے تھے ۔ ان کا سرغنہ ہمیر راج نامی الور کے پہاڑوں سے

تھا۔ اور میوات میں مار دھاڑ شروع کر دی۔ یہ سن کر قطب الدین ایبک نے اس پر چڑھائی کی۔ جس میں ہیمراج مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد میواتی بڑگوجر اور بھی زیادہ خودسر ہو گئے۔ تو قطب الدین نے اپنے سپہ سالار سید وجیہ الدین کو بھیجا۔ لیکن یہ میواتی بڑگوجروں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا برادر زادہ میران حسین خنگ سوار میوات میں آیا۔ اس نے میواتی بڑگوجروں کی خوب ہی خبر لی۔ ان میں سے بعض نے خبر یہ دنیا قبول کر کے اپنی جان بچائی۔ اور بعضوں نے مسلمان بن کر امان پائی۔ غرض جب بڑگوجروں نے اپنے ظلم کی بدولت حکومت کھو دی تو ان کی جگہ قوم ٹلک نے لی۔

نوٹ:۔ تاریخوں کے اندر میوات میں ملک قوم کے نام سے کسی قوم کی حکومت نہیں پائی جاتی۔ البتہ ٹلک کا لفظ لوگوں کا خطاب ضرور لکھا گیا ہے۔ لیکن شیخ محمد مخدوم صاحب نے میوات میں ٹلک قوم کی حکومت بھی لکھی ہے۔ خانزادوں کا پرانا خطاب بھی ٹلک رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ٹلک وہ لوگ ہیں جن کو بلبن نے ٹلک زادے اور خانزادے کے خطابات دیکر میوات میں بسا دیا تھا۔ ہندوستان میں آکر ان کی آبادیاں بہت بڑھ گئیں ان کے گاؤں کے گاؤں بس گئے۔ مدت تک وہ بھی یہاں حکومت کرتے رہے۔ لیکن پھر انہوں نے رہزنی اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ان کے ساتھ ان کی رعایا نے بھی خوب لوٹ مار مچائی۔ آخر بلبن بھی ان کی لوٹ کھسوٹ سے تنگ آ گیا۔ چنانچہ اس نے سنہ ۶۶[illegible]ھ میں ان میوانیوں کا قتل عام کرایا۔ کہتے ہیں ایک لاکھ میواتی تلوار کی گھاٹ اتارے گئے۔ ان کے بعد میوات میں نکوم قوم کا زور ہوا۔ یہ قوم چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ انہوں نے الور کے قلعہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ سنہ [illegible]ھ میں تمام میوات کا علاقہ نکوموں کے قبضے میں آ گیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد سانبر پال جادو جو راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ کی سالویں پشت میں تھا سنہ [illegible]ھ میں اسلام اختیار کر کے قوم خانزادہ کا مورث اعلے بنا تھا۔ ان نکوموں کو اس سانبر پال جادو نے جس کا اسلامی نام بہادر ناہر خاں رکھا گیا تھا قلعہ الور سے باہر نکال دیا اور خود اس قلعہ پر قابض ہو کر حکومت کرنے لگا۔ اس نے آبریز کوٹلہ میں پہاڑ کے اوپر ایک مضبوط اور پختہ قلعہ بنایا۔ اور طاقت و عظمت حاصل کر کے تمام میوات سے نکوموں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ محمد تغلق ثانی اور ابوبکر شاہ وغیرہ شاہان دہلی نے بارہا قلعہ کوٹلہ

کوٹلہ میں آکر بہادر ناہر خاں سے پناہ طلب کی تھی۔ آخر یہ تیس سال حکومت کرکے دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس نے اپنا میوات کا علاقہ اپنی زندگی میں ہی اپنے نو بیٹوں میں تقسیم کردیا تھا۔

بہادر ناہر خاں کے بعد اس کا بڑا بیٹا بہادر خاں والیٔ میوات ہوا۔ اس نے نہایت انصاف سے حکومت کی۔ اس کے تمام بھائی بند اس کی حکومت سے خوش رہے۔ اور ہمیشہ اس کے فرمانبردار رہے۔ یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ کثیر الاولاد ہوا ہے۔ اس کے خاندان میں فیروز خاں اقبال خاں۔ جلال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں وغیرہ بڑے زبردست اور نامور سردار پیدا ہوئے ہیں۔ بہادر خاں کے بعد اس کا بیٹا اقلیم خاں رئیس میوات بنا۔ اس کے اخلاق سے سب بھائی بند خوش رہے۔ اور رعایا بھی آرام سے زندگی بسر کرتی رہی۔ اقلیم خاں کے بعد اس کا بھائی فیروز خاں والیٔ میوات ہوا۔ یہ اپنے تمام اہل عصر سے زیادہ نامور اور مشہور ہوا ہے اس نے اپنی حکومت کے زمانے میں فیروز پور جھرکہ کو بسایا۔ اور اپنے نام پر فیروز پور نام رکھا فیروز خاں کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خاں مسند نشین میوات ہوا۔ اس کو عام طور پر راجہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تمام قوم نے مل کر یہ خطاب اس کو دیا تھا۔ اور ہولی اور دسہرہ کے موقعہ پر ہر سال سرداران قوم اپنے اس راجہ کو سلام کرنے اور نذریں پیش کرنے کے لئے قصبہ اندور میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اندور اس کی راجدھانی تھی۔ جس میں اس کے زمانہ کا بنا ہوا ایک قلعہ پہاڑ کے اوپر آج تک موجود ہے۔ سید مبارک شاہ بادشاہ دہلی کے اس نے خوب دانت کھٹے کئے تھے۔

راجہ جلال خاں کے بعد اس کا بیٹا احمد خاں جس کا لقب گل گودر کھا تھا میوات کو تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں نہایت انصاف سے حکومت کی۔ اور میوات کا انتظام بہت اچھا کردیا۔ اس نے فیروز پور جھرکہ کو چھوڑ کر الور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اور وہاں اپنے محل اور باغات وغیرہ بنوائے۔ چنانچہ محلہ قصاب پورہ میں آج تک اس کے بنائے ہوئے مکانات موجود ہیں۔ اس کی تقلید میں اس کے امرا اور وزرا اور دوسرے سرداروں نے بھی الور میں مکانات اور حویلیاں بنوا کر شہر کو رشک جنت بنادیا۔ جس وقت سلطنت دہلی میں ضعف پیدا ہوا۔ تو احمد خاں نے میوات کے علاوہ لاڈو سرائے متصل دہلی تک کے علاقہ پر بھی اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ اس کی لڑائیاں ہمیشہ سید خضر خاں بادشاہ دہلی سے ہوتی رہیں۔ اور احمد خاں کے بعد اس کا بیٹا ذکریا خاں میوات میں تخت نشین ہوا۔ یہ شخص صلح کل تھا۔

اس نے بہلول لودھی بادشاہ دہلی سے ہمیشہ صلح صفائی رکھی۔ اور اپنے بزرگوں کی طرح شاہان دہلی سے جنگ وجدل نہیں کی۔

ذکریا خاں کے بعد اس کا بیٹا علاول خاں مسند نشین میوات ہوا۔ اس نے سمت ۱۵۴۹ بکرمی میں ان بکوموں کو سزا دی جو رعایا کی حیثیت سے میوات میں اور الور کے پہاڑوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ سکندر شاہ لودھی بادشاہ دہلی اور یہ علاول خاں خانزادہ حاکم میوات دونوں ہم زلف بھائی تھے۔ علاول خاں کے بعد اس کا بیٹا راجہ حسن خاں تخت نشین ہوا۔ اکثر مورخوں نے اور خود بابر بادشاہ نے بھی اپنی توزک میں حسن خاں کو راجہ حسن خاں لکھا ہے لیکن اردو فارسی کی تاریخوں میں عموماً نواب حسن خاں یا حسن خاں میواتی لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے اعلےٰ کارناموں سے میوات کو تمام ہندوستان میں مشہور کر دیا تھا اسی واسطے اُس کو زیادہ تر میواتی لکھا گیا ہے۔ یہ شخص اپنے تمام بزرگوں اور ہم عصروں سے زیادہ نامور اور مشہور ہوا ہے اور اپنے زمانہ میں ہمیشہ خود مختارانہ حکومت کرتا رہا۔ اسی لئے اس کو شاہِ میوات بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے خاندان میں دو سو سال سے میوات کی حکومت چلی آتی تھی۔ اس کی حکومت کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقرئی سالانہ تھی۔ ٹنکہ کا وزن تولہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

رانا سانگاہ کو بابر بادشاہ کے برخلاف حسن خاں نے بارہ ہزار اور بقول بعض دس ہزار سوار سے جاکر مدد دی۔ مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں کہ بابر بادشاہ اور رانا سانگا دونوں نے اپنی اپنی طرف سے حسن خاں والئی میوات کی رفاقت ومدد حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ اگرچہ بابر نے حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں کو خاص خلعت پہنا کر اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ کیونکہ یہ ابراہیم شاہ کی لڑائی میں بابر کی قید میں جا پڑا تھا۔ تاکہ حسن خاں بابر کا مددگار بن جائے۔ لیکن حسن خاں نے بابر کی اس کارروائی کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور وہ بابر کے برخلاف رانا سانگا سے جا ملا۔ کیونکہ سانگا نے حسن خاں کو یہ کہکر دعوت دی تھی کہ وہ اس قوم کی مدد کرے جس میں سے وہ خود پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ کہ بابر کی درخواست کو رد کر کے سانگا کا مددگار بن گیا۔

جب بابر حسن خاں کی مدد سے نا امید ہو گیا۔ تو اس نے ناراض ہو کر حسن خاں کو اپنی

تورک میں مرُدود۔ ملحد۔ کافر نعمت۔ احسان فراموش۔ کافروں کا مددگار وغیرہ لکھا ہے۔
بابر یہ بھی لکھتا ہے کہ

میوات میں میرے برخلاف تمام آگ اسی حسن خاں کی لگائی ہوئی تھی۔ افسوس حسن خاں بابر کی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد خانزادوں کی موروثی حکومت جو دو سو سال سے متواتر چلی آتی تھی ختم ہو گئی۔)

اس لڑائی کے بعد بابر نے مرزا چین تیمور کو میوات کا حاکم بنایا۔ اور پھر ہمایوں نے اپنے بھائی مرزا ہندال کو میوات کی حکومت سپرد کی۔ پھر شیر شاہ سوری نے خواص خاں افغان کو میوات کا حاکم بنایا۔ سلیم شاہ نے بھی اسی خواص خاں کو میوات کا حاکم بنائے رکھا۔ اس کے بعد اکبر کے زمانہ میں تردی بیگ میوات کا حاکم بنایا گیا۔ پھر جہانگیر نے محمد خاں کو حاکم بنایا۔ اور شاہ جہاں کے زمانہ میں خلیل اللہ میوات میں گدی نشین ہوا۔ پھر اورنگ زیب نے عبدالرحیم کو حاکم میوات مقرر کیا۔ اورنگ زیب کے بعد دہلی کی سلطنت میں ابتری پھیلنی شروع ہو گئی پھر محمد شاہ کے زمانہ میں نواب ذوالفقار خاں کو میوات کا حاکم بنایا گیا۔ لیکن کسی قصور پہ جلد ہی معزول کر دیا گیا۔ اسکے بعد حکومت نہایت کمزور ہو گئی۔ اسی وجہ سے انگریزی دور ہو گیا۔ اور شاہان دہلی برائے نام بادشاہ رہے۔ دہلی کی حکومت صرف قلعہ کے اندر محدود ہو گئی۔ لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے یہ قلعہ کے اندر والی حکومت بھی جاتی رہی اور انگریز مستقل طور پر تمام ہندوستان کے بادشاہ بن گئے۔ جنہوں نے دہلی کے آخیر بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کو باغیوں کے ساتھ سازش کرنے کے جرم میں قلعہ رنگون کے اندر قید کر دیا۔ اور وہ وہیں بعارضہ فالج ۱۸۶۲ء میں انتقال کر گئے۔ اور اسطرح حکومت مغلیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں نے اپنے زمانہ میں میوات کا انتظام شاہان سابق کی طرح نہ رکھا۔ بلکہ میوات کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ برٹش انڈیا میں صرف ضلع گوڑگانوہ کے اندر تحصیل فیروز پور جھرکہ اور تحصیل نوح سالم اور کچھ حصہ تحصیل گوڑگانوہ کا شامل ہے۔
باقی علاقہ ریاست الور اور ریاست بھرت پور میں شامل ہو گیا ہے۔

۲۔ راجہ سانبرپال مورثِ اعلیٰ خانزادگان میوات کا اسلام اختیار کرنا

راجہ سانبرپال کے مسلمان ہونے کی جو وجوہات مختلف مورخوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں درج کی ہیں وہ تقریباً سب کی سب یکساں ہیں صرف لفظوں کا الٹ پھیر ہو گیا ہے۔ ورنہ مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ ہم ان تمام وجوہات کو ایک جگہ جمع کر کے ناظرین کی واقفیت کے لئے یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(یہ خانزادے لوگ گوت جادو اولاد سری کرشن متھرا باشی میں ہیں۔ جن کے آباؤ اجداد تھن گڑھ علاقہ بیانہ میں رہتے تھے۔ ان میں سے تھن پال کی اولاد میں سے سانبرپال اور سوپرپال مورثان اعلیٰ خانزادگان علاقہ میوات میں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ رعایا پر ظلم و ستم کرتے اور رہزنی اور قزاقی سے گذر اوقات اپنی کرتے تھے چنانچہ الغیاث ایذا رسانی و تکلیف دہی ان کی۔ خلائق مظلوم۔ حضور بادشاہِ وقت تک ہمیشہ پہنچاتی رہتی تھی۔ انجام کار حضور بادشاہ سے اشتہار ہوا۔ کہ اگر قزاقان و ستمگران مذکور حاضر ہو کر اطاعت سلطانی قبول کریں۔ اور پیشہ قزاقی و رہزنی کو جو کہ سراسر باعث گمراہی و ضلالت ان کا ہے چھوڑ دیں۔ تو واسطے وجہ معاش ان کی سرکار سے تجویز معقول کی جائیگی۔ اور پچھلے قصور بھی ان کے معاف ہونگے۔ باستماع اس خبر کے سانبرپال و سوپرپال پسران تھن پال بحضور جناب شیخ نصیرالدین صاحب اودھی چراغ دہلوی کہ فیروز شاہ بادشاہِ وقت کے پیر تھے بایں غرض حاضر ہوئے کہ وہ اپنے توسل سے بادشاہ کے حضور میں حاضر کر کے عفوِ تقصیرات ماضیہ کی کرا دیں۔ اور بنا بر وظیفہ آئندہ سفارش فرمائیں۔

پس ایسا ہی ہوا۔ شیخ مذکور نے اول تفہمائش بلیغ ان کو شستہ میں شریک اسلام کیا

اور پھر زمرۂ مریدان خاص شامل فرماکر اور بادشاہ کے حضور میں حاضر کرکے بعد عفو تقصیرات گذشتہ برائے گزارہ آئندہ سفارش کامل فرمائی۔ اور پیشہ رہزنی اور قزاقی سے عہد کرایا)

دیکھو تاریخ حکایت میوات قلمی کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔

نوٹ اوّل: ۔مولوی صاحب کی اردو پرانے زمانہ کی ہے۔ آج کل اردو کے محاورہ اس سے بہت مختلف ہو گئے ہیں۔

نوٹ دوئم: ۔ پہلے زمانہ میں اہل شجاعت وہمت اکثر ایسا ہی شیوہ اختیار کرتے تھے، کہ وہ حکومت چھن جانے کے بعد یا حکومت نہ ملنے کی صورت میں پیشہ رہزنی اور غارتگری اختیار کرکے گرد و نواح کے علاقہ کو تاخت و تاراج بنا کر اپنی حکومت قائم کیا کرتے تھے چنانچہ ہندوستان کے بہت سے راجپوت وغیرہ نے اور خود امیر تیمور نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں ایسا ہی عمل کیا ہے اس کام میں یا تو یہ لوگ اپنی جان دیدیتے تھے یا گوہر مقصود حاصل کر لیتے تھے۔ پس یہی طریقہ علاقہ بیانہ کی حکومت چھن جانے کے بعد سانبر پال نے بھی علاقہ میوات کے اندر اختیار کیا تھا۔

(۲) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری تحریر فرماتے ہیں کہ

(فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں سانبر پال اور شوبیر پال دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہونے کے باب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ رغبت دلی سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ دوسرا یہ کہ غارتگری اور ایذا رسانی کی سزا میں قتل کے مستحق ہونے پر مسلمان ہوکر جان بری ہوئی تھی۔) دیکھو

کتاب کارنامۂ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس صفحہ ۳۴۵۔

(۳) مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ

(بہادر ناہر میواتی کا اصلی نام ہندوانی سمیر پال یا سانبر پال تھا جس زمانہ میں شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا ایک دن سلطان فیروز شاہ تغلق شیر کے شکار کو جنگل میں گیا۔ جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ساتھ تھے۔ ان میں سانبر پال بھی تھا۔ سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا۔ اتفاقاً کاری زخم نہ لگا۔ شیر سلطان کی طرف جھپٹا۔ لیکن عین اسی حالت میں سانبر پال نے بڑھکر شیر کے تیر مارکر کام تمام کر

دیا۔ اور وہ سلطان تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر پڑا۔ اس چابک دستی اور تیر انداز سے بادشاہ نے خوش ہو کر سانبر پال کو بہادر ناہر کا خطاب عطا کیا۔ پھر کچھ دنوں بعد ہی اس کو اسلام میں داخل فرمالیا۔ اور میوات میں ایک جاگیر عطا کی۔ جو موجودہ ضلع گوڑگانوہ کی تحصیل نوح میں تھی۔

دیکھو کتاب آئینہ حقیقت نما جلد دوئم۔

(۴) شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

(لکھن پال کے دو بیٹے سانبر پال و شوبر پال پیدا ہوئے یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۵۳ھ میں مسلمان ہو گئے۔ سانبر پال کا نام بہادر ناہر اور شوبر پال کا چھجو خاں رکھا گیا۔ ان کے مسلمان ہونے کی ایک روایت یہ ہے کہ رغبت دلی سے اسلام کی طرف راغب ہو کر حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلی کے مریدوں میں داخل ہوئے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ پیشہ رہزنی و غارتگری رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کو فیروز شاہ کے سامنے پیش کیا گیا جس پر وہ وعدہ معافی کے بدلے رہا ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔)

دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ۔

(۵) یہی صاحب اپنی تصنیف مرقع الور میں لکھتے ہیں کہ

(سانبر پال بندوق کا بانی کار تھا۔ اور دل کا دلیر و جری۔ ایک دن وہ جنگل کو بقصد شکار جا نکلا۔ قضارا فیروز شاہ باربک بھی اُدھر آ نکلا۔ دونوں ایک شیر سے دو چار ہوئے۔ اور در پے شکار ہوئے۔ فیروز شاہ نے جو تفنگ خاصہ سر کی۔ گولی سر تفنگ سے سر کی۔ یعنی وار خالی گیا۔ شیر غرایا اور سیدھا آیا۔ سانبر پال نے بے خطا اس کو نشانہ بندوق بنایا۔ گولی اس کی ایسی کارگر ہوئی کہ شیر اپنی جگہ سے ہلنے بھی نہ پایا۔ فیروز شاہ ۔ ۔ ۔ باربک نے اس ضرب دست سانبر پال کو بہت پسند کیا۔ اور قدر دانی سے اس کو خطاب بہادر ناہر سے سربلند کیا۔ جو بخت سانبر پال کا سازگار ہوا۔ اسی مرحمتِ شاہی پر وہ مسلمان ہونے کو تیار ہوا۔ بادشاہ نے اُس کی خواہش پا کر شتابی میں اُسے مسلمان بنایا۔)

کتاب مرقع الور صفحہ ۲۰۔

(۶) حمید قلندر شاعر لکھتے ہیں کہ

(بعہد فیروز شاہ باربک سنہ ۷۵۲ھ میں جادو و راجپوتوں کے اندر جس شخص نے پہلے
پہل غاشیۂ فرمانبرداری دین ومذہب کا بطیب خاطر خود اپنے دوش پر لیا۔ اور
آبیاری کلمۂ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و شاداب بنایا وہ سانبر پال مورث
اعلیٰ خانزادگان میوات معہ خلعت خود بلی بہادر خاں ہوا ہے جس کے مورثوں کا
نام ابوم تہن گڑھ علاقہ بیانہ ہے)

دیکھو کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی۔

(۷) ایک قومی روایت جو عربوں کے قاعدہ کے مطابق سینہ بہ سینہ چل کر تواتر کے درجہ کو
پہنچی ہوئی ہے اور جس نے معتبر ہونے کا درجہ حاصل کر لیا ہے یہ کہ

(ایک دفعہ فیروز شاہ بادشاہ اجمیر کو جاتے تھے۔ راستہ میں تجارہ کے پاس مقام ہوا
بادشاہ شکار کھیلنے کو نکلا۔ اتفاقاً سانبر پال بھی وہاں شکار کو آیا تھا۔ سانبر پال بادشاہ
کو فیروز آباد کے پہاڑوں میں لے گیا۔ جہاں شیر نے ایک گوجر کی گائے پھاڑ ڈالی
تھی۔ شیر پہاڑ کی کھوہ میں پڑا سوتا تھا۔ بادشاہ نے اس پر تیر کا نشانہ لگانا چاہا۔ سانبر پال
نے عرض کیا۔ کہ حضور شیر کا شکار تلوار سے کرنے میں زیادہ بہادری ہے۔ بادشاہ
نے حکم دیا۔ کہ اچھا تم ہی تلوار سے شکار کرو۔ سانبر پال نے شیر کو للکار کر ایک تلوار
ایسی ماری کہ شیر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سانبر پال کی یہ بہادری دیکھ کر بادشاہ نے
شفقت سے اپنا ہاتھ سانبر پال کے سر پر پھیرا۔ اور فرمایا کہ شاباش تم بڑے بہادر
ہو۔ تمہارا نام بہادر ناہر رکھا جاتا ہے۔ اس روز سے بہادر ناہر خطاب مشہور ہو گیا
اس بہادری کے عوض میں بادشاہ نے سانبر پال کو ایک خلعت فاخرہ اور کچھ جاگیر
میوات میں عطا فرمائی۔ اور اپنے ساتھ شکار میں رہنے کا حکم دیا۔ اس نوازش
خسروانہ کو دیکھ کر سانبر پال دلی رغبت سے معہ اہل و عیال داخل اسلام ہو گیا)

(۸) ہمارے خیال میں فیروز شاہ کی طرف سے منصب وغیرہ کی تالیف قلوب بھی ان کو مسلمان
بنانے میں سب سے زیادہ کارگر اور موثر ثابت ہوئی ہے۔ بادشاہ خود اپنی کتاب فتوحات
فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ

(کہ میں نے اسلام کی ترغیب و تحریص دلانے کے لئے یہ عام اشتہار دے دیا تھا کہ

جو شریف ہندو اپنی مرضی سے اسلام قبول کریگا۔ وہ فوراً جزیہ سے بری کیا جائیگا۔ جب یہ اشتہار لوگوں کے کان تک پہنچا۔ تو بہت سے ہندو گروہ کے گروہ اسلام سے مشرف ہونے کے لئے چاروں طرف سے روز مرہ آتے تھے۔ اور اسلام اختیار کرکے جزیہ سے بری ہوتے تھے۔ علاوہ معافی جزیہ کے اُن کو خطابات۔ جاگیرات۔ انعامات اور تحفہ وغیرہ بھی دیئے جاتے تھے۔ اور ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی جاتی تھی۔ نیز میں نے ہندوستان کو دارالسلام بنا دیا۔ میرے آقا محمد تغلق نے جن ہندوؤں کو قید کر رکھا تھا۔ میں نے اُن سب کو معذز و فرزند انعام و وظیفہ دیکر اور خوش حال بناکر رہا کر دیا۔ اس تالیف قلوب سے مجھے ملکی انتظام کے لئے بہت کم تلوار نکالنی پڑی)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوئم صفحہ ۲۲۳ و ۸۸ م تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۱۶۔

فیروز شاہ نے سانپر پال کے علاوہ اور بھی بہت سے شریف راجپوتوں کو مسلمان بناکر جاگیریں وغیرہ عنایت کی تھیں۔ جن میں مفصلہ ذیل اشخاص قابل ذکر ہیں۔

(۱) راؤ رتن بن میگھ چند پنوار متوطن ہریانہ اسی بادشاہ کے عہد میں حضرت نظام الدین اولیا کے ہاتھ پر معہ عزیز و اقارب اسلام لایا تھا۔ اس کا اسلامی نام و خطاب مفخر الدین رکھا گیا۔

(۲) سہارن بھٹی راجپوت مسلمان ہوگیا جس کو فیروز شاہ نے وجیہ الملک کا خطاب دیا تھا۔

(۳) خاندان راجگان پٹھان کوٹ میں راجہ کیلاش معہ اپنے سات بیٹوں کے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ جو پنج ہزاری منصب پاکر سپہ سالار بھی بنا تھا۔

(۴) قائم خانیوں کا مورث اعلےٰ موٹے راؤ کا بیٹا کرم سی ۱۳۸۳ء میں فیروز شاہ کے زمانہ میں اسلام لایا۔ اور قائم خاں کا خطاب حاصل کیا۔ اور حصار کا علاقہ جاگیر میں پایا۔

یہ اقتباسات ہماری کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ خود بادشاہ کا حسن سلوک بھی ہندوؤں کو مسلمان بناتا تھا۔

غرض ایسی نوازشوں اور مہربانی کا یہ نتیجہ نکلا کر سانپر پال نے معہ اہل و عیال اپنی خوشی سے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اور شاہی امرا میں داخل ہو کر میوات میں جاگیر حاصل کی۔ اس کے بعد اس کو اور اس کی اولاد کو بڑے بڑے عہدے عنایت ہوتے رہے جس سے خود بخود اس کے خاندان میں حکومت کی بنیاد قائم ہوگئی۔

۳۔ خانزادہ خطاب کی وجہ تسمیہ

لفظ خانزادہ دو لفظوں خان اور زادہ سے مرکب ہے۔ خان کے معنی۔ سردار۔ رئیس اور امیر کے ہیں اور زادہ کے معنی پیدا شدہ۔ پس خانزادہ کے معنی سردار یا رئیس یا امیر زادے کے ہوئے۔ چونکہ سانبر پال کو شیر کے شکار کرنے پر پہلے بہادر ناہر کا اور مسلمان ہونے پر خان کا خطاب ملا تھا۔ لہذا ان کو اردو فارسی کی کتابوں میں بھی ہر جگہ بہادر ناہر اور پورا نام بہادر ناہر خان لکھا گیا ہے۔ لیکن کثرتِ استعمال سے صرف ناہر خان بھی کہنے لگے ہیں۔

پھر ناہر خان سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کو خان کی اولاد ہونے کی وجہ سے خانزادہ کہنے لگے ہندوستان کے فاتح پٹھان اور ترک تھے۔ جو اس خان اور خانزادے کے لفظ کو اپنا قومی اور معزز لفظ سمجھکر شاہی خاندان کے افراد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور وہ جب کسی اپنے امیر یا وزیر یا سردار سے خوش ہوتے تھے تو عموماً ان کو بھی اسی معزز لفظ کا خطاب دیتے تھے۔

چونکہ سانبر پال بھی انہیں بادشاہوں کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ اس لئے یہ اعزازی خطاب اس کو بھی عطا ہوا تھا۔ ان خطابات ملنے کے تاریخی ثبوت بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) میر عبدالرزاق صاحب لکھتے ہیں کہ

"مرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خاں است والدہ اش از خانزادہ خاندانِ میوات بود۔ جمال خان عم زادہ حسن خان میواتی کہ او از زمینداران معتبر ہندوستان بود۔ چوں بملازمت رسید و وجہیہ داشت۔ کلاں را پادشاہ و احبالہ عقد خود آورد۔ و دوم را بہ بیرم خاں تزویج فرمود)

دیکھو کتاب ماثر الامرا جلد اول صفحہ ۳ ۶۹ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء۔

یہاں پر خان کی جمع خانان لایا گیا ہے۔

(۲) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(بعد قبولیت اسلام کے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی نے سانبر پال اور سوپر پال کو اپنے مریدان خاص میں داخل فرمایا۔ پھر حضور بادشاہ سے خطاب اس گروہ کا باعتبار عالی نسبی خانزادہ عطا فرمایا گیا۔ اور خطاب خانزادہ ولایت افغانستان میں اس

خاندان کے واسطے مخصوص ہے جو ہمیشہ سے اپنی قوم میں عالی نسب اور والا دودمان ہوتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ مذکور نے ان کو اپنے مقربان خاص میں شامل فرما کر سو مواضعات جاگیر میں عطا فرمائے۔ اور میوات کا انتظام تفویض فرمایا۔)

دیکھو حکایات میوات قلمی در کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔

(۳) مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ

(خانزادوں کا جادو نسل سے ایک ممتاز فرقہ میوات میں ایک عرصہ دراز تک حکمرانی کرتا رہا ہے جس کا مورث اعلیٰ سانبرپال نامی فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ جسے بادشاہ مذکور کی طرف سے پہلے بہادر ناہر کا اور پھر خان کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ میوات میں القاب و خطاب راجگی۔ کنور۔ ٹھاکر۔ خان۔ چودھری۔ میاں وغیرہ سے اب ان خانزادوں کو یاد کرتے ہیں۔ اور آج کل قوم خانزادہ کے ہر ایک فرد و بشر کو خان صاحب کہتے ہیں)

دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۵۳، ۵۴۔

(۴) یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(میوات کے خانزادوں کے مورث اعلیٰ کو ایک پٹھان بادشاہ نے مسلمان بنا کر خان کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ اس وجہ سے یہ لوگ خانزادے کہلانے لگے۔ ورنہ وہ جادو نسل کے راجپوت ہیں ۔)

دیکھو آفتاب میوات مطبوعہ $\frac{9}{34}$ ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

(۵) ملا عبدالقادر بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ

(خانزادہ ہائے میوات کہ اجداد حسن خاں میواتی بودند سلطان محمود خلجی را از مالوہ برائے سلطنت دہلی طلبیدند)

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۰۳۔

(۶) یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(بعد از چند گاہ بعضے از خانزادہ ہائے میواتی بنا بر حمیت و غیرت از راہ استقبال برسانیدند)

دیکھو منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۰۴۔

(۷) یہی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

(ابوبکر شاہ بتقویت بہادر ناہر خاں خانزادہ میواتی سمت آرائی کردہ در میدان فیروز آباد

بامحمد شاہ جنگ کردہ فیروز گشت)

دیکھو منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۸ء

(۸) منتخب التواریخ کے اردو ترجمہ میں بھی صاف بہادر ناہر خاں لکھا ہوا ہے۔ دیکھو ترجمہ منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ مترجمہ مولوی احتشام الدین صاحب مرادآبادی صفحہ ۱۰۲۔

(۹) مصنف تاریخ ظلم ہند لکھتے ہیں کہ

(سانبھر پال جادو بنسی کو شیر کا شکار کرنے کے بعد ناہر راسے کہنے لگے تھے۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام ناہر خاں مشہور ہو گیا۔)

دیکھو تاریخ خانانِ میوات مصنفہ خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی صفحہ ۲۲۔

(۱۰) مصنف تاریخ تیموری لکھتے ہیں کہ

(سانبھر پال جادو کو پہلے فیروز شاہ سے بہادر ناہر کا خطاب ملا تھا۔ جب امیر تیمور ہندوستان میں آیا۔ اور بہادر ناہر نے دو سفید رنگ کے طوطے بطور تحفہ امیر مذکور کے پاس بھیجے۔ تو اس نے خوش ہو کر اپنے ملکی قاعدہ کے بموجب اس کو خان کا خطاب مرحمت فرمایا۔ تب سے بہادر ناہر خاں کہنے لگے۔ اور کثرت استعمال سے ناہر خان بھی کہنے لگے۔)

دیکھو تاریخ خانانِ میوات صفحہ ۲۲ مصنفہ خداداد خاں صاحب عظیم آبادی۔

(۱۱) مسٹر سی۔ اے۔ ہیکیٹ صاحب پولیٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(بہادر ناہر اپنی قوم کا وہ پہلا شخص ہے جس کا ذکر فارسی تاریخوں میں کیا گیا ہے۔ خانزادے لوگ اپنے آپ کو خان جادو بیان کرتے ہیں۔ یہ خان جادو کا لفظ راجپوت قوم کے شاہزادے کے لیے جس سے وہ نکلے ہیں زیادہ شریف بنانے کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت ... جو کہ اصلی اور درست خطاب ان کا خانزادہ ہے)

دیکھو گزیٹیر الور سابقہ ہزنی صفحہ ۲۰۲۔

(۱۲) جو فرمان عالمگیر بادشاہ کی طرف سے بنام لاڈو خاں خانزادہ متوطن ہمراؤ سٹیرگنہ فیروزپور جھرکہ اور دوسرا فرمان شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے بنام چودھری بلند خاں خانزادہ متوطن مبارک پور ریاست الور لکھا ہوا ہے۔ ان دونوں میں صاف خان کا خطاب تحریر کیا گیا ہے۔

(۱۴) خطاب کے علاوہ لفظ خانزادہ کی افغانوں اور ترکوں میں بڑی عزت و توقیر ہے۔ بابر کی بہن کا نام خانزادہ بیگم تھا۔ مہابت خاں سپہ سالار کے بیٹے کا نام خانزادہ خان تھا ابوالمعالی کے بھائی کا نام جس نے نادر مغل کا خزانہ لوٹ لیا تھا خانزادہ محمود تھا۔

مرزا عبدالرحیم خاں خاناں بہت خوبصورت تھا لوگ اُسے دیکھ کر پوچھا کرتے تھے یہ کونسا خانزادہ ہے۔ ہماری گورنمنٹ انگریزی بھی اسی قدیم رسم کے مطابق خان صاحب اور خان بہادر کے خطابات مسلمانوں کو اور رائے صاحب اور رائے بہادر کا خطاب ہندوؤں کو عطا فرماتی ہے۔

اسی وجہ سے خان صاحب اور خاں بہادر کی اولاد کو خانزادہ اور رائے صاحب اور رائے بہادر کی اولاد کو رائزادہ کہتے ہیں۔

شیخ زادہ۔ سید زادہ۔ شاہزادہ۔ شریف زادہ وغیرہ الفاظ جس قاعدہ سے بنائے گئے ہیں۔ بالکل اسی طریقہ پر خانزادہ کا لفظ بھی بنایا گیا ہے۔

خانزادوں کو پٹھان بادشاہوں کی طرف سے "ملک" کا خطاب بھی ملا ہے۔ غیاث اللغات میں لکھا ہے۔

(کہ ملک بفتح میم و کسر لام بمعنی بادشاہ و نیز نیز بر انہم امیر و سردار۔ راہم ملک سے گفتند۔ و بفتحین بمعنی فرشتہ و مقدس وغیرہ آمدہ ہے)

دیکھو غیاث اللغات مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۴۴۲۔

افغانوں کے اندر ملک لفظ کا خطاب بھی بہت معزز سمجھا جاتا ہے۔ اور خانزادے بھی پٹھان بادشاہوں کے وقت میں مسلمان ہو کر ان کے درباروں میں بڑے امیر کبیر سردار گذرے ہیں اس لئے یہ ملک کا خطاب بادشاہوں کی طرف سے ان کو عطا ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی خانزادوں کا ایک بڑا خطاب ہے۔ مثلاً ملک عطاء الدین خاں۔ ملک سراج خاں۔ ملک اہرو خاں۔ ملک مجاہد خاں۔ ملک فخرالدین خاں۔ لیکن افسوس کہ معلوم نہیں بعد میں یہ خطاب ملک کا خانزادوں میں سے کیوں متروک ہو گیا ہے۔ اور آجکل تو اس خطاب کو بہت سے خانزادے جانتے بھی نہیں۔

۴۔ خان خطاب حاصل کرنیوالے دوسرے نو مسلم راجپوت

۱۔ قائم خانی

قائم خانیوں کا مورث اعلیٰ موضع دورالہ کے چوہان موٹے راؤ کا بیٹا کرم سی تھا جس وقت اسلامی دباؤ سے چوہان قوم کی طاقت ٹوٹی۔ تو اس کے بارہ چھوٹے سرداروں نے امارت و ریاست حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کے خیال سے منوجی کی حسب ہدایت اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا تھا۔ جو کہ راجپوتوں کے لئے ایک شاہی حکمت عملی سمجھی جاتی ہے منوسمرتی میں لکھا ہے کہ اپنی زمین یا حکومت کی حفاظت کے لئے عورتوں کی منافرت کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ غرض کرم سی مذکور کو سمت ۱۴۴۰ بکرمی مطابق ۱۳۸۳ء میں دہلی کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سید ناصر خاں نے علاقہ حصار میں مسلمان بنایا تھا۔ اور بادشاہ کی طرف سے قائم خاں کا خطاب عطا ہو کر اس کو ناصر خاں نے بیٹے کی مانند پالا تھا۔ پھر قائم خاں کے تین بھائی اور بھی مسلمان ہو گئے جن کے نام زین الدین۔ ظہیر الدین اور اختیار خاں رکھے گئے۔ ان چاروں کی اولاد کو قائم خانی ہی کہتے ہیں۔ سید ناصر کے بعد قائم خاں شاہی مصاحبت میں داخل ہو گیا۔ اور پرگنہ حصار اس کو جاگیر میں عطا کیا گیا۔ رفتہ رفتہ اس نے دربار میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا۔ لیکن فیروز شاہ کے بعد کسی قصور پر سید خضر خاں بادشاہ نے خفا ہو کر اس کو دہلی کے قلعہ پر سے جمنا میں ڈلوا دیا۔ اور اس کے بیٹے تاج خاں و محمد خاں کو حصار سے نکال دیا۔ وہ دونوں بھائی عرصے تک جیسلمیر اور ناگور میں جا رہے۔ پھر دونوں نے الگ الگ فتح پور اور جھنجھنو میں جاگیریں قائم کر لیں۔ جن میں ۱۷۳۰ء تک ان کی اولاد راجہ کے خطاب سے حکومت کرتی رہی۔ لیکن شیخاوت اور رکھوربوں نے یہ دونوں ریاستیں کامیاب خاں اور سہیل خاں سے چھین لیں۔ مجبوراً وہ مارواڑ میں چلے گئے۔ اور اب کامیاب خاں فتح پور والے کی اولاد مقام کیامن ریاست جودھپور میں آباد ہے۔ قائم خانیوں کی زیادہ تر آبادی علاقہ شیخاواٹی اور ریاست جے پور میں پائی جاتی ہے۔ اسلام لانے کے بعد بھی ان لوگوں کا عمل دخل انہیں علاقوں پر رہا۔ لیکن راجہ اودے کرن جے پور والے نے قائم خانیوں سے یہ علاقہ بھی چھین لیا۔ اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ اب وہ رعایا کی حیثیت سے کھیتی باڑی۔ سپاہ گری۔ تجارت اور مزدوری وغیرہ کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

لیکن بعض قائم خانی علاقہ شیخاواٹی میں جاگیردار بھی ہیں۔ تحصیل ریواڑی ضلع گوڑگانوہ میں بھی قائم خانیوں کا ایک گاؤں موضع دھالا واس آباد ہے۔ جس میں راجہ عیسےٰ خاں واحد مالک تھا۔ کچھ قائم خانی ہانسی حصار اور نارنول میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو قائم خاں کے تیسرے بیٹے اختیار خاں کی اولاد میں ہیں۔ لیکن اب یہ لوگ فکر معاش کی وجہ سے حیدرآباد دکن میں جا بسے۔ قائم خانیوں کے اکثر لوگ اسلامی احکامات سے نا واقف ہیں۔ بہت سے لوگ نماز روزہ کو مطلق نہیں جانتے۔ بلکہ ان کو کلمہ تک یاد نہیں۔ ان میں ہندو راجپوتوں کی بہت سی رسمیں آجتک جاری ہیں شادی کے موقعہ پر تورن باندھا جاتا ہے نکاح کے بعد پھیرے بھی ہوتے ہیں نام بھی دو دو رکھے جاتے ہیں ایک ہندوانی دوسرا مسلمانی۔ یہ لوگ گلے میں طلائی چول اور کانوں میں مرکیاں پہنتے ہیں۔ اجنبی مسلمانوں کیساتھ کھاتے پیتے بھی نہیں۔ علاقہ مارواڑ اور شیخاواٹی میں شیخاوت لوگ انکے ساتھ میل جول رکھتے ہیں بلکہ ایک ہی چوکے چولہے میں روٹی پکا لیتے ہیں بعض قائم خانی ختنہ بھی نہیں کراتے۔ اور کثرت سے دھوتی باندھتے ہیں۔ اُلٹے پردہ کا انگرکھا یا کرتی پہنتے ہیں عورتیں گھاگرا اور ہاتھی دانت کا چوڑا پہنتی ہیں۔ ہولی۔ دیوالی وغیرہ ہندوؤں کے تمام تہواروں کو مانتے ہیں ماموں اور چچا کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے لیکن بعض قائم خانی اب پٹھانوں خانزادوں اور سیدوں سے بھی رشتہ داری کرنے لگے ہیں۔ مگر پٹھان اور سید ان کو اپنی بیٹیاں نہیں دیتے ہیں۔ قائم خانیوں کی رشتہ داریاں زیادہ تر قرولی کے پٹھانوں سے ہوتی ہیں۔ پہلے یہ لوگ ہندو راجپوتوں کی طرح ڈاکہ زنی اور رہزنی بھی کرتے تھے۔ بعض لوگوں کی اب تک بھی ڈکیتی کے محکموں میں نگرانی رکھی جاتی ہے۔ یہ لوگ ڈیل ڈول کے مضبوط جسیم۔ جفاکش۔ بہادر اور محنتی ہوتے ہیں۔ لیکن ناخواندگی اور اکھڑپن ان میں خصوصیت سے پایا جاتا ہے۔ لیکن اب مذہب عادتوں میں روزمرہ تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔

۳۔ **ثابت خانی** یہ لوگ بڈگوجر راجپوتوں کی اولاد میں سے کیسر سنگھ کے خاندان سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اس کیسر سنگھ کو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں نواب ثابت خاں حاکم کول نے مسلمان بنالیا تھا۔ چنانچہ اس ثابت خاں کے نام پر ہی اس خاندان کا نام ثابت خانی رکھا گیا ہے۔ پہلے ان کی ریاست میں بہت گاؤں تھے۔ لیکن اب نہیں ہے کیسر سنگھ ثابت خانی کا تعلقہ بہت بڑا تھا۔ لیکن اب بہیر جو الٰہی بخش برہمن کا خاندان قابض ہے جو الٰہی بخش کے باپ نے یہ علاقہ رانی مہاکنور سے دھوکے سے بیع کرالیا تھا۔ حالانکہ یہ خود اس رانی کا نوکر تھا جب یہ حال ظاہر ہوا تو رانی مذکورہ نے اس بیع کے ناجائز ہونے کا دعوےٰ دائر کردیا۔ آخرکار پریوی کونسل سے

داستانِ مشتری کے حق میں فیصلہ ہوا۔

ثابت خانی بڑگوجروں میں ایک نامی خاندان بلکھنہ کا بھی تھا جس میں پچھلا رئیس راؤ دولت سنگھ ہوا ہے۔ اس کے زمانہ میں اس کا علاقہ نیلام ہو کر ٹھاکر مردان علی خان کے حوالے کیا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۸۱۵ء کا ہے۔

۴۰۔ لال خانی

لال خانی لوگ بھی بڑگوجر راجپوتوں میں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ بڑگوجر سورج بنسی خاندان کی ایک شاخ ہے۔ جو راجہ چندر کے بیٹے لوہ کی اولاد میں شمار کی جاتی ہے۔

یہ لوگ زمانہ سابق میں علاقہ ڈھونڈھار کے متعدد مقامات پر جس میں آمیر (جے پور) اور علاقہ ماچیڑی شامل ہے قابض تھے۔ جن کا دارالخلافہ راجور واقعہ کمیری یا ماچیڑی پہاڑی خطہ تھا۔ الور اور راج گڑھ پر بھی ان کی حکومت تھی۔ جب کچھواہہ قوم بڑگوجروں پر غالب آ گئی۔ تو ان کو اپنے مقبوضات چھوڑنے پڑے۔ چنانچہ ان کی ایک شاخ نے دریائے گنگا کے ساحل پر انوپ شہر میں سکونت اختیار کی۔ بلند شہر کے راجپوتوں میں کیا باعتبار تعداد اور کیا بلحاظ وسعت زمینداری بڑگوجر لوگ سب سے افضل ہیں۔ اس قوم کی آبادیاں ضلع بلند شہر کے چار مشرقی پرگنوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کی زمینداری کے دو سو اٹھاون گاؤں اور قصبے اس ضلع میں اور کچھ اضلاع علی گڑھ۔ بدایوں اور مراد آباد میں ہیں۔

لال خانیوں کا مفصل حال سر ہنری الیٹ صاحب کی کتاب میں جو انگریزی میں ہے درج ہے۔ اردو میں بھی تاریخ اشرف نامہ میں ان کے حالات درج ہیں جسے ٹھاکر اشرف علی خاں عرف گوندے خاں لال خانی نے تالیف کیا ہے۔ یہ ٹھاکر اشرف علی خاں وہی لال خانی بڑگوجر تھا جس نے سنہ ۱۸۵۷ء میں بمقام ملکونہ انگریزی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ ٹھاکر مذکور نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مہاراجہ پرتھی راج والی دہلی نے مہوبہ واقع بندیل کھنڈ پر فوج کشی کی تو دیولی واقعہ راجور عرف ماچیڑی کے رئیس کا بیٹا پرتاب سنگھ بھی اس فوج میں معہ دس ہزار سواروں کے شامل ہوا تھا۔ اثنائے راہ میں پرتاب سنگھ نے بمقام پہاسو جو بلند شہر سے جنوب مشرق میں ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے قیام کیا۔ اسی روز ایک عورت قوم کی کہاری نے پرتاب سنگھ سے

درخواست کی۔ کہ میرے شوہر کو کمہیر یا کے بیٹھیہ میوؤں نے قید کر رکھا ہے تم اس کو رہا کرا دو۔ پرتاب سنگھ کو جب معلوم ہوا کہ یہ بیٹھیہ میو لوگ بڑے لٹیرے ہیں۔ اور اپنے حاکم راجہ کول کی بھی کم پرواہ کرتے ہیں۔ اور اپنے ہمسایوں پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں تو عورت مذکور کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن عورت نے طعنہ دیا۔ کہ تمہارے اس انکار سے راجپوتی کو داغ لگتا ہے۔ تو اس نے درخواست کو منظور کر لیا۔ اور فوراً کمہیریا کا محاصرہ جا کیا۔ میوؤں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ مگر آخر کو شکست کھائی۔ لیکن جس کہار کی رہائی کے واسطے یہ لڑائی ہوئی تھی وہ مارا گیا۔ اس کی عورت ستی ہو گئی۔ اور ستی ہوتے وقت اس نے یہ دعا کی۔ کہ اس جگہ پر پرتاپ سنگھ کی اولاد کا راج ہو جائے۔

اپنی مجروح فوج کا علاج کرانے کے واسطے پرتاپ سنگھ چند روز بہاسو ٹھیرا۔ اسی عرصہ میں راجہ کمل نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اور جہیز میں بہاسو کے گرد و نواح میں ڈیڑھ سو گاؤں کی زمینداری بھی دی۔ اور اپنی نئی رانی کو بہاسو میں چھوڑ کر پرتاپ سنگھ مہوبہ گیا۔ وہاں لڑا۔ اور مہوبہ کے راجہ کو شکست دیکر واپس بہاسو آیا۔ پھر اس نے اور بھی بہت سے گاؤں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اور بڑا راجہ بن گیا۔ اس کے پوتے بین راج نے اپنا دارالخلافہ بہاسو سے بدل کر جھوندیرہ بنا لیا۔ یہ وہی جھوندیرہ ہے جہاں پر بہادر خاں پسر ناہر خاں خانزادہ بیاہا گیا تھا۔ اور اقبال خاں عرف ملو خاں خانزادہ جو سلطان محمود تغلق کا سپہ سالار تھا۔ اسی جھوندیرہ والوں کا نواسا تھا۔ سنہ ۱۷۳۱ء تک یہ تمام علاقہ ریاست ماچیڑی میں شامل رہا مگر پھر سوائی جے سنگھ والئی جے پور نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ پرتاپ سنگھ کی نویں پشت میں لال خاں ہوا۔ اس کا اصلی نام لال سنگھ تھا۔ اکبر بادشاہ نے اس کو خان کا خطاب دیا تھا۔ تب اس نے اپنے نام میں بجائے سنگھ کے خان کا لقب شامل کر لیا۔

اس کے بیٹے سالباہن نے شاہ جہاں بادشاہ سے بہاسو کے گرد و نواح میں جو ۱۶۷ گاؤں کی زمینداری حاصل کی۔ اور اس کا پوتا اعتماد علی خاں عالمگیر کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ اس نے اپنی غفلت سے یہ علاقہ کھو دیا۔ لیکن اس کی ساتویں پشت میں ناہر علی خاں نے شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں پھر وہی سابقہ علاقہ حاصل کر لیا۔ یہ وہی علاقہ تھا جسے ناہر علی خاں اور اس کے برادر زادہ اشرف علی خاں عرف ڈھونڈے خاں نے سرکار انگریزی کا مقابلہ کر کے ضبط کرایا تھا۔ ٹھاکر مردان علی خاں نے علاوہ ان دیہات کے جو بعد ضبطی جائداد ڈھونڈے خاں

کے ان کو خیر خواہی سرکار میں عطا ہوئے تھے۔ اور یہی بہت سے دیہات نیلام میں خرید کر اپنی ریاست بڑھالی ہے آجکل انکی اولاد کی زمینداری کے گاؤں ضلع بلند شہر میں ایک سو چھبیس اور ضلع متھرا میں اور علی گڑھ میں ساٹھ گاؤں ہیں۔ مردان علی خاں کے وارثان حسب ذیل ہیں۔

وزیر علی خاں۔ ظہور علی خاں۔ محمود علی خاں۔ نواب علی خاں جو دان پور۔ دھرم پور چھتاری اور پہاسو میں تعلقدار ہیں۔

لال خانیوں میں بھی اب تک ہندوؤں کے رسم و رواج پائے جاتے ہیں۔ اپنے گوت میں شادی نہیں کرتے۔ گاؤ کشی سے پرہیز کرتے ہیں۔ لڑکوں کے دو دو نام رکھتے ہیں ایک ہندوانی اور دوسرا اسلامانی۔ اور اپنے ہندو بھائیوں کے مطابق شادی کے دنوں میں دروازہ پر اس کہاری عورت کی تصویر بنا کر پوجتے ہیں جس کی دعا سے اپنے بزرگوں کی ترقی جانتے ہیں۔ پرتاب سنگھ کے پانچ بیٹے تھے۔ بسنت دیال۔ راج دیو ہاتھی شاہ۔ رانو جی۔ جانو جی۔ اسی جانو جی کی اولاد میں مالکان تعلقہ چھتاری پہاسو و دھرم پور و دان پور ضلع بلند شہر ہیں۔

ضلع بلند شہر کے بڈگوجر کیا ہندو کیا مسلمان سب کے سب پانچ شاخوں میں منقسم ہیں لال خانی۔ احمد خانی۔ بکرم خانی۔ کمال خانی۔ رائے خانی۔

ان کو جہانگیر بادشاہ کے وقت میں خان کا خطاب ملا تھا۔

بڈگوجروں کے لڑکوں کی شادیاں جنگھاڑہ۔ گوڑ۔ گوتم۔ درو۔ اور بیس فرقوں میں اور لڑکیوں کی شادیاں کھیریا۔ تنور۔ وغیرہ فرقوں میں ہوتی ہیں۔

۵- خانزادوں کا عروج اور زوال

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

مسلم جادو راجپوت الملقب بخانزادہ وہ بہادر اور دلاور قوم ہے۔ جس کی بے نظیر شجاعت کے سامنے علاقہ میوات۔ صوبہ یو۔ پی اور نواح دہلی کی کل قوموں نے اپنا سر تسلیم خم کر چکی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں اگر کوئی قوم ایسی ہے جو اپنی خودداری۔ اور آن بان

قائم رکھنے کے لئے مرنا جانتی ہے۔ اور اپنی قومی شرافت کی حفاظت کے لئے ہر وقت سینہ سپر بن کر اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتی ہے اور آج تک جس کے دل میں موت کا خوف کبھی نہیں پایا گیا۔ تو وہ نامور اور ممتاز قوم جادو راجپوت ہے جس کی شہادت جنگ مہابھارت بخوبی دے رہی ہے۔ یہ قوم شجاعت اور مردانگی کا پتلا بن کر دنیا میں آئی ہے جس کی رگ رگ میں مردانگی۔ اولوالعزمی۔ اور دلاوری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

یہی وہ قوم ہے جو ہندوستان کی راجا مہاراجوں کی اولاد ہے جس کا تعلق ہمیشہ شریف شاہی خاندانوں سے رہا ہے۔ کسی زمانہ میں اپنی قوم اور ملک کی حفاظت کرنا اس قوم کی زندگی کا خاص حسن تھا۔ یہ لوگ سب رحم و رعایت انصاف کے دلدادہ تھے۔ ہمتیں بلند تھیں۔ طبیعتیں فیاض تھیں۔ بات کے دھنی تھے۔ رعایا کے سچے محب تھے۔ راستی پسند تھے اور راستی کے لئے ہر وقت جان فدا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اُن کی خوشامد اور ظاہر داری سے سخت نفرت تھی۔ عورت۔ بچے اور کمزور آدمی پر ان کی تلوار کبھی نہ چلتی تھی پناہ میں آئے ہوئے آدمی کے لئے دوست تو درکنار دشمن کے بھی جان نثار دوست بن جاتے تھے چنانچہ خانزادہ قوم کی طرف سے قلعہ کوٹلہ۔ اندور۔ گھرول اور الور کے دروازے ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کو پناہ دینے کے لئے کھلے رہتے تھے۔ اسی لئے اپنی حکومت کے زمانہ میں خانزادوں نے مفصلہ ذیل بادشاہوں اور ان کے امرا اور وزرا کو پناہ دی تھی۔

(۱) خاں جہاں وزیر فیروز شاہ باربک ناصر الدین محمد کے خوف سے دہلی سے بھاگ کر میوات میں بہادر ناہر خاں کی پناہ میں آگیا تھا۔

(۲) سید خضر خاں امیر تیمور کے خوف سے شروع میں بہادر ناہر خاں کی پناہ میں میوات میں آیا تھا۔

(۳) محمد تغلق ثانی کو ناصر الدین محمد شاہ کے برخلاف بہادر ناہر خاں نے مدد دی جس سے ناصر الدین محمد نے قلعہ نگر کوٹ میں جاکر پناہ لی۔

(۴) ابوبکر شاہ تغلق کو تین دفعہ میوات سے فوج دے کر بہادر ناہر خاں نے شہر فیروز آباد میں ناصر الدین محمد کے برخلاف مدد دی۔

(۵) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۲۴۰ میں لکھتے ہیں کہ

(ابوبکر شاہ اور محمد شاہ کے زمانے میں خانزادوں کی قدر منزلت بڑھکر ان کا عروج بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جنہوں نے ابوبکر شاہ اور محمد شاہ کی طرف سے ہمیشہ جانیں لڑائیں)

(۶) نصرت شاہ اور ناصر الدین محمود کو بہادر ناہر خاں نے مدد دی۔

(۷) اقبال خاں عرف ملو خاں وزیر اعظم نے ناصر الدین محمود کو برائے نام صرف روئی کپڑے پر بادشاہ بنائے رکھا۔ ورنہ دہلی اور فیروز آباد کی دونوں حکومتیں علاؤ اسی کے زیر فرمان رہیں

(۸) ملک قدو خاں برادر جلال خاں والئی میوات نے مبارک شاہ کے برخلاف سلطان ابراہیم شاہ شرقی کی مدد کی تھی۔

(۹) سلطان محمد شاہ کے برخلاف میوات کے خانزادوں نے سلطان محمود خلجی کو مالوہ سے دہلی کی سلطنت کے لئے بلایا تھا۔ چنانچہ وہ ۸۴۴ھ میں دہلی آیا اور محمد شاہ سے لڑا۔

(۱۰) سلطان حسین شاہ شرقی کو احمد خاں خانزادہ والئی میوات نے دو دفعہ مدد دی تھی۔

(۱۱) حسن خاں خانزادہ والئی میوات نے بابر بادشاہ کے برخلاف ابراہیم لودھی کی مدد کی تھی جسمیں حسن خاں کا بیٹا ناہر خاں بابر کی قید میں جا پڑا تھا۔

(۱۲) محمد خاں اوحدی حاکم بیانہ کو قدو خاں و جلال خاں خانزادگان نے مبارک شاہ کے برخلاف مدد دی۔

(۱۳) سلطان محمود بسر سکندر شاہ لودھی کو حسن خاں والئی میوات نے بابر کے خلاف مدد دی

(۱۴) بعض دفعہ اس پناہ دہی کی بدولت خود بھی نقصان اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حسن خاں نے بابر کے برخلاف دس ہزار سوار سے جاکر رانا سانگا کی مدد کی تھی جس میں وہ خود بھی مارا گیا۔ جس کی وجہ سے خانزادوں کی خود مختارانہ حکومت ہمیشہ کے لئے میوات سے جاتی رہی۔

وغیرہ وغیرہ۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی شجاع و بہادر قوم اپنی ترقی کے معیار سے کیونکر گر گئی اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ کی نیرنگی اور گردش سے دنیا میں رات دن تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ پس جبکہ قانون قدرت ہے کہ کسی قوم کی ہمیشہ ایک ہی حالت آج تک نہ کبھی رہی ہے اور نہ آئندہ رہیگی۔ کیونکہ یہ دنیا رہٹ کے بلڑوں کی مانند ہے۔ جس میں کوئی قوم عروج پاتی ہے اور کوئی نیچے گرتی ہے۔ تو پھر خانزادہ قوم کا بھی عروج سے گر کر پستی کی طرف آجانا عقلمند آدمی کے لئے نئی بات نہیں ہے۔ ہر کمالے را زوالے مشہور ہے۔ جس طرح

زمانے کے انقلاب نے دنیا کی بعض دوسری سربرآوردہ قوموں کو اس طرح نیست و نابود کر دیا ہے۔ کہ آج روئے زمین پر اُن کے نشانات ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتے۔ اسی طرح اس انقلاب نے اپنی عادت کے مطابق خانزادہ قوم کو بھی پستی کے غار میں دھکیل دیا ہے اگرچہ اس وقت یہ قوم نزع کی حالت میں ہے۔ مگر اس کی رگوں میں ابھی تک اُس کے بزرگوں کا خون برابر دوڑ رہا ہے۔ گو وہ سست ہو چکا ہے۔ مگر منجمد نہیں ہوا۔ روشن کوکب انقلاب زمانہ کے گرد و غبار کے نیچے دب گیا ہے لیکن موافق ہوا کا جھونکا لگنے سے اس میں وہی پہلی سی چمک اور تیزی پیدا ہو جانی ناممکن نہیں ہے۔ تاریخوں کے مطالعہ سے اور تجربہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے۔ کہ خانزادوں کی تباہی اور بربادی کا خاص سبب ان کی خانہ جنگی اور آپس کا حسد ہے۔ جو کہ تمام راجپوتوں کا ایک قومی خاصہ بن چکا ہے۔ اور بدقسمتی سے جنہے اسلام لانیکے بعد بھی اس قوم کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور یہی کم بخت بدعادت اس قوم کے تنزل کا باعث ہوئی ہے۔ یہ حسد کی عادت ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ ان کا موروثی ترکہ ہے جو ان کو ورثہ میں ملا ہے۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں میں حسد کی وجہ سے ایک ایک شخص کے دل میں بدلا لینے کا جوش بھرا رہتا ہے۔ اور یہ کینہ کسی کے دل سے نہیں نکلتا اگر یہ لوگ اپنے رقیب سے بدلا نہ لیں یا لڑائی جھگڑے میں طرح دے جائیں۔ تو صرف ان کی کمزوری ہی ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ کمینہ پن سمجھا جائے گا۔ اس لئے ہمیشہ خون کا بدلا خون ہی ہوتا ہے۔ البتہ بدلا لینے کی آگ دو صورتوں سے بجھ جاتی ہے۔ یا تو معافی مانگ لی جائے یا اپنی لڑکی بیاہ دی جائے۔)

دیکھو تاریخ ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۳۸۴۔

جنگ مہابھارت بھی اسی کم بخت حسد کا کرشمہ تھا جس میں ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا تھا۔ چچا کی تلوار بھتیجوں کی گردنوں پر اور بھتیجوں کے نیزے چچاؤں کے سینوں میں پار ہوئے تھے۔ گرو جی نے اپنے ہاتھوں سے پیارے شاگردوں کا خون بہانے میں اور شاگردوں نے گرو جی کی گردن اڑانے میں دھرم اور ایمان سمجھا تھا۔ وہی موروثی قاعدہ خانزادوں نے بھی اختیار کر رکھا ہے۔

کہتے ہیں اس قوم کی سکونت کے چودہ سو چوراسی گاؤں اور قصبے آباد تھے۔ لیکن آج سالم آبادی کے گاؤں شاید چوراسی بھی باقی نہ ہوں۔

اگرچہ شاہان دہلی اپنے اپنے وقتوں میں خانزادوں پر خاص شفقت اور مہربانیاں فرماتے رہے لیکن ان لوگوں نے اپنی رعونت۔ جہالت اور نافرمانی سے ان بادشاہوں کو بھی ناراض بنا لیا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ پرلے درجے کے مغرور ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے کسی کی اطاعت کرنا یا سر جھکانا ان کے لئے باعث ننگ و عار تھا۔ ان لوگوں پر خود مختاری اور آزادی نے بہت ہی برا اثر ڈالا تھا۔ ان میں اس عادت سے خود سری پیدا ہو گئی تھی جس سے انہوں نے اپنی شجاعت اور جرأت کا نشانہ اپنے بھائی بندوں کے علاوہ بادشاہوں تک کو بنا لیا تھا۔ سپاہیانہ تکبر نے جو جہالت کا خاصہ ہے اس قوم کو تمام نعمتوں سے محروم کر دیا اطاعت کا لفظ ان کے ہاں بے معنی تھا۔ وہ اپنی سر زوری اور آزاد منشی سے کبھی اپنے حاکم یا بادشاہ وقت کو باضابطہ اپنا شاہنشاہ نہیں مانتے تھے۔ اگر خاندان تغلق و سادات اور لودھی بادشاہوں کے زمانوں میں اقبال خاں۔ فیروز خاں۔ جلال خاں۔ قدو خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں وغیرہ مشاہیر خانزادگان اپنی رعونت اور نافرمانی کو چھوڑ کر الپو بکر۔ نصرت شاہ۔ ناصر الدین محمد۔ مبارک شاہ۔ ناصر الدین محمود۔ خضر خاں۔ بہلول لودھی اور بابر بادشاہ وغیرہ شاہان دہلی سے بگاڑ نہ پیدا کرتے۔ تو آج میوات اور یو۔ پی وغیرہ کا علاقہ ضرور خانزادوں کی خود مختار ریاستوں میں شامل ہوتا۔

لیکن ان کی رعونت اور جہالت کا وہی خراب نتیجہ نکلا جو ایسے کاموں کا نکلا کرتا ہے

اشعار حسب حال قوم

کیا کہیں جب سے گئی ہائے حکومت اپنی — نہ وہ ہے شان ہی پہلی سی نہ شوکت اپنی
نام تھا اپنا بڑا حاکم میوات تھے ہم — خوار و بدنام ہیں اب کھو کے حکومت اپنی
اپنے ہی دیس میں پردیس سے بدتر ہیں ہم — کیا کہیں آج جو دکھ دیتی ہے غربت اپنی
اپنوں سے بغض و حسد غیروں سے الفت قائم — اس نے اے قوم بنائی ہے بری گت اپنی

تیری رونق وہ تری گرمئی بازار۔ نہیں۔

خار آنکھوں میں کھٹکنے کو ہیں گلزار نہیں

بغض و کینہ و عداوت ہوئے مہماں اپنے
ان پہ ہم مرتے ہیں اور یہ بھی ہیں قرباں اپنے

لیڈرِ قوم تو آپس کے ہیں جھگڑوں میں پھنسے
اپنی بربادی کے درپے ہیں نگہباں اپنے

جہل ہونے نہیں دیتا ہے ہمیں شیر و شکر
دیکھکر جلتے ہیں اپنوں کو مہرباں اپنے

ہم کو بس اپنے ہی اس جور و جفا نے مارا
اپنے ہاتھوں سے کئے چاک گریباں اپنے

قوم کو ایک بنانا کوئی دشوار نہیں۔
لیڈر اپنے مگر اس کے لئے تیار نہیں۔

کاش اے قوم نصیبہ ترا اچھا ہوتا
پھوٹ کی جا ترے افراد میں ایکا ہوتا

اپنے سرداروں میں ہوتی نہ جو آپا دھاپی
قوم کا جو کوئی ہوتا وہ ہمارا ہوتا

خوب تفریق میں تقسیم میں ماہر ہیں ہم
جمع کا قاعدہ ہم نے کبھی سیکھا ہوتا

بھائی سے بھائی لڑانے کو ہیں لاکھوں موجود
کوئی ان سب کو ملا دینے کا شیدا ہوتا

حیف ایسے نظر آتے کوئی آثار نہیں۔
رہنما کوئی ہمارے لئے تیار نہیں۔

متفق ہوں نہ جو ہم لوگ تو بنتا کیا ہے
ایک دو قوم کے غمخوار سے ہوتا کیا ہے

تنگی و ترشی و ذلت میں اگر دن کاٹے
خاک اس زیست پہ ہم لوگوں کا جینا کیا ہے

فاقہ افلاس بلا بندگی و بدنامی
اور دیکھوگے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

رعب و حشمت نہیں دولت نہیں عزت بھی نہیں
اور لٹ جانے کو باقی رہا اپنا کیا ہے

بعد اپنے مگر اولاد کی کیا گت ہوگی
واسطے ان کے تو دنیا میں قیامت ہوگی

راہ پر کوئی خدا کے لئے لائے ان کو
اپنوں کی طرح سے آپس میں ملائے ان کو

حسد و بغض کے جھگڑوں سے بچائے ان کو
پھوٹ کے پھندے سے کاش چھڑائے ان کو

کوئی مشرق کو رواں ہے تو کوئی مغرب کو
راستہ پیار و محبت کا دکھائے ان کو

بھائی سے بھائی بڑا کوئی نہیں ہو سکتا
اس مساوات کا گر کوئی سکھائے ان کو

اپنی حالت سے کوئی ان کو خبردار کرے
قافلہ لٹ چکا کوئی انہیں بیدار کرے

قوم کا خیال نہیں پاس آبرو کا نہ رہا — کیا بتائیں تمہیں ہم لوگوں کا کیا کیا نہ رہا
لیڈر قوم ہوئے اپنی بڑائی پہ ہیں مست — قوم کا ایک بھی اب چاہنے والا نہ رہا
کیسی حالت ہوئی افسوس ہماری بدتر — ہائے ہم لوگوں میں کچھ خوف خدا کا نہ رہا
دشمن جان نظر آتی ہے دنیا ساری — ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

کوئی کہہ آئے ذرا اپنی زبانی اُن کو
قوم کی موت کا ہم کہتے ہیں بانی اُن کو

آؤ اِن نیند کے ماتوں کو ہی ہشیار کریں — بخت خوابیدہ کو اپنے کہیں بیدار کریں
ننگ و ناموس بچانے کی کریں کچھ تدبیر — ہو سکے گر تو علاج دل بیمار کریں
آؤ مل بیٹھیں ذرا ہم بھی یگانوں کی طرح — لو چلے آؤ منالیں تمہیں ہم پیار کریں
پھر لگالیں تمہیں چھاتی سے خلوص دل سے — عہد کر لیں کہ خفا تم کو نہ زنہار کریں

تم ہو مجروح اگر درد ہمارے اٹھے
غم نہیں ہو تو دم سرد تمہارے اٹھے

ہم وہ ہیں جن کا زمانے میں کوئی یار نہیں — ہم وہ ہیں جن سا زمانے میں کوئی خوار نہیں
ہم وہ ہیں جن کا لہو چوستی ہے سب دنیا — ہم وہ ہیں جن کا کوئی یار و مددگار نہیں
ہم وہ ہیں جن کو تجارت سے نہیں کچھ رغبت — ہم وہ ہیں جن کو زراعت سے سروکار نہیں
ہم وہ ہیں یو۔پی۔ و میوات کے مالک تھے کبھی — ہم وہ ہیں آج کہ ہم سا کوئی لاچار نہیں

ہم وہ ہیں عزت و ناموس بھی کھو بیٹھے ہیں
ہم وہ ہیں نام بزرگوں کا ڈبو بیٹھے ہیں

۶۔ قومی مدافعت

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدیم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اُردو فارسی کی مختلف تاریخوں کے مطالعہ سے ہمیں ایک نام نہاد مؤرخ ایسے بھی نظر آئے ہیں جنھوں نے خان زادہ قوم کے متعلق بعض ایسے نوٹ تحریر کئے ہیں جو بالکل غلط اور تمام تاریخوں کے سراسر خلاف ہیں۔ یہ صاحب شیخ محمد مخدوم سابق تحصیلدار تجارہ متوطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر مصنف کتاب ارژنگ تجارہ و مرقع الور ہیں۔ پہلے شیخ موصوف کا نام سُن کر ہم بہت حیران ہوئے کہ یا الٰہی یہ کون بزرگ ہیں۔ آیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب جن کی بد گوئی اور بدزبانی شہرۂ آفاق ہو چکی ہے۔ اور اسی بدعادت کی وجہ سے وہ چودھری امیر خاں صاحب خان زادہ متوطن قصبہ تجارہ کے ہاتھوں خفت و ندامت اٹھا چکے ہیں۔ اور کیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جو اپنی شرافت و نجابت کی ڈینگ مارنے کی بدولت قاضیان تجارہ کی طرف سے اُن کا شجرۂ نسب طلب کئے جانے پر ایاز قدر خود بشناس کا جواب پا چکے ہیں۔ اس شجرۂ نسبی کی طلبی پر وہ کچھ ایسی بھتی بھوے کہ باوجود نام نہاد مورخ بننے کے اُن کو نادر شاہ کا جواب تک یاد نہ آیا جو اس نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کی طرف سے اس کا شجرۂ نسب طلب کئے جانے پر (نادر شاہ بن شمشیر بن شمشیر) ہمچنیں تا ہفتاد ہشت بشمار کہہ کر دیا تھا۔

اور کیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جن کا آبائی پیشہ تھانہ بھون کے اندر قبل از تحصیلداری تجارہ .... تھا۔

اور کیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جن کو اپنی کتاب مرقع الور پر بڑا ناز تھا لیکن اس گندگی کے پلندے کی بے قدری اور ناقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اُس کو شائع کرانے کے لئے ملک بھر میں کوئی شخص نہ مل سکا۔ آخر متواتر کئی سال تک پڑے رہنے کے بعد خود ہی جودھپور میں جا کر اپنے خرچ سے چھپوانی پڑی۔

غرض جب ہم کو کامل یقین ہو گیا کہ واقعی یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جو مندرجہ بالا اوصاف سے موصوف ہیں تو ہمارا دل بیٹھ گیا کیونکہ اپنی قلبی اور ذاتی عداوت کے طفیل

کل نومسلموں کے ساتھ عموماً اور خانزادوں کے ساتھ خصوصاً بدزبانی اور بدگوئی اس شخص کی بڑائی سُنت بن گئی ہے۔ اور بھلے آدمیوں کی پگڑی اچھالنا اس کا خاص شیوہ رہا ہے سچ ہے
جبل گردد۔ جبلی نہ گردد۔

شیخ صاحب نے خانزادہ قوم پر جو حملے کئے ہیں اگرچہ ان کے جوابات ہم بھی ترکی بترکی ان برادران کی کل قوم پر حملہ کرکے بخوبی دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری اور شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی اور اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی اور منشی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی نے اپنی اپنی تاریخوں میں ایسے ہی نام نہاد شریفوں کو مشرح جواب دیا ہے۔ لیکن ہم کسی برائی کی تقلید میں اپنی پوزیشن کو خراب نہیں کرتے۔ وجہ یہ کہ ایک فرد واحد کے قصور پر کل قوم کے اوپر حملہ کرنا سراسر تبز دلی اور کمینہ پن ہے۔

دوئم شیخ صاحبان کیساتھ ہمارے تعلقات دوستی بہت گہرے اور مخلصانہ ہیں پس ہم ایسی کسی نامناسب حرکت کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ البتہ شیخ جی کی غلط بیانیوں کے جوابات مہذب پیرایہ میں ضرور لکھتے ہیں اور انکی گالیوں پر صبر اور شکر کیساتھ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں کسی کی دل آزاری جائز نہیں ہے

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن ۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

شیخ صاحب کو خانزادوں کے ساتھ جو ذاتی عداوت ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ میں یہ تجارہ کے تحصیلدار تھے۔ انہوں نے اپنے استبدادی دورِ حکومت میں جیسا کہ ریاستی میں اکثر ہوا کرتا ہے مقامی لوگوں کو ناخوش بنا رکھا تھا جن میں زیادہ تعداد خانزادوں کی تھی۔ اس وجہ سے اکثر بار ناواجب احکام کی عدم تعمیل پر بدمزگی پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ایک دو موقعوں پر ان کے ساتھ مقابلہ کی نوبت بھی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ چودھری امیر خاں صاحب خانزادہ متوطن تجارہ کے ساتھ بھی مال گذاری وصول کرانے کے موقعہ پر مقابلہ کی نوبت آگئی تھی۔ اگر اُس وقت تحصیل کے اندر بہت سے آدمی موجود نہ ہوتے۔ تو تحصیلدار صاحب کے ساتھ ہاتھا پائی کی نوبت بھی پہنچ جاتی۔ اسی کم بخت بدمزگی نے شیخ صاحب کو مغلوب الغضب بنا دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے خانزادوں کے ساتھ بغض وعداوت رکھنے لگے تھے۔ ورنہ بھلا تحصیلداروں کو قوموں کے حسب و نسب۔ شجرہ خوانی اور رسوماتِ شادی و غمی کی تلاش و تحقیق سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ جب اور کچھ قابو نہ چلا تو سب سے پہلے ارژنگ تجارہ کے اندر خانزادوں کو خانہ زاد شاہی تحریر فرما کر دل کا بخار نکالا۔

جب یہ کتاب منشی احمد خاں صاحب خانزادہ متوطن کوٹ قاسم نے پڑھی۔ تو انہوں نے مختلف تاریخی حوالوں سے اس کتاب کی تنقید بنام تاریخ اثر رنگ تجارہ فارسی زبان میں لکھکر شیخ جی کے پاس تجارہ بھیجی۔ اور اس تنقید کے ساتھ ہی شیخ صاحب کے حسب و نسب پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی تھی۔ شیخ صاحب اپنے اس ذاتی کچے چٹھے کو اور کتاب کی تنقید کو پڑھکر بہت گھبرائے۔ لیکن نہ تو اپنے حسب و نسب کے اندراج کا ازالہ فرما سکے۔ اور نہ کتاب کی تنقید کے برخلاف تاریخی ثبوت بہم پہنچا سکے۔

انہیں ایام میں مسٹر لولٹ صاحب قائم مقام پولیٹیکل ایجنٹ الور کی طرف سے شیخ جی کو ریاست الور کی تاریخ لکھنے کی خدمت سپرد کی گئی۔ یہ موقعہ ان کے لئے خانزادوں کی دل آزاری کا خاص طور پر بہم پہنچ گیا۔

غرض جب اور کچھ بن نہ پڑا۔ تو مجبور ہو کر یہ ذاتِ شریف ذاتیات پر اتر آئے۔ اور اپنے دل کا بخار نکالنے کے لئے کتاب مرقع الور میں انہوں نے تمام قوم خانزادہ کے برخلاف عموماً اور منشی احمد خاں صاحب کے برخلاف خصوصاً سخت زہر اگلا ہے جس سے انہوں نے اپنی تمام نام شرافت کا بیڑا غرق کر دیا۔ اور گالیاں دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہم اپنے اس بیان کی صداقت کے لئے شیخ جی کی عبارت کا نمونہ بھی بجنسہٖ نقل کئے دیتے ہیں۔ جو انہوں نے مرقع الور میں تحریر فرما کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کو پڑھکر ناظرین پر ان کی دلی کدورت اور رنجش کا حال بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ وہ عبارت یہ ہے۔

(خانزادوں نے اپنا ایک نیا قوم بنایا ہے اور سلسلہ اپنی نسل کا باظہار شرافت تہن پال (تہن پال) جادون راجہ بیانہ سے جا ملایا ہے۔ اور ایک نسب نامہ اُس کی صداقت کا لکھ لیا ہے۔ اور جاگوں کو اس کی تصدیق کا شاہد کیا ہے۔ بوساطت اس کے ناواقفوں کو بہکاتے ہیں۔ جو شخص کچھ بھی سرمایۂ علم و عقل اور تاریخ دانی میں وقوف دخل رکھتا ہے اس کے سامنے کچھ بھی پیری ان کی نہیں چلتی۔ اور اس جھوٹ کی ہرگز دال نہیں گلتی دروغ کو کب فروغ ہوتا ہے۔ راست بھی کہیں دروغ ہوتا ہے۔ دیکھو وہ خود ہی بہادر ناہر اپنے جد کا مسلمان ہونا عہد فیروز شاہ باربک میں تحریر کرتے ہیں۔ اور بیعت ہونا اس کا دستِ حق پرست حضرت قطب صاحب پر حوالہ قلم کر کے جھوٹ سے نہیں ڈرتے ہیں۔ کہاں زمانہ حضرت قطب صاحب اور کجا عہد فیروز شاہ

دونوں کے وقت میں دو سو برس کا تفاوت بلا اشتباہ ہے۔ پھر کہیے ایسا جھوٹا نسب نامہ کس طرح سچا ہو۔ اور یقین اس کی صحت پر کیونکر پکا ہو۔ اور کاش اُن کو جادونسی فرض بھی کر لیا جائے۔ تو جیسے میو ہیں ویسے ہی وہ بھی ہیں۔ سانپر پال جدّ اعلےٰ خانزادگان جو مسلمان ہو کر باسم ناہر نام نہاد ہے وہ پیجل کی اولاد ہے۔ اور جو خانزادوں کا بیان ہے کہ خطاب بادشاہی بہارا خان ہے اور اس خطاب سے خانزادہ برآمد۔ اس وجہ سے ساتھ اسکے ہم طبقے نامزد ہوئے۔ یہ بھی اُنکی ایک بے علمی کی بات ہے۔ ورنہ تواریخ سے بخوبی اثبات ہے کہ اُن کے جدّامجد کا بہادر ناہر نام بالقاب خان کہیں تحریر میں نہیں آیا۔ جہاں دیکھا بہادر ناہر لکھا پایا۔ پھر بے ثبوت کس طرح قابلِ اطمینان ہے کہ لقب خانزادہ مشتق بہ لفظ خان ہے۔ ارژنگ تجارہ میں حسب و نسب اُن کا زیب قلم ہوا تھا۔ جب وہ ہی اپنی اصل پر آگئے۔ تو ہم بھی اُن کی رگ پا گئے ؎

اصلِ بد از خطا خطا نہ کُند ۔ بد گُہر با کسے وفا نہ کُند

وہ کہ لفظ خانہ زاد سے برآمدگی لقب خانزادہ حوالۂ کلکِ استان گذار ہوئی۔ اس قوم کج فہم کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اسی سرنج بے سود سے براہ نادانی اپنی اصلیت کی کہانی وہ خود کہنے لگے۔ یہاں حسب ضرورت پوست کندہ کہنا لازم آیا کہ ایک اسی قوم شریف کا پر مغز۔ نازک دماغ۔ احمق نام سنا گیا ہے۔ جو کہ قفس میں کوٹ قاسم کے بدالست خود طوطا بولتا ہوا ہے۔ اور اپنے منہ سے خود میاں مٹھو بنا ہوا ہے۔ وہ بھی ارژنگ تجارہ کی کسر شان میں اپنی شکر خائی پر پھول رہا ہے یعنی ہم صفیران بے بان و پر کی بولی سیکھنے پر پھول رہا ہے۔ لیکن جسے استادِ ازل نے کلمۂ دانائی پڑھایا۔ وہ قفس سرنج میں کب پڑتا ہے۔ اور جو ناحق کو بکتا ہے۔ آب و دانہ ایمان کا کھوتا ہے اور عصیاں کی قبر میں گڑتا ہے۔ دانا وہی ہے جو نادان کی بات اِس کان سنے۔ اُس کان نکال دے۔ اور کلمۂ خیر پڑھکر شر کو ٹال دے۔ دریں صورت نفسانی کرنا نادانی ہے اور جادہ سے باہر ہونا عریانی پس زبان قلم کسی کی ستر کشائی میں مت چلا۔ وائے تیزی عقل پردہ دری مغضوبا نہ کر کہ اس میں کیا فائدہ ہے ؎

چپ لگا مخدوم جس سے ہو جاہل کا سوال ۔ بے شک مشہور خاموشی ہے ناداں کا جواب
بدگوئی بُری ہے نیکی کے پھل کو عصیاں کی چھری ہے۔ دانا خود جاہل کو پہچان لیں گے
جو بات حق ہے اُسے آپ مان لینگے بھلا کسی کے کہنے سے بُرا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ
بھلا وہی ہو سکتا ہے جس کے حق میں حاسد برا کہتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ لاحاصل
یہ تکرار ہے۔ وہ حال لکھنا چاہیئے کہ واجب جس کا اظہار ہے)

دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۱۷ تا ۱۹۔

ناظرین! ہم نے اپنے برخلاف مندرجہ بالا تمام عبارت کو بجنسہ بلا خوف وخطر صداقت کے ساتھ اسی واسطے لکھدیا ہے کہ کتاب مرقع الور کے پڑھنے والوں کو کہیں یہ خیال پیدا نہ ہو جائے۔ کہ خان زادوں کے پاس اِن اعتراضوں کا خدانخواستہ کوئی جواب نہ تھا۔ یا اِن اعتراضوں میں کچھ صداقت موجود تھی۔ اس لئے خاموشی اختیار کی گئی ہے چونکہ ان اعتراضوں کے جواب دینے کے لئے ہمارے پاس ہر قسم کے مستند اور معتبر تاریخی ثبوت موجود ہیں۔ جو اس تاریخ میں ہر جگہ لکھے گئے ہیں۔ اس لئے ہم نے ڈنکے کی چوٹ اِن اعتراضوں کو درج کر دیا ہے۔ اور اب ان کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) **اعتراض** خان زادوں نے اپنا ایک نیا قوم بنایا ہے۔

جواب اس جگہ لفظ قوم کو مذکر لکھا گیا ہے۔ جو قواعد اردو کے خلاف ہے۔ اس نام نہاد مورخ کو تا ہنوز مذکر و مؤنث کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اور اُن کا یہ لکھنا بھی صریح جھوٹ ہے کہ نیا قوم بنایا ہے۔ جو ہندو راجپوت مسلمان بنے ہیں وہ اب بجائے ہندو راجپوت کے مسلم راجپوت کہلانے لگے ہیں۔ قوم وہی راجپوت اب بھی موجود ہے۔ پھر نئی قوم لکھنا صریح مغالطہ دینا ہے۔ اب رہا لفظ خان زادہ۔ تو یہ صرف ایک خطاب ہے جو اسلام کے طفیل خان زادوں کو حاصل ہوا ہے۔ قائم خانی۔ لال خانی۔ ثابت خانی وغیرہ راجپوتوں کے فرقوں کے مانند خان زادہ بھی راجپوت قوم کا ایک فرقہ ہے۔ جواب قائم خانیوں وغیرہ کی مانند قوم کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے۔ حالانکہ یہ تمام قومیں بھی مسلم راجپوت ہی ہیں۔ شیخوں میں قریشی۔ صدیقی وغیرہ اور سیدوں میں حسینی و فاطمی وغیرہ فرقے موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔

لہذا خان زادہ قوم مسلم راجپوتوں کا ایک فرقہ یا شاخ ہے نہ کوئی دوسری علحدہ قوم

(۲) **اعتراض** خانزادوں نے اپنا سلسلہ نسب تمن پال (تھن پال) سے جا ملایا ہے۔

جواب یہ سلسلہ نسب خانزادوں نے ہی نہیں ملایا۔ بلکہ بہت سے مورخوں نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں ملایا ہے۔ حتیٰ کہ تھن پال سے لے کر سانبر پال مورث اعلےٰ خانزادگان تک کا بھی شجرہ اسم وار درج فرمایا ہے۔ جسے ہم نے اسی بیان کے آخر میں درج کر دیا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ۔

(۳) **اعتراض** خانزادوں نے اپنا مسلمان ہونا قطب صاحب کے ہاتھ پر اور فیروز شاہ کے زمانہ میں بتایا ہے اور ان دونوں کے زمانوں میں دو سو سال کا فرق ہے اس وجہ سے ان کا نسب نامہ غلط ہے۔

جواب۔ یہ خانزادوں پر بہت بڑا بہتان ہے۔ شیخ صاحب کو چاہئے تھا کہ خانزادوں کی طرف سے لکھی ہوئی کوئی کتاب یا تاریخ یا کتبہ۔ یا زبانی روایت ہی اپنے دعوے کے ثبوت میں ایسی پیش کرتے جس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ واقعی خانزادے مندرجہ بالا دونوں واقعات کو ایک ہی زمانہ میں واقعہ ہونا بیان کرتے ہیں۔ لیکن شیخ جی کی طرف سے ایسا کوئی ثبوت عقلی یا نقلی پیش نہیں کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود ہی خانزادوں کے برخلاف دعوے گھڑ لیتے ہیں اور خود ہی انکی تردید کر کے خانزادوں کو بدنام کرتے ہیں نیز کتاب ارژنگ تجارہ میں وہ خود سانبر پال کو بہ اجر تھن پال کی اولاد میں اور شیخ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی کے ہاتھ پر اسلام لانا لکھ چکے ہیں لیکن اب مرقع الور میں اپنی پہلی تحریر کے برخلاف لکھتے ہیں۔ اس تلون اور غلط نگاری کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اور ایسے تحریر کرنے والے شخص کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ارژنگ تجارہ کی تصنیف سے پہلے تو شیخ جی کا خانزادوں سے کچھ بگاڑ نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد چودھری امیر خاں صاحب کے ساتھ تکرار اور منشی احمد خاں صاحب کی تنقید کے سبب عداوت پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے اپنے ہی قلم سے اپنے بیان کی تردید کرنے سے بھی درگذر نہیں کی۔

مسٹر ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں وغیرہ تاریخوں میں راجپوتوں کے شجرہ ہائے حسب و نسب میں پشتوں کی کمی بیشی ہے۔ نام بھی بدلے ہوئے ہیں۔ کوئی نام پہلے لکھا گیا ہے اور کوئی بعد میں۔ لیکن اہل نظر اور مبصر لوگ اس تبدیلی یا اختلاف پر مطلق نظر نہیں کرتے)

دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۹۰ —

دیکھیے ٹاڈ صاحب تو اتنے بڑے بڑے تفاوتوں کا بھی خیال نہیں کرتے۔ لیکن ہمارے نامہربان شیخ صاحب خانزادوں کے شجرہ نسب کو صرف اس موہوم اختلاف پر افسانہ سازمیاں فرماتے ہیں کہ سانبر پال کے اسلام لانے کا زمانہ بجائے شیخ نصیر الدین صاحب کے قطب صاحب کا بتلایا گیا ہے۔ بالغرض محال اگر ایسا ہو بھی۔ تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ سرے سے خانزادوں کا نسب نامہ ہی غلط ہو گیا۔ فرض کیجئے دو مورخ اپنی اپنی تحقیق کے بموجب طوفان نوح کے وقت میں دس یا بیس سال کا فرق بیان کرتے ہیں تو اس فرق کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ طوفان نوح کا واقعہ ہی غلط ہے۔ واقعہ معراج کے متعلق تمام صحاح ستہ کی حدیثوں میں بہت بڑے بڑے اختلاف موجود ہیں۔ لیکن باوجود ان اختلافات کے کوئی مسلمان واقعہ معراج کو غلط نہیں مانتا۔ اسی طرح خانزادوں کے اسلام لانے کے وقت میں فرق ہونے سے اُن کا نسب نامہ کس طرح غلط ہو گیا۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان

اگرچہ ہمارے رسول اللہ کے شجرہ نسب میں بھی مورخوں کا بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضور کا شجرہ نسب ہی غلط ہے۔ حالانکہ خانزادوں کے اسلام لانے کے وقت کا فرق بھی شیخ جی کے ذہن کے سوا دنیا بھر کی کسی کتاب یا یادداشت میں موجود نہیں ہے۔

اول تو کسی جھوٹی بات کو پیش کرنے کی انسان میں ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ایسا کیا بھی جائے تو دو دن میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پس یہ سچ ہی کی کرامات ہو کہ خانزادوں نے نہایت جرأت اور صداقت کے ساتھ معتبر اور مستند تاریخوں کے حوالوں سے پبلک کے سامنے اپنا نسب نامہ پیش کر دیا۔ اور جس مورخوں نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں معتبر سمجھکر درج فرما دیا ہے۔ لیکن آپ کے اندر تو اتنی بھی ہمت نہ ہو سکی۔ کہ کم از کم اپنا سچا یا جھوٹا نسب نامہ قاضیان تجارہ کے طلب کرنے پر پیش کر دیتے۔ اس خاموشی اور محجوبیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ دو دھ میں کالا ضرور تھا۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمے آید۔

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو   تجھکو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو۔

(۴) **اعتراض** خانزادے کہتے ہیں خطاب ہمارا خان ہے اور اس خطاب سے خانزادہ برآمد ہے یہ بے علمی کی بات ہے کیونکہ تاریخوں میں بہادر ناہر کا نام بالقاب خاں کہیں تحریر میں نہیں آیا۔

جواب۔ اس اعتراض کے جواب کے لئے ہم ناظرین کی توجہ خطاب خان زادہ ہونے کے بیان کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جو اسی باب کے نمبر ۳ میں لکھا جاچکا ہے جس میں ہم نے بہت سے معتبر تاریخی حوالوں سے خان کا خطاب حاصل ہونا ثابت کیا ہے۔ ان حوالوں کو پڑھنے سے شیخ جی کا جھوٹ طشت از بام ہو جاتا ہے۔ کیا ان کتابوں کے حوالوں کو مطالعہ کرتے وقت شیخ جی نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں جس سے حوالے نظر نہ پڑے ۔ ع

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

یہ سب کچھ حسد کے کرشمے ہیں۔ جس کی وجہ سے شیخ جی نے صریح جھوٹ بولنا بھی گوارا فرما لیا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ غیر ملکی مورخوں نے بوجہ تعصب بطور حقارت ہندوستانی راجاؤں اور سرداروں کے آدھے آدھے نام تاریخوں میں لکھے ہیں مثلاً رانا سنگرام سنگھ کو سانگا۔ مہاراجہ رام چندر کو رام۔ رانا ہمیر سنگھ کو ہمیرا۔ رانا امر سنگھ کو امری رانا۔ کرن سنگھ کو کرنا۔ راجہ جلال خاں و قدو خاں خان زادگان والیان میوات کو جلو و قدو وغیرہ لکھا گیا ہے۔ دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۳۸۔

اسی طرح ملا عبد القادر بدایونی نے سلطان بہادر شاہ گجراتی کو چند جگہ صرف بہادر ہی لکھا ہے۔ اور شاہ کا لفظ بھی اڑا دیا ہے۔ بالکل اسی کے مطابق ناہر خاں کا نام بھی صرف بہادر ناہر ہی لکھا گیا ہے۔ بلکہ فرشتہ نے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے تو کئی جگہ صرف ناہر ہی لکھا ہے اور خان تو در کنار۔ بہادر کا لفظ بھی اڑا دیا ہے۔ ایسے مختصر ناموں کی بہت سی مثالیں تاریخوں کے اندر موجود ہیں۔ لہذا شیخ جی کا یہ استدلال کرنا کہ بہادر ناہر کے آگے خان کا لفظ موجود نہیں ہے۔ بالکل غلط اور گمراہ کن ہے۔

(۵) **اعتراض** اگر خان زادوں کو جادو بنسی مان بھی لیا جائے۔ تو جیسے میو ہیں۔ ویسے ہی یہ ہیں۔

جواب اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ شیخ جی تمام جادو بنسیوں کو بھی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اسی واسطے یہ کہتے ہیں کہ خان زادے جادو بنسی مان لینے پر بھی شریف نہیں بن سکتے۔ کیونکہ جادو بنسی بھی کوئی شریف قوم نہیں ہے۔ دوئم یہ کہ وہ میو قوم کو بھی بہت حقیر اور ذلیل جانتے ہیں۔ اسی لئے خان زادوں کو شرافت سے گرانے کے لئے میو قوم کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اگر ہم شیخ جی کے اس فارمولا کے مطابق کہ خان زادوں

کو جادو بنسی بھی مان لیا جائے تب بھی جیسے میو ہیں ویسے ہی وہ ہیں۔ ہم یہ کہدیں کہ اگر محمد مخدوم صاحب کو شیخ بھی فرض کر لیا جائے۔ تب بھی جیسے نجادر ہیں ویسے ہی وہ ہیں تو ہمارا یہ استدلال شیخ جی کے اصول موضوعہ کے لحاظ سے بالکل درست ماننا پڑے گا۔

(۶) **اعتراض** اپنی نسل کو تھن پال جادو راجہ سے ملانے کے لئے جاگوں کو اس کی تصدیق کا شاہد بنایا ہے۔

جواب جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ اس بیان کے آخر میں ہم نے جو حوالے خانزادوں کو تھن پال (تہن پال) کی اولاد میں ثابت کرنے کے لئے تحریر کئے ہیں اُن میں ایک بھی حوالہ جاگاؤں کا نہیں ہے۔ حالانکہ جاگاؤں کے حوالوں سے زیادہ معتبر تاریخی حوالے بھی نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہم نے تمام حوالے تاریخوں ہی کے لکھے ہیں۔ اس سے زیادہ شیخ جی کا سفید جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا مزہ کی بات ہے کہ اپنے ثبوت کے لئے تو شیخ جی پوتھی جاگیہ کے حوالوں کو صحیح مان لیتے ہیں۔ جیسا کہ صفحہ ۱۲ میں بالوں کے برآمد ہونے کا ثبوت پوتھی جاگیہ سے دیا گیا ہے۔ لیکن خانزادوں پر باوجود حوالہ نہ دینے کے بھی جھوٹا الزام قائم کرتے ہیں۔

خوب ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود یافتم کم درجہاں

پوتھی جاگہ کے اندراج کے صحیح اور معتبر ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وراثتی جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے ہندوستان کی ہر ایک عدالت نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کو صحیح اور معتبر مان کر فیصلے صادر کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ شیخ جی نے یہ اعتراض کرتے وقت بالکل عقل کو بالائے طاق رکھدیا تھا۔

(۷) **اعتراض** لفظ احمد کو بگاڑ کر احمق لکھا گیا ہے۔

جواب چونکہ شیخ جی نے عداوت کی وجہ سے اپنے مخالف کی توہین اُس نام کو بگاڑ کر لی ہے۔ جس کے مسمیٰ ہمارے آقائے دو جہاں ہیں۔ اس نام کی عزت و حرمت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پس جو شخص دانستہ اس نام کی توہین کرتا ہے۔ اس کے اسلام میں فرق ہے۔ اپنے مخالف کی توہین کے لئے احمد نام کو بگاڑے بغیر بھی اور بہت سے الفاظ استعمال کئے جا سکتے تھے۔ یہ اُس شخص کا عمل ہے۔ جو اپنے تئیں شیخ کہتا ہے ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد — وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

(۸) **اعتراض** جو ناحق بکتا ہے وہ آب و دانہ ایمان کا کھوتا ہے دانا وہی ہے جو ناداں کی بات اس کان سنے۔ اُس کان نکال دے۔ اور سر کو ٹال دے بھلا کسی کے کہنے سے بُرا نہیں بن سکتا۔ بھلا وہی ہے جس کے حق میں حاسد بُرا کہتا ہے وغیرہ وغیرہ

جواب جب منشی احمد خاں نے رسالہ تاسخ ارژنگ تجارہ میں شیخ جی کے حسب و نسب کا پوست کندہ حال تحریر فرمایا تھا۔ تو اس کو پڑھکر یہ بہت بگڑے تھے۔ اور اسی قسم کی بہت سی بہکی ہوئی باتیں جو عموماً شرمائے ہوئے اور لاجواب آدمی کہا کرتے ہیں یہ بھی بکنے لگے اور تہمت تراشی اور بدگوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور یہ سب کچھ کہنے کے بعد بھی ابھی تک آپ خاموش ہی بنے ہوئے ہیں ؎

زہے ہوشیاری کہ ناداں بن کر — مجھی سے یہ مرا گلا ہو رہا ہے۔

(۹) **اعتراض** لفظ خانہ زادے سے برآمدگی لقب خانزادہ جو الُٹ داستان گذار ہوئی تھی جو اس قوم کو ناگوار ہوئی ہے۔

جواب معلوم نہیں شیخ جی کا وہ کونسا خانہ ساز قاعدہ ہے جس کی رو سے انہوں نے لفظ خانہ زادے سے لقب خانزادہ برآمد کرلیا ہے۔ آج تک تو کسی بھی اہل علم نے کسی صرف و نحو کی کتاب میں ایسا قاعدہ نہیں لکھا۔ یہ ایجاد بندہ اگرچہ گندہ صرف شیخ جی ہی کی بدمذاق طبیعت کا نتیجہ ہے۔

اگر یہ برآمدگی معنوں کے لحاظ سے ہے۔ تو خانہ زاد اور خانزادہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور اگر بناوٹ کے لحاظ سے ہے۔ تب بھی لفظ خانہ زادے سے خانزادہ ہرگز نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ اُس کے آگے اور پیچھے کچھ گھٹانا اور کچھ بڑھانا نہ پڑے یعنی پہلے خانہ کی ہے کو دور کرو۔ اور اُسے زاد کے آگے ایزاد کرو۔ تب لفظ خانہ زادے سے کا خانزادہ

بس اس سیدھے سادے قاعدہ کو چھوڑ کر جسے نام طور پر تمام صرف و نحو والے استعمال کرتے ہیں کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یعنی جس قاعدے کے مطابق امیر سے امیرزادہ شریف سے شریف زادہ۔ شیخ سے شیخ زادہ اور سید سے سیّد زادہ بنایا گیا ہے۔ بالکل اُسی قاعدہ کے بموجب خان سے خانزادہ بنایا گیا ہے۔ جو ہر طرح اصول صرف و نحو کے مطابق ہے اب ہم فیصلہ اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں وہ خود بتلا دیں گے۔ کہ جس صرف و نحو کے

قاعدہ کے مطابق خان سے خانزادہ بنایا گیا ہے آیا وہ درست ہے یا شیخ جی کا وہ قاعدہ درست ہے جو کسی بھی قاعدہ اور اصول کے ماتحت نہیں ہے۔

(۱۰) **اعتراض** سانبر پال جدِ اعلیٰ خانزادگان نو مسلمان ہو کر باسم ناہر نام نہاد ہے۔ وہ بیجل کی اولاد ہے۔

جواب اول یہ کہ جو شجرہ نسب مختلف تاریخوں کے ذریعہ ہم نے درج کیا ہے اس کی رُو سے بیجل مذکور سانبر پال کا چچازاد بھائی ثابت ہوتا ہے۔ پس ایک بھائی کے نطفے سے دوسرے بھائی کا پیدا ہونا آج تک دنیا میں کہیں نہیں سنا گیا۔ شاید ایسا کوئی دستور شیخ جی کے ہاں ہوتا ہوگا۔ تب ہی تو ان کو ایسی ناممکن بات بھی ممکن نظر آگئی۔

افسوس شیخ جی نے عداوت میں اندھا ہو کر دروغگوئی اور تہمت تراشی کی بھی حد کر دی ہے۔ جس کی رو سے وہ خانزادوں کی تحقیر کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کرتے۔ اور لغو سے لغو بات کو بھی جس کا کوئی وجود دنیا بھر کی تاریخوں میں نہ پایا جاتا ہو۔ خانزادوں کے برخلاف درج کرنے میں وہ ثوابِ عظیم خیال کرتے ہیں۔

دوئم یہ کہ گذشتہ زمانہ کے کسی واقعہ کا ثبوت تاریخوں سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم شیخ جی کی بکواس کے جواب میں بھی تاریخی حوالے ہی پیش کر سکتے ہیں لیکن جس حاسد اور بے انصاف شخص کے سامنے تاریخی حوالے کاغذ کے ایسے بے قدر پرزے ہوں جیسے جنگ عظیم میں جرمن کے سامنے معاہدات کے کاغذات ہوتے تھے تو اس کا ہمارے پاس کیا علاج ہے۔ ہاں ایسی بکواس کا جواب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ ہم بھی شیخ جی سے زیادہ بدزبان بن جائیں۔ لیکن افسوس یہ تہذیب کے خلاف ہے۔

سوئم یہ کہ شیخ جی نے اپنی پہلی تصنیف ارژنگ تجارہ میں سانبر پال کو لکھن پال کا بیٹا لکھا ہے۔ لیکن اب دوسری تصنیف مرقع الور میں اسے بیجل کی اولاد لکھتے ہیں۔ کیا یہ دروغگو را حافظہ نباشد نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ تمام ہندو مسلم مورخوں نے سانبر پال کو اپنی اپنی تاریخوں میں راجہ لکھن پال کی اولاد میں لکھن پال کا بیٹا لکھا ہے جس کے حوالے بھی اسی بیان کے آخر میں ہم نے مفصل لکھے ہیں لہٰذا ایسے صاف۔ صریح اور معتبر حوالوں کے مقابلہ میں شیخ جی کی لایعنی کہانی اور وہ بھی صرف زبانی کیا حقیقت رکھ سکتی ہے۔

مندرجہ بالا اعتراضوں کے سوائے جن کے جوابات ہم نے لکھدئے ہیں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں منشی احمد خاں کے برخلاف خصوصاً اور خان زادوں کے برخلاف عموماً گالیوں اور خرافات کا طومار اور اپنی ستائش کا انبار ہے۔ جس کا جواب محض تضیع اوقات ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ منشی احمد خاں صاحب نے اُن کی تحریر کے جواب میں جو کچھ لکھا تھا۔ اس کو ٹھنڈے دل سے مطالعہ کر کے متانت کے ساتھ معتبر تاریخی حوالوں سے اس کا جواب تحریر فرماتے تاکہ ناظرین تاریخ کو بھی اس علمی بحث میں لطف حاصل ہوتا۔ لیکن افسوس شیخ فوراً بھڑک اٹھے۔ اور معقول جواب کے بجائے وہ گالیاں دیں کہ توبہ ہی بھلی۔ سچ ہے

چوں پیش خصم دلیل و براں نماند۔ سلسلۂ خصومت بجنباند

دلائل قوی باید و معنوی ٭٭ نہ رگہائے گردن بحجت قوی

شیخ جی نے خان زادوں کی اہمیت گھٹانے کے لئے اُن کے بنائے ہوئے اُن مکانات کا بھی جو کہ انھوں نے تجارہ۔ الور اور بہادر پور وغیرہ میں اپنی حکومت کے زمانے میں بنوائے تھے مطلق ذکر نہیں لکھا۔ اور اگر کہیں ذکر کیا بھی ہے۔ تو اُن مکانات کو دوسری اقوام کا بنایا ہوا لکھدیا ہے۔ چنانچہ ایک مسجد عالی شان۔ اور گنبد بھرتری کا ذکر انھوں نے کہیں نہیں لکھا۔ اور جس تحصیل کے مکان میں وہ ہمیشہ کچہری کرتے رہے اور جس کی بابت تجارہ کا بچہ بچہ یہ جانتا ہے کہ وہ چودھری ہدایت خاں صاحب خان زادہ کا بنوایا ہے۔ شیخ جی اس ذکر کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔

ایسے ہی حاسد مورخوں کی نسبت ابن خلدون فرماتے ہیں کہ

(جو مورخ کسی دوسری قوم کی تاریخ لکھتا ہے وہ اپنی کسی ذاتی عداوت کی وجہ سے یا نااہلی سے تاریخ کو لغو و مہمل اور واہیات سے بھر دیتا ہے۔ اور بہت سی بیہودہ باتیں اپنی طرف سے ملا دیتا ہے۔ اور اکثر ضعیف اور اپنی بنائی ہوئی روایات داخل کر دیتا ہے۔ لہذا مورخ کو چاہیئے کہ جن باتوں کو سُنے یا دیکھے یا تاریخوں سے نقل کرے اگر وہ تاریخی قواعد کی رو سے درست ہوں تو قبول کرے ورنہ رد کر دے)

بحوالۂ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۱۹ لغایت ۲۲۔

(۲) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(جس مورخ کی عقل پر دروغ گوئی کا پردہ پڑا ہوتا ہے وہ اپنے دوستوں اور امیروں

کے لئے چاپلوسی اور خوشامد کی باتیں لکھتا ہے اور اپنے مخالفوں کی ہجو تحریر کرتا ہے ایسا شخص مورخوں کی فہرست سے خارج ہونے کے لائق ہے۔ عموماً ایسے لوگوں کی تاریخیں بہت دھوکا دینے والی۔ ناقص۔ ناتمام اور گمراہ کن ہوتی ہیں)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد اوّل صفحہ ۳۲۔

(۳) ضیاء الدین برنی صاحب لکھتے ہیں کہ

(اگر مورخ کو کسی عصر و عہد میں کسی بزرگ وغیرہ سے کوفتگی پہنچی ہو تو تاریخ کی تالیف کے وقت قہر پر اسکی نظر نہ ہو بلکہ مورخ کو دینًا۔ ایمانًا۔ اعتقادًا۔ اخلاقًا۔ مذہبًا راست و درست لکھنا منظور نظر ہونا چاہیئے۔ اور قیامت کے جواب کا خوف اس کو ہونا چاہیئے۔)

بحوالہ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۸۔

جب ان مندرجہ بالا مورخوں کی رایوں کا مقابلہ کتاب مرقع الور کی تحریرات سے کیا جاتا ہے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جی نے حاسد بن کر خانزادوں کے برخلاف سخت زہر اگلا ہے اور صریح غلط بیانی فرمائی ہے۔

جس کتاب مرقع الور پر شیخ جی کو بڑا ناز ہے۔ اس کو پی۔ ڈبلیو۔ پولٹ صاحب پولیٹیکل ایجنٹ الور کی ذاتی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ یہ زمانہ مہاراجہ منگل سنگھ کا تھا۔ وہ نابالغ تھے۔ اور اجمیر میں پڑھتے تھے۔ ریاست نے اس کتاب کو اپنی فرمائش سے نہ تو لکھوایا اور نہ چھپوایا چنانچہ اس کتاب کا مسودہ ایک عرصہ تک یونہی پڑا رہا۔ چونکہ اس کتاب میں شیخ جی نے پولٹ صاحب اور کیڈل صاحب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ اور ان کی تعریف میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ بندوں کو خدا بنا دیا ہے۔ اس لئے خوشامد ہر کرا گفتی خوش آمد کے مطابق پولٹ صاحب نے جودھپور تبدیل ہو کر شیخ جی کو بھی الور سے بلوا کر جودھپور میں حاکم فوجداری بنا دیا۔ چنانچہ شیخ جی نے جودھپور پہنچ کر اس کتاب کو اپنے خرچ سے ہی آگرہ پریس میں ۱۸۸۹ء کے اندر چھپوایا لیکن بدقسمتی سے وہاں وہ فروخت نہ ہو سکی تو مجبوراً اپنے الور والے پرانے یار دوستوں کے پاس ایک ایک جلد بطور نمونہ بھیجی اور اس طرح پہلے ایڈیشن کی تمام جلدیں مفت تقسیم کر دیں۔ اور دوسرے ایڈیشن کی نوبت آج تک نہیں آئی۔

جو تقریظہ مرقع الور کی بابت سید آصف علی صاحب اہلمد عدالت فوجداری جو دھیور نے جو شیخ جی کا ماتحت ملازم تھا صفحہ ۱۹۸ م ۱۹۹ میں تحریر فرما کر اس کتاب کی ناقدردانی کا رونا رویا ہے اور شیخ جی کے آنسو پونچھے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مورخوں کے نزدیک یہ کتاب محض ردی کی ٹوکری کے لائق ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ریاست ضرور اسے اپنے خرچ سے چھپوائی۔

نیز تمام مورخوں کی تاریخیں بڑے بڑے کتب خانوں اور لائبریریوں میں جو دہلی، آگرہ، علی گڑھ، لکھنؤ، پٹنہ، رام پور، حیدر آباد دکن، جیسلمیر، لاہور، جے پور، بھرت پور وغیرہ میں ہیں لیکن مرقع الور کہیں بھی نہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ تاریخ تاریخ کہے جانیکے لائق ہی نہیں ہے۔

غرض مرقع الور کیا ملحاظ مضامین اور کیا ملحاظ استعارات و کنایات فسانہ عجائب یا طوطا کہانی ضرور کہی جا سکتی ہے۔ بھلا تاریخوں کو ایسے استعارات و کنایات مبالغہ آمیزی عبارت کی رنگینی اور مقفیٰ ہونے سے کیا نسبت ہے۔ بلکہ تاریخ کے لئے سلیس اور بامحاورہ عبارت کے اندر مضامین کے صحیح، مستند اور معتبر ہونے کی خاص ضرورت ہے مگر شیخ جی نے رنگین اور مقفیٰ عبارت لکھکر اپنی لیاقت دکھائی ہے۔ نمونہ کے لئے ہم یہاں پر چند سطریں مرقع الور میں سے نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے۔

(جب شاہِ خاور خیمۂ مشرق سے باہر آیا۔ طبل جنگی بجتے ہی آتش ستیز جلنے لگی۔ بندوق چلنے لگی۔ ضیائے رنجک بجلی کی چمک دکھاتی تھی۔ صدائے تفنگ کڑک رعد سناتی تھی۔ پھر جو نوبت تلوار آئی چمن کارزار میں گویا فصل بہار آئی۔ گلہائے زخم سے جنگل لالہ زار ہوا۔ ہر نخل قامت کو کثرت جراحت سے سر بار ہوا۔ اعضا اہل وغا صورت برگ خزاں رسیدہ جھڑنے لگے۔ سر بار ہو کر ٹوٹ ٹوٹ پڑنے لگے۔ دکانِ گل فروش۔ دشتِ کارزار ہوا۔ مثل ڈھیر پھولوں کے کشتوں کا انبار ہوا فقط)

مرقع الور صفحہ ۴۸۔

اس عبارت کو پڑھنے سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ جی کو اس مقفیٰ عبارت میں استعارات و کنایات دکھانے منظور تھے نہ کہ مضامین کی صحت و درستی۔

اس قسم کی عبارت کے متعلق مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ
(مورخ کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ وہ نہ کسی کی خوشامد کرے اور نہ کسی سے
عداوت رکھے۔ اس کی تاریخ کی عبارت بہت سادہ ۔ عام فہم اور بے ساختہ ہونی
چاہئے۔ تکلفات اور قافیہ بندی کے التزام سے مدعائے تاریخ نویسی فوت ہو جاتا
ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو تاریخیں اس طرح لکھی گئی ہیں وہ عموماً پایۂ اعتبار سے
ساقط ہوتی ہیں۔)
دیکھو مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۷۔
اس حوالہ کے بموجب شیخ جی کی مرقع الور بھی ضرور پایۂ اعتبار سے ساقط ہو چکی ہے
اب ہم شیخ جی کے اُس زبردست حملے کا جواب لکھتے ہیں جو انہوں نے کتاب ارژنگ
تجارہ کے اندر تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ
(خطاب خاں جادوں۔ باعتبار قومیت جو خانزادہ لوگ اپنا بیان کرتے ہیں
وہ غلط ہے۔ دراصل لقب اُن کا خانہ زاد ہے۔ بادشاہوں کی طرف سے یہ خطاب
خانہ زادگی اکثر امراء اور لوگوں کو بھی عطا ہوا ہے۔ اور بادشاہوں کی خانہ زادگی کو ہر ایک
آدمی اپنا فخر سمجھتا تھا۔ اور یہ خطاب بجز اہل مراتب اعلےٰ اور کسی کو نہیں ملتا تھا۔
اور جب کوئی ذی عزت ہندو مسلمان ہوتا تھا تو اس کو خانہ زاد قرار دیتے تھے۔)
دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۹۔
(۱) اگرچہ ہم فی الحال بغرض محال شیخ جی کی خاطر سے یہی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ خانزادوں کو
خانہ زاد شاہی کا خطاب ملا تھا۔ لیکن کسی شخص کے بامر مجبوری خانہ زاد بن جانے سے اُسکے
حسب ونسب اور ذاتی شرافت پر کیا دھبہ آ سکتا ہے۔ دیکھو حضرت یوسف اور بی بی
شہربانو والدہ امام زین العابدین صاحب و بی بی ہاجرہ وغیرہ کو بھی یہودی۔ عیسائی اور
خوبست سے مسلمان بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی ذاتی شرافت
پھر بھی ویسی ہی قائم رہی۔ اور کوئی شخص ان کے متعلق سوء ظنی نہیں رکھتا۔ پس بہادر ناہر یہ
بھی اگر وہ خدانخواستہ خانہ زاد ہوتے بھی۔ تو کیا الزام قائم ہو سکتا تھا۔ اور انکے حسب ونسب
پر کیا دھبہ آ سکتا تھا۔
(۲) دوئم یہ کہ خطاب خانہ زادان بڑے بڑے امراء۔ وزراء۔ شاہزادوں اور جاگیرداروں

وغیرہ کو ملا کرتا تھا۔ جو شاہی معتمدوں میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے اس خطاب کے ملنے کی ہر ایک معزز سردار کو خواہش ہوا کرتی تھی۔ اس لئے ہم اس خطاب کو بھی بہت معزز سمجھتے ہیں لیکن جو بات معتبر تاریخوں سے ثابت نہ ہو سکتی ہو خواہ وہ کیسی ہی عزت والی بھی کیوں نہ ہو ہم اسے خانزادوں کے لئے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بہادر ناہر کے لئے یہ خطاب کسی بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوا ورنہ اس کے ماننے میں ہمارا کیا حرج تھا۔ نیز اس خطاب کو ماننے کے بعد یہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ کہ آیا اس خطاب کا مفہوم صرف وہی ہے جو شیخ جی لینا چاہتے ہیں یا اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بعض الفاظ کے کئی کئی معنی بھی ہوتے ہیں۔۔ اصطلاحی معنی اور ہوتے ہیں اور لغت کے لحاظ سے اور ہوتے ہیں۔ مثلاً ولیدہ۔ جاریہ آمت۔ یہ تینوں الفاظ دختر کے معنوں میں بھی آتے ہیں۔ اور لونڈی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پس بلحاظ محل وموقعہ جو نسے معنی برمحل ہونگے۔ وہی لئے جائیں گے۔

اسی طرح لفظ خانہ زاد شاہی کے معنی بادشاہ کے گھر کے پیدا شدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور بادشاہ کے فرمانبردار اور غلام کے بھی ہو سکتے ہیں۔ چونکہ بادشاہ کے فرمانبردار و جاں نثار اس کے امرا۔ وزرا بھی اور خاص بیٹے بھی ہو سکتے ہیں پس اس لحاظ سے لفظ خانہ زاد شاہی کا اطلاق شاہزادوں پر بھی اور اس کے امیروں۔ منیروں وغیرہ سب پر ہو سکتا ہے۔ محمد مخدوم صاحب نے اپنی عبارت میں مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہیں۔

(۱) خان جادوں کا خطاب غلط ہے۔

جواب بیشک غلط ہے۔ اس خطاب کے ملنے کا دعوے خانزادوں نے نہ کبھی پہلے کیا تھا اور نہ اب کرتے ہیں۔ اس لئے اس پر بحث کرنی فضول ہے۔

(۲) خانزادوں کو خطاب خانہ زاد شاہی ملا تھا۔

جواب یہ خطاب خانزادوں کو ہرگز نہیں ملا تھا۔ بلکہ خان کا خطاب ملا تھا جس کے معتبر تاریخی ثبوت خطاب ملنے کے بیان میں ہم پہلے ہی نمبر تین میں لکھ چکے ہیں وہاں ملاحظہ ہوں۔

(۳) اور لوگوں کو بھی خانہ زاد شاہی کا خطاب ملا ہے۔

جواب بیشک اور لوگوں کو بھی یہ خطاب ضرور ملا ہے۔ جس کے متعلق ہم چند مثالیں اسی بیان میں آگے درج کریں گے۔

(۴) بادشاہوں کی خانہ زادگی کو ہر ایک آدمی اپنا فخر جانتا تھا۔

جواب۔ اس تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خانہ زادشاہی کے خطاب کا مفہوم حقارت آمیز نہ تھا۔ ورنہ بھلا ایسے خطاب پر کون بیوقوف فخر کر سکتا ہے جس سے حقارت ثابت ہو سکتی ہو۔ بلکہ اس سے تو صاف یہ پایا جاتا ہے کہ خانزادے لوگ بھی اس خطاب کو اپنی بزرگی و شرافت والا سمجھ کر اس پر فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ شیخ جی خود بھی لکھ رہے ہیں۔

(۵) ایسا خطاب بجز اہل مراتب اعلےٰ دوسروں کو نہیں ملتا تھا۔

جواب۔ یہ خطاب اہل مراتب اعلےٰ کو ملنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خانزادے لوگ شاہی درباروں میں بہت بڑے درجے والے سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ بڑے بڑے مہتیے ان کو شریف اور نجیب الطرفین سمجھ کر دئے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے بادشاہوں اور ان کے امرا اور وزرا کے ساتھ خانزادوں کی رشتہ داریاں ہوا کرتی تھیں۔ ورنہ غیر شریف کے ساتھ ایسے ایسے جلیل القدر امرا وغیرہ ہرگز رشتہ داریاں کرنا پسند نہ فرماتے۔

صرف ونحو کے اندر خطاب کی یہ تعریف لکھی ہے کہ بادشاہوں یا حاکموں کی طرف سے کسی اعلےٰ کارنامے پر خوش ہو کر اپنے ماتحت سرداروں کو جو عزت کا نام دیا جاتا ہے اُسے خطاب کہتے ہیں۔ اگر واقعی خانہ زادشاہی کا خطاب عزت کا نہیں ہے تو پھر اس کو خطاب کہنا ہی غلط ہے کیونکہ خطاب تو عزت افزائی کے لئے دیا جاتا ہے۔ لیکن جس خطاب سے بجائے عزت کے الٹی ذلت ہوتی ہو وہ ہرگز خطاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطاب دہندہ کو خطاب دینے کی بھی تمیز نہ تھی۔ جس نے نادان دوستوں کی طرح خانزادوں کو ایسا نامعقول خطاب عطا فرمایا تھا۔ جس سے ان کی عزت ذلت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(۶) جو ذی عزت ہندو مسلمان ہوتا ہے اُس کو خانہ زاد کہتے تھے۔

جواب۔ یہ بیان بھی قطعی غلط اور برخلاف واقعہ ہے۔ راجپوتوں کے بہت سے گرہ مثل تنور جادو۔ بیوار۔ کچھواہے۔ بڈگوجر۔ چوہان وغیرہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں ہندو سے مسلمان ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کا لقب یا خطاب بھی مسلمان ہونے کے بعد خانہ زادشاہی نہیں رکھا گیا۔ البتہ ان کو مسلم راجپوت کہا جاتا ہے۔

اسی طرح سانبرپال بھی ہندو جادو راجپوت سے مسلمان ہوا تھا۔ پھر اس کو ہی کس طرح خانہ زادشاہی قرار دیا جاتا ہے۔

دراصل یہ خانہ زاد کا لفظ ایک اصطلاح یا محاورہ کا لفظ ہے جو عام طور پر اطاعت اور فرمانبرداری کے اُس تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو بادشاہوں کو اپنے اُمرا۔ وزراء وغیرہ اور شاہزادوں کے ساتھ اور بڑوں کو اپنے چھوٹوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے جس میں بادشاہ بحیثیت مالک یا آقا کے ہوتا ہے اور اس کے اُمرا۔ وزراء اور شاہزادے خانہ زاد شاہی شمار ہوتے ہیں۔ یہ محاورہ صرف بادشاہوں اور اسکی اولاد وغیرہ کیلئے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ایک بڑے اور چھوٹے کے باہمی تعلق کے موقعہ پر بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ ایک شاگرد اپنے استاد کو۔ مرید اپنے پیر کو بیٹا اپنے باپ کو۔ اور ماتحت اپنے افسر کو ہمیشہ اپنا آقا اور مالک سمجھکر اپنی تحریر و تقریر میں یہی عرض کیا کرتا ہے کہ میں آپکا بندہ ہوں غلام ہوں۔ خانہ زاد ہوں۔ فرمانبردار اور تابعدار ہوں وغیرہ وغیرہ

حالانکہ ان اصطلاحی الفاظ کو اس طرح استعمال میں لانے سے خدانخواستہ وہ ایسا شخص کا غلام یا ملازم کی حیثیت رکھتا ہو ہرگز نہیں بن جاتا۔ اس لفظ خانہ زاد کی چند مثالیں بھی ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔ جن سے اس لفظ کی حقیقت اور مفہوم بخوبی واضح ہو جائے گا۔

(۱) جیمز ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(جس وقت راجپوت لوگ اپنے سردار وقت سے گفتگو کرتے ہیں تو ان کی زبان سے اکثر ایسے الفاظ نکلتے ہیں جن میں جوش عقیدت اور اظہار وفاداری و جاں نثاری پائی جاتی ہو۔ مثلاً وہ کہتے ہیں میں آپ کا خانہ زاد بھائی ہوں۔ میرا سر آپ کے لئے حاضر ہے۔ میں ہمیشہ غلامی کے لئے موجود ہوں وغیرہ وغیرہ۔)

دیکھو ترجمہ ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۳۶۸۔

(۲) جب اکبر بادشاہ اپنے وزیر بیرم خان خاناں پر ناراض ہوگیا تو اس کو یہ تحریر کیا تھا کہ

(تمہاری عبودیت اور خانہ زادگی کے بہت سے حقوق ہمارے اوپر ہیں)

دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد پنجم صفحہ ۵۴۔

(۳) (شاہ عالم بادشاہ دہلی نے عالم خاں امیر الامرا کو خانہ زاد خاں بہادر کا خطاب دیا تھا)

دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۲۳۔

(۴) بخشی الملک ذوالفقار خاں نے شاہ عالم بادشاہ سے عرض کیا کہ

(اپنے ولی نعمت کی رکاب میں شاہزادوں اور ہم خانہ زادوں کے اندر کوئی فرق نہیں ہے

دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۴۵۔

(۵) (جب اکبر بادشاہ جوان ہوگیا۔ تو بیرم خاں کے دشمنوں نے اکبر کو بہکا کر اس کے
خلاف کر دیا۔ جس سے بچارے بڈھے خانہ زاد شاہی کی تمام محنتیں برباد ہو گئیں)
دیکھو دربار اکبری مولوی محمد حسین صاحب دہلوی صفحہ ۱۸۷

(۶) مولانا الطاف حسین صاحب حالی سر سید کی لائف حیات جاوید نامی کے صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں کہ

(سر سید اپنے متعلق بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے
سامنے قلعہ کے اندر میں بھی گیا۔ مجھے دیکھکر بادشاہ نے میرے والد سے فرمایا کہ
یہ تمہارا بیٹا ہے والد صاحب نے عرض کیا حضور کا خانہ زاد ہے)

(۷) (ہمارے رسول اللہ کے دادا کا نام اصلی شیبہ تھا۔ لیکن وہ تمام عمر مطلب کی خدمت
میں رہے اس وجہ سے ان کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا تھا)
دیکھو کتاب رحمت للعالمین قاضی محمد سلیمان صاحب صفحہ ۱۴۸ جلد دوئم۔

(۸) حضرت یوسف بھی عزیز مصر کے خانہ زاد تھے۔ کیونکہ عزیز نے ان کو زر خرید غلام بنا لیا تھا۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خانہ زاد شاہی کا لفظ صرف ایک اصطلاح ہے جو جوش عقیدت اور اظہار وفاداری و جان نثاری کے معنوں میں لی جاتی ہے۔ اور اس لفظ کا مفہوم سچی وفاداری کو ظاہر کرتا ہے۔

پس اگر شیخ محمد مخدوم صاحب نے بھی خانہ زاد شاہی کے معنی و مفہوم کو انہیں معنوں میں تسلیم کر کے خانزادوں کے لئے گو کہ وہ تاریخوں سے تو ثابت نہیں ہو رہا ہے یہ خطاب عطا ہونا لکھا ہے تب تو وہ درست اور صحیح ہے۔ اور اسے تسلیم کرنے میں کسی بھی سمجھدار آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور خانزادوں پر ہی کیا منحصر ہے بلکہ ہر شخص ایسا خانہ زاد شاہی کہلانے میں اپنا فخر سمجھتا ہے۔

لیکن ہم شیخ صاحب کے اس انداز بیان کو سمجھتے ہوئے جو کہ انہوں نے کتاب ارژنگ تجارہ میں خانزادوں کے لئے استعمال کیا ہے ان سے اور ان کے ہم خیالوں سے ہرگز ایسے انصاف کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من انداز قدت را مے شناسم

اگر بہادر ناہر خاں واقعی خانہ زاد شاہی ہوتا تو ناصر الدین محمد شاہ نے تمام خانہ زادان فیروز شاہی کو قتل کرا دیا تھا پھر بہادر ناہر کو کیوں قتل نہیں کرایا۔ حالانکہ وہ برابر دہلی میں ہی موجود رہا۔ اور ہمیشہ بادشاہ مذکور سے سرکش ہو کر اس کے دشمن ابوبکر شاہ کا مددگار بنتا رہا۔ اور بادشاہ مذکور نے ملک میوات کو اس کی جاگیر میں کیوں بحال رکھا تھا۔

تعجب اور حیرت تو یہ ہے کہ خود فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے زمانہ کی تاریخ فتوحات فیروز شاہی اپنے ہاتھ سے لکھی۔ جس میں اس نے اپنے زمانہ کے کل حالات مفصل لکھے۔ لیکن خانزادوں کے لئے خانہ زاد شاہی کا لفظ کہیں نہیں لکھا۔ حالانکہ اس سے زیادہ معتبر تاریخ فیروز شاہی زمانہ کی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ دوئم اس کے زمانہ کے حالات کی ایک کتاب تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی نے اور دوسری سراج عفیف نے لکھی۔ یہ دونوں شخص فیروز شاہی زمانہ کے معتبر مورخ گذرے ہیں اور ہر وقت سیر و شکار میں بھی بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ سراج عفیف خود لکھتا ہے کہ

(ہر سال آں خسرو خوش خصال برائے شکار سواری کردے۔ ایں مورخ ضعیف شمس سراج عفیف برابر ہمراہ بودے۔)

دیکھو تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف مطبوعہ بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۹۰ء صفحہ ۳۲۲

چونکہ تمام فیروز شاہی واقعات ان کی آنکھوں کے سامنے گذرتے تھے۔ اور انہوں نے خانزادوں کے حالات بھی لکھے ہیں لہذا شنیدہ کے بود مانند دیدہ کے مطابق انکی تاریخیں نہایت معتبر مانی گئی ہیں لیکن انہوں نے بھی خانزادوں کو کہیں خانہ زاد شاہی نہیں لکھا۔ بابر بادشاہ نے اپنی توزک میں حسن خاں خانزادہ والئی میوات کو کافر نعمت۔ ملحد۔ مردود احسان فراموش وغیرہ سب کچھ لکھا ہے لیکن اس کے لئے خانہ زاد کا لفظ کہیں بھی نہیں لکھا۔ اگر حسن خاں کی قومیت پر کچھ بھی دھبہ ہوتا تو بابر ضرور اُس کا اظہار کرتا۔

پھر اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ابوالفضل نے اکبر نامہ لکھا جس میں ہندوستان کے حالات نہایت مفصل لکھے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں عبدالقادر بدایونی نے کتاب منتخب التواریخ لکھی۔ ان دونوں نے بھی خانزادوں کے حالات اپنی اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں۔ لیکن خطاب خانہ زاد شاہی ان کے لئے کہیں نہیں لکھا۔ اس کے بعد مرزا محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ

میں ہندوستان کے حالات مفصل لکھے ہیں اور خانزادوں کے حالات بھی ان میں موجود ہیں لیکن اس نے بھی ان کے لئے خطاب خانہ زاد شاہی نہیں لکھا۔
بلکہ مندرجہ بالا تمام مورخوں نے ہر جگہ مشاہیر خانزادگان کو میوات کی حکومت کی وجہ سے میواتی ضرور لکھا ہے۔
جس طرح قائم خانیوں کا مورث اعلےٰ موضع ددراے کے چوہانوں میں سے موٹے راؤ کا بیٹا کرم سی سنہ ۱۳۸۳ء میں فیروز شاہ باربک کے زمانہ میں اسلام لایا تھا۔ اور قائم خاں کا خطاب حاصل کر کے حصار کا علاقہ جاگیر میں پایا تھا اور اسی طرح سا ؤ رتن بن میکھ چند بینوار ساکن ہریانہ نے اسی بادشاہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوکر معزالدین خطاب پایا تھا۔ اور اسکی اولاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ مسلمان ہوگئی تھی۔ اور جس طرح خاندان راجگان پٹھانکوٹ میں راجہ کیلاش اسی بادشاہ کے زمانہ میں معہ اپنے بھائی بیٹوں کے مسلمان ہوکر اور پنج ہزاری منصب پاکر سپہ سالار بنا تھا۔ بالکل انہیں مندرجہ بالا راجپوتوں کی مانند اسی بادشاہ کے عہد میں سانپر پال جادو نے بھی سنہ ۷۵۷ھ میں معہ اپنے اہل و عیال اسلام لاکر میوات کا علاقہ جاگیر میں پایا تھا۔ لیکن افسوس شیخ صاحب کی نظر عتاب صرف سانپر پال مورث اعلےٰ خانزادگان پر ہی پڑی۔ جس کو نہایت دلیری سے بغیر کسی عقلی و نقلی ثبوت کے خانہ زاد شاہی میں داخل کر دیا اور قائم خاں و معزالدین و راجہ کیلاش وغیرہ اس تہمت سے بچ گئے۔ حالانکہ اسلام لانے اور جاگیرات وغیرہ حاصل کرنے میں یہ سب یکساں تھے۔ اور سب کے سب فیروز شاہ ہی کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ سانپر پال کی اولاد کیساتھ شیخ جی کی عداوت ہوگئی تھی۔ اور باقیوں کے ساتھ یہ خصومت نہ تھی۔
یہ مثالیں ہم نے اس لئے لکھی ہیں۔ تاکہ ناظرین پر خانزادوں کے ساتھ شیخ جی کی عداوت اور رنجش کا حال بخوبی معلوم ہوجائے۔
ان تمام مندرجہ بالا تاریخی ثبوتوں کو بالائے طاق رکھکر چھ سو سال بعد شیخ جی پر ایسی کونسی وحی نازل ہوگئی تھی۔ جس کے ذریعہ انہوں نے خانزادوں کے لئے خانہ زاد شاہی کا خطاب معلوم کرلیا تھا۔ حالانکہ تمام تاریخوں میں سانپر پال عرف بہادر ناہر اور اس کے بیٹے پوتوں کے ناموں کے ساتھ آج تک خانہ زاد کا لفظ لکھا ہوا موجود نہیں پایا گیا۔ اور نہ پایا جا سکتا ہے۔ کیا کوئی محمد مخدوم صاحب کا ہم خیال میرے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے اگر ہے تو

تو وہ مندرجہ بالا تاریخوں میں سے کوئی ایسا ثبوت پیش کرے جس سے خانزادوں کے لئے خانزادہ شاہی کا خطاب ثابت ہو سکے۔ اگر پیش نہیں کر سکتا۔ اور ہم دعوے سے لکھتے ہیں کہ ہرگز پیش نہیں کر سکیگا۔ تو پھر ایسے غلط نگار اور تہمت تراش مورخ کے لئے جو کچھ کہنا مناسب ہو وہ ضرور کہا جائے۔

اگر فی الواقعہ خانزادے شریف اور نجیب الطرفین نہ تھے۔ تو پھر اکبر بادشاہ۔ اس کے وزیر بیرم خاں خان خانان۔ اہل سادات۔ پٹھانوں اور ہریانہ کے نومسلم شرفاء چوہان راجپوتوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں کیوں ہو گئیں۔ اور آج تک ہو رہی ہیں اور سید وغیرہ اصحاب کیوں ایسی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کیا ان کو دوسری جگہ اچھے رشتے ناطے نہیں مل سکتے تھے۔

مندرجہ بالا معتبر تاریخوں کے ثبوتوں کے علاوہ اب چند مثالیں حوالہ کے لئے پیش کی جاتی ہیں اور قومی اور خاندانی روایات کی بھی پیش کی جاتی ہیں۔ جو تواتر کا درجہ حاصل کرکے تاریخوں سے بھی بڑھکر مستند اور معتبر ہیں۔ عربوں نے بھی اپنی تمام تاریخیں اور شجرہ انساب زبانی قومی روایات کو ہی ماخذ مان کر لکھی ہیں۔ حالانکہ زبانی روایات میں اور تحریر میں بڑا فرق ہوتا ہے خاص کر وہ تحریرات جو عین موقعہ پر اور حالات کے مطابق جا گیہ لوگ ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں۔ نہایت سچی اور معتبر ہوتی ہیں۔ اور وہ زبانی روایات جو صدیوں بعد لکھی گئی ہیں مشتبہ ہو سکتی ہیں

(۱) علاقہ میوات میں قدیم زمانہ سے ہی جبکہ خانزادے لوگ داخل اسلام بھی نہیں ہوئے تھے۔ راجپوتوں کے اندر قومی کبیشر جنہیں رانا یا بھاٹ یا میراسی بھی کہتے ہیں چلے آتے ہیں یہ لوگ اپنے اپنے ججمانوں کے نسب ناموں کو بڑی تحقیق سے لکھکر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں تو جنگوں کے موقعوں پر ان نسب ناموں کو سنا سنا کر لڑنے والے بہادروں کے دلوں میں قومی جوش پیدا کرتے تھے۔ لیکن حکومت جاتے رہنے کے بعد اب شادی وغیرہ خوشی کی تقریبوں میں اہل محفل کے سامنے ان کا حسب ونسب بیان کرکے معقول انعام پاتے ہیں۔ اور اب یہ کام ان کا ایک خاص پیشہ بن گیا ہے۔

ہمارے اس دعوے کی تصدیق سر سید احمد خاں صاحب بھی اپنی کتاب میں اس طرح لکھتے ہیں کہ

اعرب لوگ اپنے نسب ناموں کو یاد رکھنا اپنا فرض جانتے ہیں۔ ہر ایک قوم د

قبیلا اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا۔ اور اسی ذریعہ سے ہر شخص اپنی قوم و قبیلے کو بخوبی جانتا تھا۔ اور اپنے اپنے حسب و نسب پر بڑا فخر کرتا تھا۔ پرانی قوموں یعنی سکنڈ نیوین اور سلٹک لوگوں کے اندر عربوں کی طرح کرو کیٹ یعنی کبشیر ہوتے تھے۔ جن کا لڑائیوں میں مردانہ اشعار پڑھنا اور لڑنے والوں کو ان کا حسب و نسب جتلانا ضروری تھا۔

ہمارے ملک کے راجپوتوں کے حالات بھی بالکل ایسے ہی ہیں۔ اگرچہ ان پر مختلف حکومتیں گذر گئیں۔ مگر ان کی جدا جدا نسلیں اور قومیں بخوبی صحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنی قوم اور گوت سے بخوبی واقف ہے۔ اور آج تک ان کے معزز لوگوں کے ہاں بھاٹ اور کرد کیٹ موجود ہیں)

دیکھو کتاب خطبات الاحمدیہ صفحہ ۲۳ ۔

(۲) علاوہ بھاٹ اور قومی کبشیروں کے قومی حفاظت کا دوسرا طریقہ راجپوتوں میں نہایت عمدہ یہ بھی جاری ہے کہ جاگھ لوگ تمام لڑکے لڑکیوں کے نام بوقت پیدائش اور بوقت شادی اپنی اپنی پوتھیوں میں ہر سال آکر درج کرتے رہتے ہیں۔ یہ طریقہ راجپوتوں کے حسب و نسب محفوظ ہونے کا نہایت عمدہ اور مستحکم ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان کے سوا دوسرا کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا چونکہ یہ تحریر کا طریقہ عین موقعہ پر اور اسی وقت ہوجاتا ہے اس لئے اس میں غلطی کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا ۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جن باکمال درویشوں کے ہاتھ پر راجپوت لوگ مسلمان ہوتے تھے ان کی درگاہوں کے مجاور اور پیرزادے یا خادم لوگ سالانہ دورہ کرکے اپنے زیر اثر نومسلموں کا شجرہ نسب اور ان کے اسلام لانے کا حال سناتے ہیں۔ اور اپنا نذرانہ وصول کرتے ہیں۔ یہ شجرہ ان کے پاس قدیم زمانہ کے تیار شدہ نہایت صحیح اور مستند موجود ہوتے ہیں

چنانچہ اسی قاعدہ کے بموجب خانزادوں کے پاس بھی ہر سال قصبہ مہرولی اور چراغ دہلی وغیرہ کے پیرزادے جو خواجہ قطب الدین صاحب اور شیخ نصیر الدین صاحب کی درگاہوں سے آتے رہتے ہیں۔ اور اپنا ٹیکس وصول کرکے لے جاتے ہیں۔ چونکہ قطب صاحب اور نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی ایک ہی خاندان یعنی خواجہ معین الدین صاحب اجمیری کے خاندان میں ہیں۔ ان کا شجرہ اس طرح پر ہے۔ شیخ نصیر الدین صاحب خلیفہ سلطان نظام الدین اولیا کے اور سلطان جی خلیفہ بابا فرید شکر گنج کے۔ اور بابا صاحب خلیفہ خواجہ قطب الدین

(خانزادے لوگ اگرچہ بلحاظ تعداد تھوڑے ہیں۔ مگر جادو راجہ کی اولادیں ہونے کی وجہ سے بہت بہادر اور مشہور ہیں۔ اسی وجہ سے چندر بنسی کی عمدہ نسل سے شمار ہوتے ہیں۔ اس جادو خاندان سے دو بھائی سانبر پال و سوبر پال فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بمرور عرصہ پانچ سو پچاس سال مسلمان ہوئے تھے۔ اور بادشاہ کے معتمدوں اور متوسلوں میں شمار ہو کر بخطاب نوابی جھیرا اور ریواڑی کے نواح میں مسکن گزیں ہوئے تھے۔)

دیکھو تاریخ وقائع راجپوتانہ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ سنہ ۱۸۷۸ء صفحہ ۲۷۶ ۔

(۵) مسٹر سی۔ اے۔ ہیکیٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص اُدھان پال نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں تھا اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا۔ جو کہ تجارہ کو فیروز پور جھرکہ سے علیحدہ کرتے ہیں اور اس خاص جگہ پر بود و باش اختیار کر لی تھی جس کو دورالہ کہتے تھے۔ اور جس کے کھنڈرات اب تک بھی ملتے ہیں۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھکر سرہٹہ میں چلا گیا۔ جو کہ اس سے چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلہ میں واقع ہے۔ جہاں پر اب کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتا سانبر پال نامی فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اپنے تہیں کوٹلہ میں آباد کیا تھا۔)

ترجمہ گزیٹیر الور صفحہ ۲۰۳ ۔

(۶) مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی لکھتے ہیں کہ

(راجہ حسن خاں کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ وہ نو مسلم راجپوت راجہ ہے اور میوات کا ملک اس کا پہاڑی خطہ ہے۔)

ترجمہ تاریخ ہندوستان صفحہ ۷۰۵ ۔

(۷) عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری لکھتے ہیں کہ

(خانزادے لوگ علاقہ میوات کے رہنے والے ہیں۔ اور جادو بنسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تین بڑی بڑی شاخیں۔ تنور۔ جادو۔ بگوسے ہیں)

سرتاج التواریخ صفحہ ۵۳۳ ۔

نام قدیم سے آباد ہے ۔ جو چندر بنسی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے ۔ سری کرشن کی بارھویں پشت میں ایک شخص راجہ تہن پال ہوا جس نے شہر بیانہ کے قریب قلعہ تہن گڑھ بنایا۔ تہن پال کا بیٹا باندپال ہوا جس نے سمت ۱۱۳۲ بکرمی میں قصبہ اجان گڑھ آباد کیا ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اننتے پال اس کا جانشین ہوا ۔ اننتے پال کا بیٹا اودھان پال ہوا ۔ اور اودھان پال کا بیٹا انسراج ہوا ۔ انسراج کے چند بیٹے پیدا ہوئے ۔ ان میں سے لکھن پال پسر انسراج کے دو بیٹے سانبر پال اور شوبر پال پیدا ہوئے ۔ یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہو گئے ۔ سانبر پال کا نام تو بہادر ناہر اور شوبر پال کا بجھو خاں رکھا گیا ۔ ان خانزادوں کا تاریخی سلسلہ کتابوں میں بہت مذکور ہے اس طرح وہ تاریخوں کے ذریعہ نو مسلم چندر بنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں ۔)

دیکھو تاریخ کارنامۂ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس صفحہ ۳۴۵ ۔ و کتاب تاریخ راجگان ہند موسومہ بہ وقائع راجستھان مطبوعہ مہدم برقی پریس لکھنؤ ماہ جون ۱۹۲۷ء

(۲) مولوی مظہر الدین صاحب مالک اخبار الامان دہلی لکھتے ہیں کہ

(قوم خانزادہ سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے ۔ جس کی بارھویں پشت میں ایک شخص تہن پال پیدا ہوا ۔ یہ تہن پال جادو خانزادوں کا مورث اعلےٰ ہوا ہے تہن پال کی ساتویں پشت میں سانبر پال اور شوبر پال پیدا ہوئے ۔ یہ دونوں فیروز شاہ کے زمانہ میں تخت نشین ہوئے ۔ اور اس کے بعد یہ رضا و رغبت دونوں نے اسلام قبول کر لیا ۔)

دیکھو ضمیمہ الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۳ء

(۳) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی کہتے ہیں کہ

(یہ خانزادے لوگ گوت جادو اولاد سری کرشن جی متھرا باشی میں ہیں جن کے آباؤ اجداد تہن گڑھ علاقہ بیانہ میں رہتے تھے ۔ جن میں سے سانبر پال و شوبر پال مورث اعلےٰ خانزادگان علاقہ میوات میں رہا کرتے تھے)

دیکھو حکایات میوات قلمی در کتب خانہ جامع مسجد دہلی ۔

(۴) پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور لکھتے ہیں کہ

(خانزادے لوگ اگرچہ بلحاظ تعداد تھوڑے ہیں۔ مگر جادو راجہ کی اولادیں ہونے کی وجہ سے بہت بہادر اور مشہور ہیں۔ اسی وجہ سے چندربنسی کی عمدہ نسل سے شمار ہوتے ہیں۔ اس جادو خاندان سے دو بھائی سانبرپال و سوپرپال فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بمرور عرصہ پانچ سے پچاس سال مسلمان ہوئے تھے۔ اور بادشاہ کے معتمدوں اور متوسلوں میں شمار ہو کر بخطاب نوابی جھجر اور دیوارٹی کے علاقہ میں مسکن گزیں ہوئے تھے۔)

دیکھو تاریخ وقائع راجپوتانہ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۸۷۸ء صفحہ ۲۷۶۔

(۵) مسٹر س۔ اے۔ ہیکٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص اودھان پال نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں تھا اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا۔ جو کہ تجارہ کو فیروزپور جھرکہ سے علیحدہ کرتے ہیں اور اس خاص جگہ پر بودوباش اختیار کر لی تھی جس کو دوراله کہتے تھے۔ اور جس کے کھنڈرات اب تک بھی ملتے ہیں۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھکر سرہٹہ میں چلا گیا۔ جو کہ اس سے چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلہ میں واقع ہے۔ جہاں پر اب کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتا سانبرپال نامی فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اپنے تئیں کوٹلہ میں آباد کیا تھا۔)

ترجمہ گزیٹیر الور صفحہ ۲۰۳۔

(۶) مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی لکھتے ہیں کہ

(راجہ حسن خاں کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ وہ نومسلم راجپوت راجہ ہے اور میوات کا ملک اس کا پہاڑی خطہ ہے۔)

ترجمہ تاریخ ہندوستان صفحہ ۷۰۵۔

(۷) عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری لکھتے ہیں کہ

(خانزادے لوگ علاقہ میوات کے رہنے والے ہیں۔ اور جادو بنسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تین بڑی بڑی شاخیں۔ تنور۔ جادو۔ بگوٹے ہیں)

سرتاج التواریخ صفحہ ۵۳۲۔

(۸) مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ

(خانزادوں کا جادو نسل سے ایک ممتاز فرقہ ہے جو ایک عرصہ دراز تک میوات پر حکومت کرتا رہا ہے جس کا مورث اعلےٰ سانبر پال نامی فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔)

دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۴۵ و ۴۵ ۔

(۹) حمید قلندر شاعر لکھتے ہیں کہ

(بعہد فیروز شاہ باربک ۷۵۲ھ میں جادو راجپوتوں کے اندر جس شخص نے سب سے پہلے اسلام اختیار کیا تھا وہ سانبر پال مورث اعلےٰ خانزادگان میوات معہ خلف اس کے بلی بہادر خاں ہوا ہے۔ جس کے مورثوں کا ذاد بوم تہن گڑھ علاقہ بیانہ ہے۔

دیکھو کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی۔

جناب شیخ صاحب خانزادوں کو تو خدا نے اپنی مہربانی سے وہ فخر عطا فرمایا ہے جس کی بدولت وہ کرشن جی اوتار کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بحوالہ پران و تواریخ مہابھارت وغیرہ اوتار زادے (یعنی خدا زادے) ثابت ہوتے ہیں اور بحوالہ کتاب کرشن بیتی مصنفہ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اور بحوالہ مقدمہ تاریخ ہند قدیم مصنفہ مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی اور بحوالہ تصانیف معتقدان مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جنہوں نے کرشن جی کو اپنی اپنی تحقیقات کے بموجب ہندوستان کا پیغمبر ثابت کیا ہے پیغمبر زادے یا نبی زادے ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ انسانی حوالہ درکنار خود خدا نے بھی یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم اور ہر ملک میں نبی بھیجے ہیں اس لحاظ سے ہندوستان کے نبی کرشن جی ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا اس خدا کی حکم کے بموجب بھی خانزادے نبی زادے ثابت ہو رہے ہیں۔ اور پھر اسلام لانے کے بعد شاہزادے اور خان زادے ثابت ہو رہے ہیں۔ بیشک یہ مرتبہ صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جسے مہربان خدا بخشتا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا بت خانہ توڑ کر اور اپنے آبائی مذہب سے منہ موڑ کر ہندوستان کو دارالحرب سے دارالاسلام کہلانے کا مستحق بنا دیا ہے ؎

بہیں کرامت بت خانہ مرا اے شیخ ۔ ، کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

اے شیخ صاحب جن خانزادوں کو آپ حقارت کی نظر سے دیکھ کر ان کو خانہ زاد ہونے کی تہمت لگا رہے ہیں ان میں ایسے ایسے اولیا اللہ ہو گذرے ہیں جن کے خوشہ چین آپ کے بہت سے بھائی بند شیخ و سید صاحبان ہوئے ہیں۔ اور جن کی زندہ مثالیں موجودہ سجادہ نشین صاحبان خاندان شعیبیہ قصبہ تجارہ و فیروز پور جھرکہ وغیرہ موجود ہیں۔

تجاہل عارفانہ امر دیگر ہے ورنہ تجارہ کی تحصیلداری کے زمانہ میں آپ سب کچھ معلوم کر چکے ہیں ؎

دیکھ اے چشم عدو مجھکو حقارت سے نہ دیکھ　　جسپہ خالق کو بھی ہے ناز وہ انسان ہوں میں

ہمارے بعض ناصح مشفق صاحبان شاید ہمارے مندرجہ بالا دعوے کو پڑھکر ہم کو یہ طعنہ دیں کہ جناب باپ دادا کی بڑائی پر فخر کرنا عقلمندوں کے نزدیک درست نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کے اندر شرافت و رذالت کا معیار صرف عمل اور تقوےٰ ہے۔ ہم اس بات کو بالکل صحیح مانتے ہیں۔ لیکن معترضوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ یہ کتاب ایک دنیاوی تاریخ ہے۔ مسئلہ یا مسائل کی کوئی مذہبی کتاب نہیں ہے۔ اس میں دنیاوی حکومتوں اور قوموں کے نسلی امتیازات اور ملکی نظم و نسق اور قوموں کا عروج و زوال لکھا جا رہا ہے۔ دوئم یہ کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاندانی اور قومی امتیاز و خصوصیت ہماری مجلسی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالا کرتی ہے اس قسم کے خاندانی حالات بیان کرنے نہایت ضروری ہو گئے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ شیخ محمد مخدوم جیسا ایک حاسد شخص ہماری قوم پر بیجا حملے کر رہا ہو جواباً لکھنا کسی طرح بھی معیوب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بصورت خاموشی الزام صحیح ہونے کا خطرہ ہے۔ خیر ہم تو ایک دنیادار آدمی ہیں۔ لیکن اس قومی شرافت و بزرگی کے نے تو عیسائیوں کے حملوں کے جواب میں خود ہمارے رسول اللہ بھی باوجود اس تحمل و بردباری کے خاموش نہ رہ سکے۔ جیسا کہ سر سید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

قیدار کی اولاد میں ہونے کا بالتخصیص قوم قریش کے لوگ جو مکہ کے والی اور کعبہ کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد رسول اللہ نے بھی قرآن شریف میں اپنی قوم کی ریاست کو اعجازانہ کے دعوٰں کی اسی بنا پر تائید کی ہے۔ کہ آپ اسمٰعیل کی اولاد میں قیدار کے سلسلہ سے تھے۔)

دیکھو کتاب خطبات الاحمدیہ صفحہ ۹۲
مندرجہ بالا عقلی و نقلی ثبوتوں سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ خانزادے راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ کی اولاد میں ہیں۔ اور راجہ تہن پال سری کرشن جی کی جادو نسل میں ہوئے ہیں۔ ایسے معقول اور معتبر ثبوتوں کے مقابلہ میں شیخ جی کی بلا ثبوت صرف زبانی بکواس کیا حقیقت رہ سکتی ہے:۔

محمد مخدوم صاحب کی تاریخی ناواقفیت

ایک مختصر سی فہرست ہم ایسی بھی پیش کرتے ہیں جس سے شیخ صاحب کی تاریخی ناواقفیت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) شیخ جی لکھتے ہیں کہ

(شیخ ہوشندار خاں۔ نبی بخش خاں۔ جیون خاں اور الٰہی بخش خاں وغیرہ پرتاپ سنگھ رئیس الور کے مشیر تھے۔ وہ سات بھائی تھے ان سے بڑے بڑے کار نمایاں ہوئے جو تحسین و آفرین کے شایاں ہوئے)

دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۱۱۲۔

اس عبارت میں مندرجہ بالا اشخاص کو شیخ لکھا ہے۔ حالانکہ وہ معتبر تاریخوں سے میواتی مسلم راجپوت سردار ثابت ہوتے ہیں۔ جس کے مندرجہ ذیل حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ

(نواب نجف خاں سپہ سالار شاہ عالم ثانی نے پرتاب سنگھ کو شکست دی۔ اور بھگا دیا۔ مگر راجہ مذکور نے پرگنہ بسوہ علاقہ جے پور کو لوٹ کر بیس لاکھ روپیہ کا مال حاصل کر لیا۔ اور الور کے گرد و نواح کا بہت سا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ ان کارناموں میں اس کے ہمراہی میواتی مسلمان راجپوت سردار ہوشندار خاں۔ جیون خاں۔ نبی بخش خاں اور الٰہی بخش وغیرہ نے اس کی بہت مدد کی تھی جس کی وجہ سے پرتاپ سنگھ کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔)

دیکھو تاریخ راجگان ہند مطبوعہ ہمدم برقی پریس لکھنؤ صفحہ ۳۶۴ -

(۲) مولوی مظہر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ

(پرتاب سنگھ اپنی آرزو میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا اگر میواتی مسلمان راجپوتی سردار اس کا ساتھ نہ دیتے ۔ چنانچہ راجہ مذکور کے ساتھ ہوشدار خاں ۔ نبی بخش خاں الٰہی بخش خاں اور جیون خاں وغیرہ نے بڑے بڑے کار ہائے نمایاں کیے ہیں جو تاریخوں میں درج ہیں ۔)

دیکھو ضمیمہ الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۳ء

ان اقتباسوں سے ظاہر ہے کہ محض غلط نگاری سے کام لے کر شیخ جی نے میواتی مسلمان راجپوت سرداروں کی دلاوری و عظمت کو دانستہ چھپا کر اپنی دلی کدورت کا ثبوت دیا ہے ۔ اور اپنی طرف سے زبردستی ہوشدار خاں وغیرہ میواتی مسلمان راجپوت سرداروں کو شیخ بنا ڈالا ہے ۔ مندرجہ بالا ناموں پر سرسری غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ کہ شیخ قوم میں ایسے نام بالکل نہیں رکھے جاتے ۔ اور خاں کا لفظ تو نام کے آخر میں کوئی بھی شیخ نہیں لاتا ۔

(۲) قصبہ رلیواڑی کو قطب الدین ایبک کا بسایا ہوا لکھا ہے جو کہ محض غلط ہے ۔ تمام سرکاری جغرافیوں میں جو سکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں رلیواڑی کو راجہ رلیوت کی بیٹی رلیوتی کے نام پر بسایا ہوا لکھا گیا ہے

(۳) میوات کے معنی بیوقوفوں کے رہنے کی جگہ لکھا ہے یہ بھی غلط ہے بلکہ میوات کے معنی پہاڑی جگہ کے ہیں جو دوسرے تمام مورخوں نے بھی لکھے ہیں ۔

(۴) قوم نکوم کو چھواہہ لکھا ہے لیکن تمام مورخوں نے نکوم قوم کو چوہان قوم کی ایک شاخ لکھی ہے ۔ نیز کچھواہے سورج بنسی ہیں اور چوہان اگ بنسی ہیں ان دونوں قوموں میں بلحاظ نسل و گوت بہت بڑا فرق ہے ۔ لیکن شیخ جی کے نزدیک سب گڑ ستّرہ سیر بکتا ہے ۔

(۵) سانبر بال کو بندوق کا بانی کار یعنی بنیاد ڈالنے والا لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوق کا بنانا اور چلانا انہیں سے شروع ہوا ہے ۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے ۔ ہندوستان میں بابر بادشاہ سے پہلے نہ تو کوئی بندوق بنانا جانتا تھا اور نہ اس کا استعمال ہوتا تھا ۔

دیکھو تاریخ پنجاب مولوی فیروز الدین صاحب لاہوری صفحہ ۹۷

نیز منشی اشفاق حسین صاحب وکیل مراد آباد بھی اپنی کتاب خون کے آنسو حصہ اول کے صفحہ ۶۶ میں لکھتے ہیں کہ

(دنیا نے سب سے پہلے بابر کے ہاتھوں میں بندوق دیکھی تھی۔ یہ یا تو اُسکی ایجاد تھی یا کسی ترک کی ایجاد ہے۔)

اور سراج عفیف صاحب بھی اپنی تاریخ میں یہی لکھتے ہیں کہ

(الحاصل ہر سال آں خسرو خوش خصال از شہر فیروز آباد برائے شکار سواری کردے ایں مورخ ضعیف شمس سراج عفیف برابر ہمراہ بودے۔ شاہنشاہ بر شکار شیر تیر آتشیں انداختے

از گرگ و گور ان و گور نخچیر ۔ جز شیر نزد بد یگرے تیر۔)

دیکھو تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۲ ۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ شیر کا شکار تیر آتشیں سے کرتا تھا۔ تیر کا نشانہ بندوق سے بڑھکر نہیں ہے۔ ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ سانپر پال اور فیروز شاہ کے زمانہ میں جنگ اور شکار کے لیے تیر ہی کام آتے تھے نہ کہ بندوق۔ لیکن شیخ جی نے فیروز شاہ کے لئے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بندوق سے شکار کرتا تھا جو محض غلط ہے۔

(۶) کتاب ارژنگ تجارہ میں تو لکھا ہے کہ ٹھاکر جاموسنگھ نے اپنے داماد سانپر پال کو اپنے گھر بلا کر قتل کرا دیا۔ لیکن مرقع الور میں اس کی تردید کرتے ہیں دروغگو را حافظہ نباشد یہی تو ہے۔

(۷) کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۹ میں بہادر پور کو بہادر خاں پسر ناہر خاں خانزادہ کا بسایا ہوا لکھا ہے۔ لیکن کتاب مرقع الور میں اس بیان سے انکار ہے اگر بہادر پور بہادر خاں کا بسایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اوسوال مہاجنوں کا بسایا ہوا ہے جیسا کہ شیخ جی لکھتے ہیں تو یہ ہندو لوگ اس قصبے کا نام بہادر پور کیوں رکھتے جو کہ اسلامی نام ہے بلکہ کوئی ہندوانی نام رکھتے۔ بہادر پور نام خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ کسی ہندو کا بسایا ہوا نہیں بلکہ بہادر خاں کا بسایا ہوا ہے۔ بہادر خاں کو اپنا بسایا ہوا شہر اتنا پیارا تھا کہ اس نے الور کو چھوڑ کر اپنا دارالریاست بھی اسی کو بنا لیا تھا۔

(۸) موضع فتح آباد متصل شاہ آباد کو اپنی حکومت کے زمانہ میں خانزادوں نے اُجاڑا تھا۔ جیسا کر مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب بھی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں لیکن شیخ جی اس کو ملک قوم کا اجاڑا ہوا لکھتے ہیں حالانکہ تاریخوں میں ملک قوم کوئی علیحدہ نہیں ملتی۔ اسی طرح موضع موہنگانہ پرگنہ الور میں خانزادے آباد تھے۔ لیکن شیخ جی نے اس میں بھی ملک قوم کی آبادی لکھی ہے۔ یہ وہی موہنگانہ ہے جہاں کے خانزادوں نے ملک مجاہد خاں خانزادہ کی دہائی سننے پر دریا خاں میو کو میٹوں سے بچایا تھا۔ جبکہ وہ شخص میٹی اپنی عورت کو لا رہا تھا۔ چونکہ خانزادوں کا پرانا خطاب بھی ملک ہے اس وجہ سے محمد مخدوم صاحب نے دانستہ یا غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ملک اور خانزادہ دو الگ الگ قومیں شمار کر لی ہیں حالانکہ یہ دونوں خطاب ایک ہی قوم کے ہیں۔

(۹) راجہ سورج مل والئی بھرت پور جب بتقریب دورہ بہادر پور گیا تو شیخ جی لکھتے ہیں اس زمانہ میں وہاں معزز رئیس اور زمیندار صرف سادات عظام تھے۔ اس میں خانزادوں کا نام مطلق نہیں لکھا۔ حالانکہ وہاں کے سادات تو خانزادوں کے بسائے ہوئے ہیں جو بہت بعد میں آئے تھے اور بہادر پور دو سو سال تک خانزادوں کا دار الریاست رہا ہے اور انہیں کا بسایا ہوا ہے ورنہ آج تک بھی خانزادے وہاں کے مالک اور رئیس ہیں۔ لیکن شیخ جی کو سادات کے سوا وہاں کوئی بھی رئیس نظر نہ آیا۔ دوئم یہ کہ جب سورج مل سے خفا ہو کر بہادر پور کو اجاڑا تو سادات لوگ علاقہ گھساولی میں پناہ لینے کیلئے نواب ذوالفقار خاں خانزادہ کے پاس کیوں گئے انہیں وہاں کیا امید تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سورج مل کے معتوب رئیس صرف خانزادے تھے اور ان کے ساتھ سادات بھی شامل تھے یہ خانزادے بوجہ قرابت اور تعلق برادری کے نواب مذکور کے پاس برائے سفارش گئے تھے کیونکہ نواب صاحب راجہ مذکور کے دوست تھے۔

(۱۰) راجہ پرتھی راج چوہان والئی دہلی و اجمیر کو رانا سانگا کا ہم جدی و ہم قبیلہ لکھا ہے۔ حالانکہ پرتھی راج چوہان اور اگ بنسی تھا اور رانا سانگا سورج بنسی تھا لیکن شیخ جی کے نزدیک یہ کچھ بات ہی نہیں ہے

(۱۱) راجہ پرتاب سنگھ بانئی ریاست الور جو کہ قوم کا کچھواہہ اور سورج بنسی تھا شیخ جی نے اسے چندر بنسی لکھا ہے یہاں تو شیخ جی نے اپنی تمام تاریخ دانی ختم کر دی۔ بقول شخصے تمام

تفسیر یوسف پڑھلی لیکن زلیخا کے مرد یا عورت ہونے کی تمیز نہ ہوسکی۔

افسوس اس وقت اگر شیخ جی موجود ہوتے تو ہم ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں یہ عرض کرتے کہ حضرت مندرجہ بالا غلط بیانیوں کی موجودگی میں اب پر معنز نازک دماغ احمق نام کا خطاب منشی احمد خاں صاحب مرحوم پر آسکتا ہو یا جناب پر ؎

غیر کے سامنے تم فتنہ مجھے کہتے ہو۔
چھاسئے جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر۔

سید الطاف حسین صاحب

شیخ محمد مخدوم صاحب کے بھائی بند ایک شخص سید الطاب حسین صاحب ؟ ہیں، جنہوں نے تاریخ ضلع گوڑگانوہ تالیف فرمائی ہے۔ سید صاحب ضلع گوڑگانوہ کے محکمہ بندوبست ۱۸۷۸ء میں افسر مال تھے۔ اقوام ضلع کی تحقیقات کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے کوئی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ بلکہ یا تو کتاب ارژنگ تجارہ مولفہ محمد مخدوم صاحب کی حرف بحرف نقل فرماکر نقل راچہ عقل پر عمل فرمایا ہے یا زبانی بے سروپا حکایات درج کردی ہیں۔ لیکن دوسری اقوام خصوصاً میو قوم کی بدگوئی میں یہ شخص شیخ محمد مخدوم صاحب سے بھی بڑھ گئے۔ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔

شیخ صاحب نے تو صرف نومسلم راجپوتوں پر ہی عنایت فرمائی تھی لیکن سید صاحب نے بجز شیخ، سید، مغل اور پٹھان کے باقی ضلع بھر کی تمام اقوام کو خواہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان غیر شریف ثابت کرنے کی ناجائز کوشش فرمائی ہے۔ جس سے ہر ایک قوم نالاں ہے۔ اس بھلے مانس کو بجز مندرجہ بالا چار اقوام کے ضلع بھر میں کوئی قوم شریف ہی نظر نہیں آئی نہ معلوم بعض لوگوں میں یہ بدگوئی کا مرض کیوں پھیل گیا ہے۔ کہ وہ اپنی شرافت کو ثابت کرنے کے لئے دوسری اقوام کی بدگوئی پر اتر آتے ہیں۔

بیشک ہر ایک قوم کو یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ بذریعہ معتبر تاریخی ثبوتوں کے اپنی قومی شرافت کو ثابت کرے۔ لیکن باقی تمام اقوام کو برا بھلا کہکر اپنی شرافت ثابت کرنی کہاں کی شرافت ہے۔

ہمارے خیال میں پیغمبر کی حرمت و تقدس کو آڑ بناکر یہ لوگ بلا خوف و خطر تمام اقوام پر سب و شتم کر دیتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ جو شخص مسلمان ہوگا وہ تو

وہ تو ان کے جواب میں شیخ، سید وغیرہ اقوام کے برخلاف ہرگز زبان نہ ہلا سکیگا۔ لیکن آخر کب تک کوئی خاموش رہیگا۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق مجبوراً دوسری قوموں کو بھی ترکی بترکی جواب دینے کی ضرورت پڑیگی۔

کیا اپنی شرافت کو ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس صرف یہی ایک بدگوئی کا طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ جس سے باہمی منافرت اور خانہ جنگی پھیلنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا اگر واقعات کی یہی رفتار رہی تو لامحالہ مسلمانوں میں سخت بدامنی اور تصادم پھیل جائیگا۔ اور اس کی ذمہ داری ایسے ہی متعصب اور بدگو اشخاص پر عاید ہوگی۔

تاریخ نویسی کسی خاص قوم یا شخص کا ورثہ نہیں ہے۔ اور قدیم و جدید تاریخوں میں ہر ایک قوم کے پوست کندہ حالات درج ہیں۔ جن کے ذریعہ ہر قوم پر نکتہ چینی کی جاسکتی ہے۔ لیکن ہم اس باہمی تصادم کو موجودہ صورت میں خصوصاً ہندوستان کے اندر نہایت برا سمجھتے ہیں۔ اسلئے سید صاحب اور شیخ صاحب کے ہم خیالوں کو دوستانہ مشورہ دیتے ہیں کہ اس رفتار بے ڈھنگی کو جلد از جلد بند کردیا جائے۔ ورنہ یاد رہے یہ زمانہ آزادی کا ہے اور ہمارے منہ میں بھی زبان ہے ؂

مانو نہ مانو دوستو یہ اختیار ہے۔ ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے دیتے ہیں

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے اس بات کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص یا قوم پر اعتراض کردینا بہت آسان بات ہے۔ ایک معمولی لیاقت کا آدمی بھی جس پر چاہے اعتراض کرسکتا ہے۔ لیکن کسی اعتراض کا صحیح اور معتبر جواب دینا بہت ہی مشکل کام ہے۔ محمد مخدوم صاحب نے جو چاہا اپنی ترنگ میں خانزادوں پر فرضی اعتراض جڑ دیا لیکن اگر میں اُن کے اہل خاندان سے یہ دریافت کرنا چاہوں کہ جناب مہربانی فرما کر آپ اپنا شجرہ نسب بذریعہ تواریخ شیخان عرب تک پہنچا دیجئے۔ تو میں دعوے سے یہ کہتا ہوں کہ وہ قیامت تک ایسا نہ کرسکیں گے۔ ہاں فرضی اور خانہ ساز شجرہ تیار کرلینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اور شیخ صاحب پر ہی کیا منحصر ہے بلکہ معدودے چند کے سوا غیر ملکی قوموں کے اکثر و بیشتر خاندان اس امتحان میں فیل ہوجائیں گے اِلّا ماشاء اللہ۔

سر ولیم میور نامی ایک انگریز مورخ نے اپنی کتاب اُمہات المومنین میں ہمارے رسول مقبولؐ کے خاندانی حالات پر بیس بیس سطروں کے اندر چند فرضی اعتراض کردئے ہیں

لیکن ان غرضی ہی اعتراضوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے سرسید احمد خاں صاحب کو خطبات الاحمدیہ نامی کتاب پانچ سو صفحہ کی لکھنی پڑی۔ اس کتاب کے لکھنے میں سرسید نے جو جو تکالیف برداشت کی ہیں وہ حیات جاوید نامی کتاب مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس خود دار اور غیرت مند شخص کو خطبات الاحمدیہ کے لئے بڑی بڑی قیمتی کتابوں کو خریدنے کے لئے اپنا خانگی سامان تک بیچنا پڑا تھا اور ولایت کا سفر بھی اسی مطلب کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔

بالکل اسی کے مطابق غرضی اور مہمل اعتراض جڑنے میں ہمارے نامہربان دوست شیخ محمد یحییٰ تنہا صاحب بھی سر ولیم میور سے کچھ کم نہیں ہیں۔ بخدا ان کے مکروہ اور نامناسب الفاظ نے تیر و نشتر بن کر میرے دل وجگر کو چھلنی بنا دیا ہے اگرچہ ان کے اعتراضوں کے جوابات اب سے بہت پہلے مجھ سے بہتر اور کسی لائق شخص کو لکھنے واجب تھے۔ کیونکہ کتاب مرقع الور کو شائع ہوئے تقریباً پچاس سال گذر چکے ہیں لیکن افسوس اس طرف کسی خاں صاحب کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ آخر شدید انتظار کے بعد اس کام کے متعلق جو کچھ مجھ سے بن پڑا وہ محض قوم کی دلسوزی اور محبت کا تقاضہ ہے مجھے اس عالم ضعیفی میں متواتر پانچ سال تک قومی تاریخ کے لئے مضامین جمع کرنے میں جو کچھ تکالیف اور مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں ان کو میرا ہی دل جانتا ہے۔ لائبریریوں اور کتب خانوں کے مطالعہ کے لئے بہت سے شہروں اور قصبوں کی خاک چھاننی پڑی۔ شیر علی گڑھ کی سرائے میں مچھروں کی مہمان نوازی، اور الور آگرہ، رام پور، لکھنؤ، دہلی اور ناوہ وغیرہ شہروں کی دلگداز گرمیاں مجھے تمام عمر یاد رہیں گی۔ رام پور کے کتب خانہ مطالعہ کرنے کی امیدواری میں دس روز گذر گئے تھے۔ صبح وشام کتب خانہ میں آنے اور جانے کے وقت چوروں کی مانند میری تلاشی بھی لیجاتی تھی، علاوہ ازیں سینکڑوں تاریخی کتابوں کے لاکھوں اوراق کو مطالعہ کرنے کے لئے جو دیدہ ریزی مجھے کرنی پڑی ہے اس کا لطف کچھ میری ہی آنکھیں بہتر جان سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری قوم کو توفیق اور ہدایت دے۔ تاکہ وہ سمجھ سکے کہ میں نے اس کی محبت میں کیا کچھ کام کیا ہے۔

اگرچہ ہم نہ ہوں گے۔ لیکن ہاں آئندہ ایک وقت ایسا بھی ضرور آئیگا جس میں انشاء اللہ میرے اس کام کو ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور محقق اور مورخ میری تحقیق،

وتفتیش کی داد بھی دیا کریں گے ؎

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارے
یاد آئیگی تجھے میری وفا میرے بعد

۷۔ لفظ میواتی کی تحقیق

تاریخوں سے ناواقف اصحاب بعض دفعہ میو اور میواتی الفاظ کا ایک ہی مفہوم سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ امر تاریخوں کے ذریعہ بالکل غلط ثابت ہو چکا ہے۔

میواتی لفظ کا اطلاق دو موقعوں پر کیا جاتا ہے۔

(۱) اول اس لفظ کا اطلاق بلا تفریق مذہب و ملت کل باشندگان میوات پر کیا جاتا ہے

(۲) دوئم اردو فارسی کی تاریخوں میں بوجہ حکومتِ میوات یہاں کے جاگیرداروں اور حاکموں وغیرہ پر بھی میواتی کا لفظ لکھا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں موقعوں کا مفصل بیان ہم یہاں پر لکھتے ہیں۔

(۱) کل باشندگان میوات کا میواتی کہلانا

لفظ میو صرف ایک ہی نومسلم قوم کا نام ہے جو میوات کی دوسری قوموں کی مانند یہاں رہتی ہے۔ لیکن میواتی کا لفظ ان تمام اقوام پر بولا جاتا ہے جو بہیت مجموعی بلا اختلاف قوم و مذہب علاقہ میوات میں رہتی ہیں۔ یا یوں کہو کر لفظ میواتی علاقہ میوات کے مجموعہ اقوام کا نام ہے۔ لیکن لفظ میو اس مجموعہ کا ایک جزو یا حصہ ہے۔

لفظ میواتی میں یائے نسبتی ہے جس کے معنی میوات سے نسبت رکھنے والا ہوئے پس اس لحاظ سے جتنی قومیں میوات میں آباد ہیں وہ سب میوات سے نسبت رکھتی ہیں اور اسی لئے سب میواتی کہلانے کی مستحق ہیں۔ ہر ایک مورخ نے بھی میوات کے کل باشندوں کو بہئیت میواتی لکھا ہے۔ محمد مخدوم صاحب بھی مرقع الور کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ

(اکثر تاریخوں سے ظاہر ہے کہ باشندگان میوات کا لقب قدیم سے میواتی مقرر ہے)

مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ

(جس طرح مارواڑ کے کل باشندوں کو مارواڑی اور میواڑ والوں کو میواڑی کہتے ہیں اسی طرح میوات کے کل باشندوں کو میواتی کہتے ہیں)

دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۴۴۔

مسٹر منور خاں ساغر اکبر آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ

(راجپوتانہ کے تین حصے میواڑ۔ مارواڑ اور میوات ہیں۔ جن کے باشندے عام طور پر بلا امتیاز ذات و مذہب میواڑی مارواڑی اور میواتی کہلاتے ہیں)

دیکھو سالنامہ مسلم راجپوت امرتسر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۱۔

دیکھئے ساغر صاحب بھی کل میوات والوں کو میواتی لکھ رہے ہیں۔

اس میواتی لفظ میں بلحاظ مذہب ہندو مسلمان عیسائی وغیرہ اور بلحاظ قوم شیخ۔ سید برہمن۔ مہاجن۔ میو۔ خانزادے۔ جاٹ۔ راجپوت وغیرہ سب شامل ہیں۔ جس طرح پنجاب سے پنجابی۔ ہندوستان سے ہندوستانی۔ دیہات سے دیہاتی۔ پہاڑ سے پہاڑی اور جنگل سے جنگلی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح میوات سے میواتی کہا جاتا ہے اگر پنجابی ہندوستانی دیہاتی پہاڑی اور جنگلی وغیرہ الفاظ کسی خاص قوم کے نام ہو سکتے ہوں۔ تو پھر میواتی بھی ایک خاص قوم کا نام ہو سکتا ہے۔ اگر میواتی کا لفظ صرف میو قوم کے لئے ہی مخصوص خیال کیا جائے۔ تو پھر جو دوسری قومیں میوات میں آباد ہیں۔ ان کے لئے بہیئت مجموعی کونسا لفظ تجویز ہو سکیگا۔

یہ لفظ میواتی صرف باشندگان میوات پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ میواتی گاؤں میواتی آدمی۔ میواتی علاقہ۔ میواتی زبان وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ حالانکہ گاؤں۔ آدمی علاقہ اور زبان وغیرہ کسی خاص قوم کا نام نہیں ہے۔

میوات کے آگے یائے نسبتی لگانے سے تو لفظ میواتی بن جاتا ہے۔ لیکن میو کے آگے یائے نسبتی لگانے سے میواتی لفظ نہیں بن سکتا۔ بلکہ میوی لفظ بنتا ہے جو بالکل بے معنی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ میو اور میواتی دونوں الفاظ بالکل الگ ہیں۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔ ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

دیکھو ڈاکٹر صاحب بھی ہندوستان کی سکونت کی وجہ سے اپنے آپ کو ہندی

فرمارہے ہیں۔ اہل عرب تمام ہندوستانی حاجیوں کو ہندی کہتے ہیں یہ خطاب ان کو ہندوستان کی سکونت کی وجہ سے ملا ہے۔

مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی جو آج کل بڑے معتبر مورخ مانے جاتے ہیں اس طرح فرماتے ہیں کہ

(ہندوستان کی رہنے والی تمام اقوام ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ پارسی۔ بودھ اور عیسائی وغیرہ لفظ ہندوستانی یا ہندی میں شامل ہیں۔ لیکن لفظ ہندو کے مفہوم سے یہ اقوام سب جدا جدا ہو جاتی ہیں۔)

دیکھو مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۸۶۔

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح ہندی یا ہندوستانی لفظ سے ہندوستان کی کل قومیں مراد ہیں اسی طرح میواتی کے لفظ سے میوات کی کل قومیں مراد ہیں۔

میوات کے گردو نواح کے باشندے بھی میوات کے رہنے والوں کو میواتی کہتے ہیں۔ جن میں کوئی خصوصیت میو اور غیر میو کی یا ہندو اور مسلمان کی نہیں کی جاتی۔ یہ ایسی صاف اور صریح اور معتبر مثالیں ہیں جو روزمرہ سنی اور دیکھی جاتی ہیں اور عیاں را چہ بیان کی مصداق ہیں۔

دوئم میوات کے حکام

جاگیرداروں اور سرداروں کا میواتی کہلانا

(۱) سب سے پہلے علاقہ میوات میں اب سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے جادو خاندان کے [illegible] بنیت۔ تیج پال اور راجہ چند وغیرہ حکومت کرتے تھے۔ تاریخوں میں یہ سب لوگ میواتی لکھے گئے ہیں۔ پھر قوم تنور کی حکومت ہوئی جو جادو کی ایک شاخ کہی جاتی ہے ان کو بھی میواتی لکھا گیا ہے۔ جن کی نسبت یہ لکھا ہے کہ

(سید سالار مسعود غازی نے ان کو ۴۲۲ھ میں مسلمان بنایا تھا۔ ان کے بعد ۵۸۸ھ میں محمد غوری نے بڈگوجر میواتیوں کو شکست دی۔ اور مسلمان بنایا۔ یہ بھی میوات

کی حکومت کی وجہ سے میواتی کہلاتے تھے۔ سید وجیہہ الدین سپہ سالار کی نسبت لکھا ہے کہ وہ میواتی بڈگوجروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُن کے مارنے والے وہی ہندو بڈگوجر تھے۔ اُن کے بعد میراں حسین خنگ سوار میوات میں بھیجا گیا اُن کے سامنے بعض میواتی بڈگوجروں نے جزیہ دینا قبول کیا اور اپنی جان بچائی۔ اور اکثر نے مسلمان بن کر امان پائی۔ پھر ملک قوم کا دور دورہ ہوا یہ بھی میواتی کہلائے۔ ملک قوم کے خانزادہ قوم کی میوات پر حکومت ہوئی۔ تمام تاریخوں میں انکو بھی میواتی کہا گیا ہے۔ انکے بعد پٹھانوں کا زمانہ آیا۔ چنانچہ عالم خاں پٹھان کو بھی تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۸۷ تا لغایت ۱۵۸ اور ۲۸۸ لغایت ۲۹۱ میں خانزادہ بھی اور میواتی بھی صاف لکھا ہے اور رانا سانگا کو بھی تاریخ ظہیرالدین بابر بادشاہ میں میواتی لکھا ہے۔ اور منتخب التواریخ کے صفحہ ۲۱۱ میں پٹھانوں کے سردار شادی خاں پٹھان کو بھی میواتی لکھا ہے۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے میوات، کوہ شوالک اور کرن تھمبور کے ہندو راجاؤں کو اپنی تاریخ ہندوستان جلد اول کے صفحہ ۳۸۲ میں میواتی لکھا ہے۔ قائم خانیوں کے مورث اعلےٰ قائم خاں کو جو فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہوا تھا میواتی لکھا ہے) ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۲۴۲۔ غرض تاریخوں کے اندر میوات کی حکومت کی وجہ سے اُن تمام قوموں کو میواتی لکھا گیا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے میوات پر حکومت کی ہے۔

سوئم۔ خانزادوں کا بوجہ حکومت میوات میواتی کہلانا

(۱) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۳۱۲ تا ۳۳۹ میں ہر جگہ ملک تدو خاں۔ جلال خاں۔ احمد خاں۔ ملک فخرالدین خاں حسن خاں وغیرہ خانزادگان والیان میوات کو میواتی لکھا ہے۔

(۲) محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۳۸ تا ۲۵۴ میں بار بار مندرجہ بالا خانزادوں کو میواتی لکھا ہے اور صفحہ ۳۰۰ میں ناہر خاں پسر حسن خاں خانزادہ والیٔ میوات کو بھی میواتی لکھا ہے۔

(۳) ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی کتاب منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۱۰۷ میں راجہ

جلال خاں خانزادہ والئی میوات کو میواتی لکھا ہے۔
(۴) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ
(نواب حسن خاں جو میوات کی حکومت کے سبب سے فارسی کی تاریخوں میں حسن
خاں میواتی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی خانزادہ قوم میں سے ہوا ہے)
دیکھو کارنامۂ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس صفحہ ۳۴۵۔
(۵) ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ۔
(خانزادہ ہائے میوات کہ اجداد حسن خاں میواتی بودند سلطان محمود خلجی را
از مالوہ برائے سلطنت دہلی طلبیدند)
منتخب التواریخ فارسی جلد اول صفحہ ۳۰۳۔
(۶) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ
(حسن خاں میواتی کو میوات کی حکومت جس کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقرئی
سالانہ تھی وراثت میں ہاتھ آئی تھی اور وہ بادشاہ دہلی کا برائے نام مطیع تھا)
تاریخ ہندوستان جلد سوئم صفحہ ۱۱۰۔
(۷) مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ
(ہندو مسلم تاریخوں میں ان خانزادوں کو میواتی لکھا گیا ہے اور وہ میواتی
ہی کہلاتے رہے ہیں)
دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۴۵۔
(۸) مولوی محمد حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ
(عبدالرحیم خاں خاناں کی ماں کا حال بھی سن لو۔ جمال خاں میواتی کی بیٹی۔ اور
حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی۔)
دیکھو دربار اکبری صفحہ ۵۶۷۔
(۹) مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب لکھتے ہیں کہ
(۱۴۲۸ء میں بادشاہ نے میوات پر قابو پایا۔ لیکن ریواڑی اس زمانہ میں بھی
میواتی خانزادوں کے قبضے میں تھی۔)
ترجمہ گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۷۱۔

(۱۰) مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ

(۸۲۹ھ میں سلطان مبارک شاہ میوات کی طرف گیا۔ بہادر ناہر میواتی کے پوتوں جلال خاں۔ قدو خاں۔ احمد خاں ملک فخر الدین خاں میواتیوں نے کوہستان اندور کو اپنا مقام بنایا۔)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۳۱۰۔

(۱۱) ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

(لبعد از چند گاہ بعضے از خانزادہ ہائے میواتی بنابر حمیت وغیرت او را بقتل رسانیدند)

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۴۰۔

(۱۲) ملا مذکور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(ابو بکر شاہ بتقویت بہادر ناہر خاں خانزادہ میواتی صف آرائی کردہ بالمحمد شاہ جنگ کردہ فیروز گشت)

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۵۹۔

(۱۳) مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب پولٹکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(میوات کے میوؤں کو ان مسلمان میواتی سرداروں سے ہرگز خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ جن کا ذکر فارسی تاریخ دانوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں کیا ہے۔ کیونکہ وہ میواتی مسلمان سردار صرف خانزادے ہی ہیں۔ اور انہیں کو تاریخوں کے اندر میواتی کہا گیا ہے نہ کہ میوؤں کو۔

درحقیقت تاریخوں کے اندر میواتی لفظ کا مفہوم صرف حکومت کرنے والی جماعت کے لئے مقرر ہے اور میو کا لفظ محکوم جماعت کے لئے آیا ہے۔

اگرچہ میو کا لفظ موجودہ زمانہ کی ساخت نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ تاریخوں کے اندر کہیں نہیں ملتا۔ لیکن یہ میواتی کا لفظ غیر معمولی طور پر خانزادہ کے لفظ سے تبدیل ہو چکا ہے)

دیکھو ترجمہ گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۶۸۔

اس کی اصل انگریزی عبارت بھی یہاں پر لکھی جاتی ہے۔

The mass population of Mewat are called Meos; They are Musalman, and claim to be of Rajput extraction. They must not, , be confomded with The Mewat chiefs of Persean historian, who ware probably, the represen-tative of the ancient lords of Mewat. These Mewaties were called "Khanzadas" a race which though Musalmans like the Meos, was and is socially far superior to the meos who have no love for them, but who in times past united with them in the raids and insurrections which made it thorn in the side of Delhi Emperors, In fact the expression "Mewatti" usually represents The ruling class, while "Meos," designated The lower orders. The later terms evidently of modern origin, though it is a not with in history and the formes is now usual "Khanzadas" having taken its place.

Page - 168
Para 18

By. Mr. C.A. Hocket.

ان تمام حوالوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ خانزادوں کو مورخوں نے میوات کی حکومت کی وجہ سے میواتی بھی لکھا ہے اور خانزادہ بھی تحریر کیا ہے۔

اس مفصل اور مدلل بیان کو پڑھ کر ناظرین تاریخ پر لفظ میواتی کی اصلیت بخوبی روشن ہو جائیگی۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ تاریخوں کے اندر صرف میوات پر حکومت کرنے والے لوگوں کو ہی میواتی لکھا گیا ہے نہ کہ میوؤں کو۔

نوٹ :۔ ہمیں یہاں پر صرف لفظ۔۔۔ میواتی کی تشریح کرنی منظور تھی لیکن اس تشریح سے حاشا وکلا کسی کی دل آزاری ہرگز مدنظر نہیں ہے ؎

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں۔ جنوں نہیں۔ وحشت نہیں مجھے

۸۔ خانزادوں کی رشتہ داریاں شاہانِ دہلی اور دیگر شرفا کے ساتھ

خانزادوں کی رشتہ داریاں بہلول لودھی۔ سکندر لودھی۔ ابراہیم شاہ۔ ہمایوں اکبر۔ بیرم خان خاناں وزیراعظم اکبر۔ ہمایوں اعظم خاں شروانی افغان امیرالامراء۔ اور سیدوں۔ پٹھانوں۔ الور اور ہریانہ کے نومسلم چوہانوں و بنوادوں وغیرہ کے ساتھ ہونی تاریخوں سے ثابت ہوتی ہیں۔ اور بعض جگہ اب تک بھی برابر ہو رہی ہیں۔ ان ناطے رشتوں کے حوالے معتبر تاریخوں کے ذریعہ درج کئے جاتے ہیں۔

اوّل شاہانِ دہلی کے ساتھ

(۱) اعظم ہمایوں خاں شروانی افغان جو بہلول لودھی کے دربار میں بڑا امیر کبیر سردار تھا اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی شادی سکندر شاہ بن بہلول لودھی بادشاہ دہلی سے ہوئی تھی۔ اور دوسری علاول خاں بن زکریا خاں خانزادہ والئی میوات سے بیاہی گئی تھی جس کے بطن سے نواب حسن خاں خانزادہ شاہ میوات پیدا ہوا تھا۔)

دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۴۷ و مرقع الور صفحہ ۳۲ و دیگر تواریخ گزیٹیر الور و کارنامۂ راجپوتان ہند وغیرہ۔

اس رشتے کی وجہ سے سکندر شاہ بادشاہ دہلی اور علاول خاں خانزادہ دونوں ہم زلف بھائی ہوئے۔ اور ابراہیم شاہ لودھی بادشاہ دہلی اور حسن خاں خانزادہ شاہ میوات دونوں خالہ زاد بھائی ثابت ہو رہے ہیں۔

(۲) مرزا محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ

(امرائے نامی جو سلسلۂ یگانگی اور نسبتِ خویشی بہلول لودھی بادشاہ دہلی کے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ تعداد میں چونتیس ۳۴ تھے۔ جن میں سے ایک احمد خاں خانزادہ والئی میوات بھی تھا)

دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۵۱۔

(۳) چونکہ جمال خاں برادر حسن خاں خانزادہ والئی میوات کی دو لڑکیاں تھیں جن میں سے چھوٹی لڑکی کی شادی نواب بیرم خاں وزیر اعظم اکبر سے ہوئی تھی جس کے بطن سے مرزا عبدالرحیم خاں خانان پیدا ہوا تھا۔ جو اکبری نو رتنوں میں بڑا مشہور سردار گذرا ہے۔ لیکن بڑی لڑکی کی شادی میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ تاریخ فرشتہ۔ دربار اکبری۔ کارنامۂ راجپوتان ہند۔ مرقع الور۔ ارژنگ تجارہ۔ تاریخ ضلع گوڑگانوہ۔ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ وغیرہ میں تو یہ شادی اکبر بادشاہ کے ساتھ ہوتی لکھی گئی ہے لیکن گزیٹیر الور انگریزی اور ماثر الامرا فارسی میں ہمایوں بادشاہ کے ساتھ عقد ہونا لکھا ہے اس لئے ہم ان تمام حوالوں کو ناظرین کی دلچسپی اور آگاہی کے لئے تاریخوں سے انتخاب

کر کے یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) مولوی محمد حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(بیرم خاں کو تو ایک عالم جانتا ہے اب عبدالرحیم کی ماں کا خاندان بھی سن لو۔ کہ جمال خاں میواتی کی بیٹی اور حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی۔ بڑی بہن اکبر بادشاہ کے محل میں تھی۔ اور چھوٹی وزیر مذکور کے حرم سرا میں) دیکھو کتاب دربار اکبری صفحہ ۵۶۷

تاریخ مآثر الامرا کے مصنف سے تعجب ہو کہ اس نے بڑی لڑکی کی شادی ہمایوں بادشاہ سے لکھی ہے۔

یہ بات پہلے بھی بخوبی ثابت ہو چکی ہے کہ خانزادوں کو تاریخوں کے اندر میوات کی حکومت کی وجہ سے میواتی لکھا گیا ہے پس اس حوالہ سے جمال خاں قوم کا خانزادہ اور حسن خاں کا بھائی ثابت ہوتا ہے۔ اور ان کی رشتہ داریاں اکبر بادشاہ اور اس کے وزیر بیرم خاں سے ہونی ثابت ہوتی ہیں۔

(۲) مولوی مظہر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ

(فارسی تاریخیں حسن خاں خانزادہ کے تذکروں سے لبریز ہیں۔ اس کی ایک دختر اکبر کے مشہور وزیر بیرم خاں کے عقد میں آئی تھی۔ جس سے عبدالرحیم خاں خانان پیدا ہوا تھا۔)

ضمیمہ الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۲ء

(۳) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ

(نواب حسن خاں جو میوات کی حکومت کی وجہ سے فارسی کی تاریخوں میں حسن خاں میواتی کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بھتیجی سے اکبر کے وزیر بیرم خاں کا بیٹا عبدالرحیم خاں خانان پیدا ہوا تھا اسی قوم خانزادہ میں ہوا ہے)

دیکھو کارنامہ راجپوتان ہند صفحہ ۴۶۳۔

(۴) شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں خانزادہ رئیس میوات کا ایک بھائی جمال خاں تھا۔ اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک اکبر بادشاہ کے عقد میں آئی تھی اور دوسری بیرم خاں مدار المہام سلطنت کو بیاہی تھی۔ جس سے عبدالرحیم خاں خانان پیدا ہوا تھا۔)

دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۲۹۔

(۵) سید الطاف حسین صاحب لکھتے ہیں کہ

(جب ۹۶۸ھ میں بیرم خاں وزیر بدست مبارک خاں لوحانی پٹھان مارا گیا۔ تو بیرم خاں کے ملازموں نے اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو معہ اُس کی والدہ کے جو کہ دختر جمال خاں چچازاد بھائی حسن خاں خانزادہ کی تھی احمد آباد گجرات میں پہنچا دیا۔)

تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۱۴۱۔

(۶) یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں خانزادہ کے چچازاد بھائی جمال خاں کی بیٹی۔ اور بیرم خان ترکمان شریف قوم کی زوجہ۔ عبدالرحیم ملقب بہ خاں خانان کی والدہ تھی)

تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۷۶۔

(۷) مرزا محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ

(محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور وغیرہ ملازمین بیرم خاں نے اس کے فرزند مرزا عبدالرحیم کو جو کہ ماہ صفر ۹۶۴ھ میں پیدا ہو کر اس وقت چار سال کا تھا۔ اس کی والدہ کے ہمراہ جو کہ دختر جمال خاں چچیرے بھائی حسن خاں میواتی کی تھی احمد آباد گجرات میں لے گئے۔)

تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۵۷۔

(۸) مسٹر سی۔ اے ہیکیٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(ہمایوں بادشاہ نے جمال خاں خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔ یہ جمال خاں حسن خاں خانزادہ کا جو کہ بابر بادشاہ کا حریف تھا چچازاد بھائی تھا۔ اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خاں خان خانان سے ہوئی تھی جس سے عبدالرحیم پیدا ہوا تھا۔)

دیکھو ترجمہ گزیٹیر الور صفحہ ۱۷۰۔

(۹) میر عبدالرزاق صاحب لکھتے ہیں کہ

(مرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خاں است۔ والدہ اش از نژاد خانان میوات بود۔ چوں جنت آشیانی در سن نہصد و شصت و یک بدارالملک

دہلی نزولِ اقبال فرمودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شد۔ برائے استمالت و تالیفِ زمینداران اطراف و جوانب اولیائے دولت را با فرزندانِ آں طبقہ نسبت میکرد۔ جمال خاں عم زادہ حسن خاں میواتی کہ او از زمینداران معتبر ہندوستان بود۔ چوں بملازمت رسید۔ دو صبیہ داشت۔ کلاں را بادشاہ در حبالۂ عقدِ خود آورد۔ و دوم را به بیرم خاں تزویج فرمود۔)

دیکھو کتاب مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۶۹۳ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء

(۱۰) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(میوات کے زمینداروں کی تسلی و تشفی کرنے کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں کے ساتھ ناطے رشتے کرنے شروع کئے۔ چنانچہ حسن خاں میواتی کے چچازاد بھائی جمال خاں کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی۔ اور دوسری کے ساتھ بیرم خاں وزیر اعظم کی شادی کرائی اُس وقت یہ ناطے رشتے کرنا انتظام ملکی کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۲۶۔

دوئم۔ دیگر شرفا کے ساتھ

(۱) سید الطاف حسین صاحب لکھتے ہیں کہ

(سادات اور خانزادوں کا باہم رشتہ ناطہ ایک عرصے تک ہوتا رہا ہے۔ مگر اب تھوڑے عرصہ سے یہ عمل مسدود ہو گیا ہے۔)

تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۷۶۔

نوٹ یہاں پر سید صاحب نے جو فرمایا ہے کہ اب یہ عمل مسدود ہو گیا ہے۔ درست نہیں کیونکہ بہادرپور و کھیرتھل۔ ریاست الور میں اب تک یہ عمل جاری ہے۔

(۲) مولوی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ

(چند بڑے بڑے دیہات مثل بہادرپور۔ نوانگر۔ بھونکر۔ منڈھا۔ نوازپور، کھیرتھل وغیرہ میں سیدوں کی آبادی ہے ان کے بزرگ اقلیم خاں اور بہادر خاں

خانزادگان والیان میوات کے زمانہ میں اپنی ولایت سے یہاں آ گئے اور خانزادوں نے ان کو یہاں بسا کر ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے شروع کر دیے)

دیکھو تاریخ خانان میوات قلمی تحریر کردہ ۱۳۰۲ھ

(۳) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(خانزادوں کی رشتہ داریاں اکثر سادات سے ہوتی رہی ہیں۔)

کتاب حکایات میوات قلمی در کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔

(۴) مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری لکھتے ہیں کہ

(خانزادوں کا تاریخی سلسلہ کتابوں میں بہت مذکور ہے۔ وہ تاریخوں کے ذریعہ نومسلم چندربنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں۔ جن کی رشتہ داریاں اکثر شریف لوگوں اور ان نومسلموں سے ہوتی رہی ہیں جو چوہان وغیرہ قوم میں سے مسلمان ہونے کے بعد الور اور ہریانے کے علاقہ میں رانگھڑ کہلاتے ہیں)

دیکھو تاریخ کا ناموۂ راجپوتانِ ہند صفحہ ۳۴۵ مطبوعہ بریلی پریس۔

(۵) پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور لکھتے ہیں کہ

(خانزادوں کی رشتہ داریاں سیدوں اور پٹھانوں سے ہوتی رہتی ہیں۔ مگر رانگھڑ لوگ سیدوں اور پٹھانوں سے رشتے ناطے نہیں کرتے)

وقائع راجپوتانہ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ صفحہ ۲۷۶۔

(۶) شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

(خانزادے لوگ بعض رسومات شادی ہنود کے مطابق پہلے سے کرتے آئے ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں سادات اور مسلمان چوہانوں سے ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اب دوسرے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھی رشتے ناطے کرنے لگے ہیں۔)

کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۳۰۔

(۷) مسٹر رام سروپ صاحب گپتا سابق اتالیق رانا صاحب ریاست وحامی تحریر فرماتے ہیں کہ

(خانزادے انگریزی علاقہ میں زیادہ تر نوح اور فیروز پور جھرکہ کی تحصیل میں جو ضلع گوڑگانوہ میں ہیں پائے جاتے ہیں۔ ان کا نکاس یادوبنسی راجپوتوں سے

ہے۔ جن کے بزرگ سومترپال یا سانبرپال کو فیروز شاہ بادشاہ نے مسلمان بنایا تھا
یہ لوگ میوؤں کے ساتھ مطلق بیاہ شادی نہیں کرتے۔ بعض عمارات اب تک بھی
ان کی پرانی عظمت و شان کو ظاہر کرتی ہیں۔)
جغرافیہ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۶۵ مطبوعہ ۱۹۳۲ء

(۸) چودھری نذیر احمد خاں صاحب مرحوم متوطن کوٹ قاسم کا رشتہ بھی جو شہر جے پور میں وکیل تھے ۱۹۲۰ء میں قصبہ کلانور ضلع رہتک کے نو مسلم پنوار راجپوتوں میں ہوا ہے۔

(۹) قصبہ کھیرتھل پرگنہ کشن گڑھ اور بہادر پور پرگنہ الور میں تا حال خانزادوں کی رشتہ داریاں سیّدوں سے ہو رہی ہیں۔ چنانچہ قصبہ بہادر پور میں فیض اللہ خاں خانزادہ اور فدا علی سیّد دونوں ماموں بھوپی کے بھائی حال میں موجود ہیں۔

مندرجہ بالا قوموں کے سوا اور کسی قوم کے ساتھ آج تک خانزادوں کے رشتے ناطے تاریخوں کے ذریعہ ثابت نہیں ہوتے۔ اور بغیر تاریخی حوالوں کے کسی عمر۔ بکر و زید کا زبانی قول قابل سند نہیں ہوسکتا ہے

اور امتحان بغیر تو میر دوست آپ کا۔ قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

مندرجہ بالا ناطے رشتوں کو پڑھکر شاید کوئی شخص یہ خیال کرنے لگے۔ کہ شاہانِ دہلی کے ساتھ خانزادوں کے جو رشتے ناطے ہوئے تھے وہ کسی خوف یا دباؤ یا لالچ سے ہوئے ہونگے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم چند تاریخی حوالے ایسے پیش کرتے ہیں جن کو پڑھکر معترض کا ضرور اطمینان ہو جائیگا۔ حوالے حسب ذیل ہیں۔

(۱) میر عبدالرزاق صاحب المخاطب بہ نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں خوانی، اورنگ آبادی لکھتے ہیں کہ

امرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خاں است۔ والدہ اش از نژادِ خانانِ میوات بود۔ چوں جنت آشیانی در سنِ نہصد و شصت و یک (۹۶۱) بدار الملک دہلی نزول اقبال نمودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شد۔ بنائے استمالت و تالیفِ زمینداران اطراف و جوانب۔ اولیائے دولت را با فرزندانِ

آں طبقہ نسبت میکرد۔ جمال خاں عم زادہ حسن خاں میواتی کہ از زمینداران معتبر ہندوستان بود۔ چوں بملازمت رسید ۔ دو صبیہ داشت۔ کلاں را بادشاہ درحبالہ عقد خود آورد ۔ دُوم را بہ بیرم خاں تزویج فرمود)
کتاب مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳ ۹ ۶ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء
اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے صاف بادشاہ کی خواہش پائی جاتی ہے جو بصورت درخواست ہے۔

(۲) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ
(میوات کے زمینداروں کی تسلی وتشفی کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں سے ناطے رشتے کرنے شروع کردئے۔ چنانچہ حسن خاں میواتی والئی میوات کے چچازاد بھائی جمال خاں کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی۔ اور دوسری کے ساتھ بیرم خاں وزیر کی شادی کرائی۔ اس وقت یہ ناطے رشتے کرنا انتظام ملکی کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا)
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۲۶۔
اس حوالہ میں صاف لکھا ہے کہ میواتیوں کی تسلی وتشفی کے واسطے اکبر نے خانزادوں کے ساتھ رشتہ ناطے کئے تھے تاکہ ملک کا انتظام قائم رہے اور یہ لوگ ناخوش ہوکر بغاوت نہ کردیں۔

(۳) مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ
(ہمایوں بادشاہ کی جو لڑائی تخت دہلی کو واپس لینے کے لئے شیر شاہ کے خاندان والوں سے ہوئی تھی۔ اس میں ہمایوں کے برخلاف خانزادوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ ہمایوں نے جمال خاں خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کرکے ان خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔)
ترجمہ گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۸۴۔
اس حوالہ میں صاف اپنی طرف ملانے کا ذکر موجود ہے۔

(۴) سلطان بہلول لودھی کے خاندان میں احمد خاں خانزادہ کے ساتھ رشتے کا تعلق اسی وجہ سے ہوا تھا کہ وہ خانزادوں کی بغاوت سے ڈر کر ان کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا

تھا۔ نیز علاول خاں خانزادہ والئی میوات کا رشتہ بھی ہمایوں اعظم خاں افغان شیروانی امیرالامرا دربار بہلول لودھی۔ کے ساتھ اسی غرض سے کرایا گیا تھا۔ تاکہ ملکی انتظام قائم رہے۔

(۵) جہانگیر بادشاہ خود اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ

(راجاؤں کی ملکی ضرورتیں ایسی تھیں جن سے وہ بادشاہوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے لیکن بادشاہ بھی ان سے یگانگت اور دوستی پیدا کرنے کے لئے اسی طرح خواہشمند تھے جس طرح خود راجپوت تھے۔ اس غرض سے دوسرے خاندانوں میں بھی سلیم کی شادیاں کیں۔)

بحوالہ کتاب کارنامہ راجپوتان ہند صفحہ ۳۹۲ نجم الغنی صاحب۔

چنانچہ اسی غرض کے لئے اکبر نے شاہزادہ سلیم کی شادیاں دوسرے راجپوت خاندانوں میں بھی کی تھیں۔

(۶) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(ترکوں کی عادت میں یہ بات داخل تھی کہ جہاں وہ جاتے تھے وہیں کی عورتوں سے رشتہ مندی بھی پیدا کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے اکبر نے یہ عزم مصمم کر لیا تھا۔ کہ چنگیز۔ تیمور۔ اور بابر کی رگوں کے خون کو راجپوتوں کے خالص خون سے مخلوط کردوں۔ تاکہ اس رشتہ مندی کے ہونے سے راجپوت راجا اور ان کے عزیز و اقارب میری اعانت اور مدد پر مستعد ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ خیال اس کا صحیح نکلا۔ اسی واسطے مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کے راجاؤں کے ساتھ رشتہ مندی کا جو رواج دیا۔ اس سے بادشاہوں کو دو فائدے حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ راجپوتوں کا تعصب مسلمان بادشاہوں کے ساتھ کم ہو گیا۔ دوئم یہ کہ راجپوتوں کی تلواریں بادشاہوں کی حمایت کرنے لگیں۔ اور ان کی برچھیوں کی نوکیں شاہی تخت کو سہارنے لگیں۔ اگر کل بادشاہ اکبر کا ہی طریق کار اختیار کرتے۔ تو اُن کی سلطنتیں لازوال ہو جاتیں۔ مگر اورنگ زیب وغیرہ نے سلطنت کو بگاڑ دیا انہوں نے اُن راجپوتوں کو ناراض کر دیا۔ جنہوں نے سلطنت کو معراج پر پہنچا دیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کی سلطنت کی خاک اڑ گئی)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۷۹۹، ۸۰۰۔

ان تمام اقتباسوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ شاہانِ دہلی کے ساتھ خانزادوں اور دوسرے ہندو راجپوتوں کی رشتہ داریاں کسی لالچ یا دباؤ یا ڈر کی وجہ سے نہیں ہوئی تھیں بلکہ شاہان دہلی اپنی حمایت اور مدد حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ ناطے رشتے کرنے کے لئے خود اپنی طرف سے درخواستیں کرتے تھے۔ اور ان کی تالیفِ قلوب کو نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ تاکہ یہ لوگ ہندوستان کی تسخیر اور حکومت کی بقا اور مضبوطی کے لئے ہمیشہ کام آتے رہیں۔ خانزادوں نے اپنی طرف سے کوئی سبقت نہیں کی تھی۔ اور یہ معاملہ بالکل ایک مساویانہ حیثیت رکھتا تھا۔ بعض راجپوت اس درخواست کو منظور کر لیتے تھے اور بعض رد کر دیتے تھے۔ مثلاً بہاری مل و بھگوانداس رئیسان آمیر نے یہ درخواست منظور کر لی تھی۔ اور رانا پرتاب سنگھ رئیس میواڑ نے رد کر دی باوجودیکہ وہ اس انکار سے ہمیشہ دُکھ اٹھاتا رہا۔

۹۔ خانزادوں کی پولیٹیکل طاقت وعظمت پر چند مؤرخوں کی مختصر رائیں

خانزادوں کے مورثِ اعلیٰ سانبر پال کے آباد و اجداد کے پاس سے میوات کی خود مختار حکومت تعاقبی وقت جاتی رہی تھی۔ جبکہ راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ سے محمد غوری نے ۵۹۲ھ میں تہن گڑھ کا قلعہ فتح کر کے اپنے سردار بہار الدین طغرل کو دے دیا تھا۔ اس کے بعد سانبر پال کے اسلام لانے تک جو لوگ پیدا ہوئے۔ وہ بلحاظ حکومت بہت مشہور نہیں ہوئے۔ بلکہ صرف چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے مالک تھے۔ جن پر اُن کی گذر اوقات منحصر تھی۔ ان لوگوں نے اپنی سکونتیں زیادہ تر پہاڑوں کے ارد گرد بنائی ہوئی تھیں۔ یہ سکونتیں ایک طرف تو الور سے دہلی تک دہلی پہاڑ کی اُس شاخ کی گرد و نواح میں تھیں جسے عام لوگ کالا پہاڑ کہتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے مشرق میں اس کی متوازی شاخ کے ارد گرد جو شمالاً جنوباً قصبہ تہنہ کے مشرق سے لیکر کلینجر۔ بازید پور

بنگواں ۔ خان پور ۔ جھراوٹ بسئی خانزادہ بھرتی ہوئی قصبہ پہاڑی اور قصبہ کاماں ریاست بھرت پور تک چلی گئی ہے انہیں لوگوں کی آبادیاں پائی جاتی ہیں ۔ ساتپر پال کے باپ لکھن پال اور واد الشراج نے خود اپنی سکونت مقام سرہٹہ پرگنہ تجارہ میں رکھی تھی ۔ جو عین دامن کوہ میں واقع ہے ۔ چونکہ یہ مقامات ان لوگوں کے موروثی تھے ۔ جو میوات کے فراخ علاقہ میں آباد ہیں ۔ اس علاقہ میں گھندار درخت بکثرت پائے جاتے تھے ۔ اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ مقامات دشوار گذار بھی ہیں ۔ ان وجوہات سے یہ بات قطعی ثابت ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کے لئے اپنی راجپوتی آن بان قائم رکھنے ۔ بادشاہ وقت سے بغاوت و سرکشی اختیار کرنے اور اپنی آزادی اور خودمختاری کو برقرار رکھنے کے لئے یہ مقامات نہایت موزوں اور مناسب تھے ۔ اسی وجہ سے یہ لوگ بادشاہ وقت سے جب چاہتے تھے بگڑ بیٹھتے تھے ۔ اور خودمختاری کا جھنڈا نصب کر کے علاقہ میوات کا محاصل دبا بیٹھتے تھے ۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بھی اپنی تاریخ میں میوات کے اندر خانزادوں کی خودمختاری کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں میواتی اور اس کے آباؤ اجداد شاہان دہلی کے برائے نام مطیع تھے ۔ ان لوگوں کے زمانہ میں ملک میوات کے اندر سلاطین دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی نصیب نہیں ہوئی ۔ کیونکہ میوات کا علاقہ بہت فراخ ہے ۔ اور اس میں پہاڑ اور خودرو جھاڑیاں ایسی ہیں جن میں ان میواتی سرداروں اور جاگیرداروں کو حملے کے وقت پناہ لینے کا خوب موقعہ مل جاتا تھا ۔ چنانچہ جب کبھی ان پر دہلی کی طرف سے فوج کشی ہوتی تھی ۔ تو یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے تھے ۔ لیکن جب کبھی میدانوں میں جم کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ۔ تو فوراً پناہ لینے کے لئے پہاڑوں میں جا گھستے تھے ۔ جس کی وجہ سے حملہ آور اکثر محروم ہو کر واپس جاتے تھے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۱۱۰ ۔

اس بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ میوات کی حکومت پر خانزادوں نے ہمیشہ خودمختارانہ حکومت کی تھی ۔

پہلے زمانہ میں آجکل کا سا عمدہ انتظام نہ تھا ۔ بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا حال ہو رہا تھا ۔ اس وجہ سے ہر ایک زبردست شخص کچھ علاقہ دبا کر خودمختار حاکم بن بیٹھتا

تھا جس کی وجہ سے ملک کے اکثر حصوں میں بدامنی۔ بغاوت اور شورش پھیلتی رہتی تھی چنانچہ خاندان تغلق۔ سادات اور لودھی بادشاہوں کو کبھی چین سے حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی جس زمانہ میں سلطنت دہلی کے اندر ابتری اور طوائف الملوکی ہونے سے ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ تو اس ضعف سے فائدہ اٹھا کر بہادر ناہر خاں اور اس کے بیٹے پوتوں نے سلطنت دہلی کے اندر بہت بڑا رسوخ اور اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ یہ لوگ کبھی ایک بادشاہ کے مددگار بن جاتے تھے اور کبھی دوسرے کے۔ اگر اس لحاظ سے خانزادوں کو شاہانِ دہلی کی طوائف الملوکی کے زمانہ کا بادشاہ گر کہہ دیا جائے تو کچھ بھی مبالغہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہادر ناہر خاں۔ اقبال خاں جلال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں وغیرہ والیان میوات نے تغلق بادشاہوں میں سے غیاث الدین تغلق ثانی ابوبکر۔ ناصر الدین محمد۔ ناصر الدین محمود اور سیدوں میں سے خضر خاں۔ محمد شاہ مبارک شاہ۔ علاء الدین اور پٹھانوں میں سے بہلول لودھی اور سکندر شاہ لودھی وغیرہ بادشاہوں کو کٹ پتلی بنا کر نچایا تھا۔ ابوبکر اور نصرت شاہ کو دہلی اور فیروز آباد کے اندر تین سال تک متواتر آپس میں لڑایا۔ اور ان کی طاقت کو کمزور بنایا۔ اقبال خاں وزیر اعظم ناصر الدین محمود نے اپنے بادشاہ کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا تھا۔ ورنہ وہ اقبال خاں کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ حکومت دہلی کے کل اختیارات اقبال خاں ہی کو ہاتھوں میں تھے۔ اقبال خاں کے اس اقبال کا ذکر مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اس طرح لکھا ہے کہ

(امیر تیمور کہتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے مرنے کے بعد اس کے امراء میں سے دو بھائی جن میں سے ایک کا نام ملو خاں عرف اقبال خاں اور دوسرا سارنگ خاں ہے۔ بالکل سلطنت کے کاموں کا اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ اور خود مختار ہو گئے ہیں اور سلطان فیروز شاہ کے بیٹوں میں سے سلطان محمود کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ خود ہی بادشاہ بن رہے ہیں) دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۸۴۲۔

اس تحریر سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ خانزادے لوگ اپنے زمانہ میں بہت بڑے عروج پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور خود مختارانہ حکومت کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جس بادشاہ سے یہ لوگ خوش ہو جاتے تھے اس کو سلطنت دلا دیتے تھے اور جس سے ناخوش ہوتے تھے اس کو تخت کے بدلے تختہ ہی نصیب ہوتا تھا۔

خانزادوں کے اس اقبال و عروج کا زمانہ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے بابر بادشاہ کے زمانہ تک رہا۔ اس کے بعد حسن خاں کے مارے جانے پر ان کی پولیٹکل طاقت کمزور ہو گئی۔

اب ہم مختلف مورخوں کی رائیں پیش کرتے ہیں جو انہوں نے خانزادوں کی پولیٹکل طاقت و عظمت پر اپنی اپنی تاریخوں میں تحریر فرمائی ہیں۔

ا۔ حمید قلندر شاعر کی رائے

(بعہد فیروز شاہ باربک سنہ ھ میں پہلے پہل جس جادو بنسی راجپوت نے غاشیہ زمانبرداری دین و مذہب کا دوش پر اپنے رکھا اور آبیاری کلمہ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و شاداب بنایا۔ وہ ناہر خاں مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات اور اس کا خلف بلی بہادر خاں ہوا ہے جن کے مورثوں کا زاد بوم مقام تہن گڑھ علاقہ بیانہ ہے۔ اقبال کی رہبری سے وہاں سے برآمد ہو کر اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت ملک میوات کو تاخت و تاراج کیا۔ اور پیشہ راہ زنی اور غارتگری کا اختیار کرکے اپنی حکومت قائم کی۔ شدہ شدہ ایک بڑی جماعت بہم پہنچائی اور اس دیار میں بڑے نامی و گرامی ہو کر عنایات شاہی کی بدولت معزز و رئیس میوات ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ سے لیکر تا عہد بابر بادشاہ کہ اس وقت میں ان کی اولاد سے حسن خاں خانزادہ حاکم و مالک قلعہ الور تھا ریاست و حکومت ولایت میوات کی بالا استقلال قریب دو سو سال کے خاندان میں ان کے رہی اس عرصے میں یہ لوگ کبھی تو اطاعت و فرمانبرداری شاہان دہلی کی کرتے تھے۔ اور کبھی حاکم با اختیار ہو کر جنگ و سرکشی اور بغاوت پر کمر باندھ لیتے تھے)

دیکھو کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی۔

۲- پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرتپور کی رائے

رپورٹ ۱۸۸۱ء سے معلوم ہوتا ہے کہ

(خانزادے لوگ اگرچہ باعتبار تعداد تھوڑے ہیں۔ مگر جادو راجہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بہت مشہور اور بہادر ہیں اسی سبب سے چندربنسی کی عمدہ نسل سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس جادو خاندان سے دو بھائی سانبر پال اور سوپر پال فیروز شاہ کے عہد میں بعرصہ پانچ سو پچاس سال مسلمان ہوئے تھے۔ اور بادشاہ مذکور کے متوسلوں اور معتمدوں میں داخل ہوکر بخطاب نوابی جھجر اور ریواڑی کے نواح میں مسکن گزیں ہوئے تھے۔ ان کے پاس صدہا دیہات تھے۔ مگر جب حکومت جاتی رہی۔ تو اب صرف زمیندار رہ گئے ہیں۔ ملک میوات کی نزاعوں اور تکراروں میں جو اکثر بادشاہان دہلی کے ساتھ ہوتی رہی ہیں۔ خانزادے صدہا سال سے ان میں کارہائے نمایاں کرتے اور داد شجاعت دیتے رہے ہیں۔ لیکن اس موجودہ صدی کے شروع سے ان کی اس علاقہ میوات میں کہیں حکومت باقی نہیں رہی۔ آج کل بھی اگرچہ اُن کی آبادی بہت تھوڑے دیہاتوں میں رہی ہے۔ تاہم یہ بہت دلاور اور مہم آور قوم مانی جاتی ہے۔ علاقہ الور کی دیگر اقوام کی بہ نسبت انگریزی رسالوں میں خانزادے لوگ سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مسلمان راجپوت جو رانگھڑ کہلاتے ہیں۔ وہ خانزادوں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور وہ بادشاہوں کے عہد حکومت میں حکماً مسلمان ہوئے ہیں مثل خانزادوں کے انہوں نے دل سے کبھی اسلام قبول نہیں کیا۔ خانزادوں کی تو سیدوں اور پٹھانوں سے اکثر رشتہ داریاں ہوتی رہی ہیں۔ مگر رانگھڑوں کی سیدوں وغیرہ دیگر اقوام سے رشتہ داریاں نہیں ہوتیں)

دیکھو کتاب وقائع راجپوتانہ صفحہ ۲۷۶ -

۳۔ مولوی مظہر الدین صاحب منیجر اخبار الامان دہلی کی رائے

جیسا کہ قلعہ الور کے نام سے بھی ثابت ہے کہ یہ قلعہ مسلمانوں نے تعمیر کرایا تھا۔ پہلے یہاں چوہان راجپوت رہتے تھے۔ جو نکمب کے لقب سے مشہور تھے۔ سمت ۱۵۴۹ بکرمی میں علاول خاں بہادر نے جو ایک خانزادہ سردار تھا نکمبوں کو شکست دی۔ اور انہیں قتل کیا۔ اس لئے کہ رہزنی اور غارتگری ان نکمبوں کا پیشہ تھا۔ اور مخلوق خدا ان کے جور و جبر سے تنگ تھی۔ پہلے یہاں صرف پتھروں کا ایک احاطہ تھا۔ جس کے اندر نکمب رہتے تھے لیکن علاول خاں خانزادے نے اسے ایک قلعہ کی شکل میں تعمیر کیا۔ یہ شخص افغان بادشاہوں کے زمانہ میں ایک بڑا بہادر امیر گذرا ہے جو افغانوں کی حمایت میں بابر سے بھی لڑا تھا اور جب اس کا بیٹا حسن خاں بابر کے مقابلہ میں مارا گیا۔ تو مغلوں نے الور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

الور کی وجہ تسمیہ میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ علاول خاں بانی کے نام پر اس کا نام علاول مشہور ہو گیا۔ اور پھر تبدیل اسماء کے مختلف مدارج سے گذر کر الور ہو گیا۔ یہ قوم خانزادہ چندر بنشی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ثابت ہوتی ہے۔ سری کرشن کی بارہویں پشت میں ایک شخص تہن پال تھا جس نے شہر بیانہ کے قریب قلعہ تہن گڑھ تعمیر کیا یہ تہن پال جادو خانزادوں کا مورث اعلےٰ ہوا ہے۔ اسکی ساتویں پشت میں سانبر پال اور شوبر پال دو بھائی تھے یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں تخت نشین ہوئے اسکے بعد برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔

خانزادوں نے بڑے بڑے کار ہائے سلطنت انجام دئے ہیں۔ اور ان میں سے بہت نامور اصحاب پیدا ہوئے ہیں جن کا حال مختصراً اتنا ظاہر کر دینا مناسب ہوگا کہ (علاول خاں بانی قلعہ الور کا فرزند نواب حسن خاں میوات کی تاریخ میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ اور فارسی تاریخیں اس حسن خاں میواتی کے تذکروں سے لبریز ہیں۔ اس نے دس ہزار سواروں کے ساتھ بابر جیسے باسطوت بادشاہ سے جنگ کی تھی۔ اسی کی ایک دختر اکبر بادشاہ کے مشہور وزیر نواب بیرم خاں کے عقد میں آئی تھی۔ جس کے بطن سے عبدالرحیم خان خاناں پیدا ہوا

تھا۔ اسی لائق خان کی آغوشِ تربیت تھی جس سے نکل کر خان خانان دورِ اکبری کے آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارہ بن کر چمکا تھا۔

شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں فیروز خاں خانزادے نے دہلی میں خاص رسوخ حاصل کیا۔ اور نواب کے خطاب سے مشرف ہوا۔ اس نے شاہ جہاں کے نام پر شاہ آباد بسایا تھا)

دیکھو ضمیمہ اخبار الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۲ء

۴۔ شیخ محمد مخدوم صاحب کی رائے

ہمارے نامہربان شیخ صاحب بھی یہ لکھتے ہیں کہ

(یہ خانزادے لوگ سابق میں بہت معزز اور نامور ہوئے ہیں۔ پہلے ان کی جاگیریں بہت تھیں۔ اب عہدہ چودھرات زمانہ اکبر بادشاہ سے تجارہ والوں کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ امیر خاں اور ننھے خاں چودھریاں تجارہ اس وقت مقرر ہیں۔ قیام سلطنت تیموریہ سے بروئے سند لشکر خاں کو عالمگیر بادشاہ کے عہد تک بابت حقِ چودھر معقول رقم ملتی رہی ہے۔

اطراف پورب میں جو خانزادے یہاں کے سابق سے گئے ہوئے ہیں۔ وہ اب تک بھی وہاں پر رئیس اور جاگیردار ہیں۔

رسم ہنود جو اس قوم میں چلی آتی ہیں بعض ان میں سے موقوف ہو گئی ہیں اور بعض اب تک رائج ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں سادات اور مسلمان چوہانوں سے ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اب دوسرے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھی رشتہ کرنے لگے ہیں۔

اولاد ملک علاء الدین خان خانزادے سے تجارہ میں اکرام خاں اور شاہ آباد میں نواب فیروز خاں جاگیردار ہوئے ہیں۔ مگر یہ ایسے مشہور و نامور نہیں تھے جیسے بہادر خاں برادر ملک علاء الدین خاں کی اولاد میں سے ہوئے ہیں مثلاً قدو خاں۔ جلال خاں۔ احمد خاں۔ عالم خاں۔ ملک فخر الدین خاں حسن خاں وغیرہ)

دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۲۹ م ۳۰ ـ ← بیان خانزادگان صفحہ 18-9 ارژنگ تجارہ۔

۵۔ مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری کی رائے

(میوات کے پرگنہ تجارہ میں جو الور سے تیس میل شمال میں ہے ایک قوم خانزادہ نام قدیم سے آباد ہے۔ جو چندر بنسی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے سری کرشن جی کی باسھویں پشت میں ایک شخص تہن پال تھا۔ جس نے شہر بیانہ کے قریب قلعہ تہن گڑھ بنایا۔ تہن پال کا بیٹا باندہ پال مدت تک ادھر ادھر پھرتا رہا۔ آخر اس نے سمت ۱۱۷۳ بکرمی میں اجان گڑھ آباد کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اننتے پال جانشین ہوا۔ اننتے پال کا بیٹا اڈھان پال ہوا۔ اور اڈھان پال کا بیٹا انسراج ہوا۔ اس انسراج کے چند بیٹے تھے۔ ان میں سے لکھن پال پسر انسراج کے دو بیٹے سانبر پال اور شوبر پال پیدا ہوئے۔ یہ دونوں فیروزشاہ کے عہد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے باب میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رغبت دلی سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ غارتگری کی سزا میں قتل کے مستحق ہونے پر مسلمان ہوکر جان بری ہوئی تھی۔ خانزادوں کا بیان ہے کہ ہمارے بزرگوں کو خان جادو کا خطاب ملا تھا عوام غلطی سے خانزادہ کہنے لگے۔ لیکن محققین تاریخ کا گروہ اس پر ہے کہ اسلام لانے کے بعد بادشاہ نے ان کو خانزاد کا خطاب دیا تھا۔ جو بہت عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اور جو کوئی معزز ہندو مسلمان ہوتا تھا وہ خانزادہ کہلاتا تھا بہرصورت سانبر پال ایک شیر کو مارنے کی وجہ سے بہادر ناہر کے خطاب سے مخاطب ہوا اور شوبر پال چھجو خاں کہلایا۔

سانبر پال کے نو بیٹوں میں سے ملک علاء الدین نامی کی اولاد زیادہ پھیلی۔ ان خانزادوں کا بہت سی کتابوں میں تاریخی سلسلہ مذکور ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ نومسلم چندر بنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں جنکی رشتہ داریاں اکثر شریف لوگوں اور ان نومسلموں سے ہوتی رہی ہیں۔ جو چوہان وغیرہ

قوم میں سے مسلمان ہونے کے بعد العیاذ ہریانے کے علاقہ میں انگھڑ کہلائے ہیں
خانزادے لوگ چار پانچ سو برس سے اکثر نامور چلے آتے ہیں۔ نواب حسن خاں
جو میوات کی حکومت کے سبب سے فارسی کی تاریخوں میں حسن خاں میواتی کے
نام سے مشہور ہے اور جو بابر بادشاہ کے مقابلہ پر رانا سانگا کے ہمراہ دس ہزار
سوار لے جا کر مارا گیا تھا اور جس کی بیٹی سے اکبر کے وزیر بیرم خاں کا بیٹا عبدالرحیم
خان خانان سپہ سالار پیدا ہوا تھا۔ اسی خانزادہ قوم میں سے ہوا ہے۔
عہد شاہ جہاں بادشاہ میں فیروز خاں خانزادے نے رسوخ حاصل کرکے
خطاب نوابی پایا تھا۔ اور شاہ آباد کو آباد کیا۔ سو ڈیڑھ سو برس کے قریب
جاگیر اور حکومت جاتی رہنے کے سبب اب وہ انگریزی سواروں وغیرہ میں
نوکری کرتے ہیں۔ یا تجارہ وغیرہ مقاموں میں زمینداری کر رہے ہیں)
دیکھو تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۴۵-۳۴۶۔

۶ مولوی عبدالشکور صاحب
ایڈیٹر اخبار آفتاب میوات کی رائے

خانزادوں کا مورث اعلیٰ سانبر پال نامی جادو چھتری تھا جس کی مسلمان ہونے
کی روایت مولانا اکبر شاہ خاں صاحب اپنی قابل قدر کتاب آئینہ حقیقت نما میں اس طرح
لکھتے ہیں کہ

(بہادر ناہر میواتی کا اصل ہندوانی نام سمبر پال یا سانبر پال تھا جس زمانہ میں
شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ ایک دن سلطان فیروز شاہ تغلق
جنگل میں شیر کے شکار کو گیا۔ جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ساتھ تھے
ان میں سانبر پال بھی تھا۔ سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا۔ اتفاقاً کاری زخم
نہ لگا۔ شیر سلطان کی طرف جھپٹا۔ اسی حالت میں سانبر پال نے شیر کے تیر مارا
اور وہ سلطان تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر پڑا۔ سلطان نے اس

چابک دستی اور قادر اندازی سے خوش ہو کر سانبر پال کو بہادر ناہر کا خطاب دے کر میوات میں ایک جاگیر عطا کی۔ جو موجودہ ضلع گوڑگانوہ کی تحصیل نوح میں تھی۔

بہادر ناہر نے اس جاگیر میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ بنایا۔ جو کوٹلہ بہادر ناہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعہ کے نشانات اب تک موضع کوٹلہ میں موجود ہیں۔ بہادر ناہر نے کچھ دنوں بعد ہی اسلام قبول کر لیا۔ اور فیروز تغلق کی وفات کے بعد سلطنت دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر میوات پر قابض و متصرف ہو گیا۔ بہادر ناہر کو بعد میں اسی بادشاہ کی طرف سے خان جادو کا معزز لقب ملا تھا جس کو بعد میں خانزادہ بنا لیا گیا۔

بہادر ناہر کی اولاد بہت دنوں تک برسر عروج رہی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو انہوں نے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لیا تھا۔ خانزادوں کی قوم ایک بڑی قوم ہے جو یو۔پی پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ مقامات میں بکثرت ملتی ہے۔ خانزادے کئی نسلوں سے ہیں۔ بعض ان میں سے اپنے کو ملک بھی کہتے ہیں جو خانزادوں کا ہی پرانا نام ہے)

دیکھو رسالہ حالات میوان صفحہ ۳۳، ۳۴۔

یہی صاحب اپنی دوسری کتاب تاریخ میوات میں لکھتے ہیں کہ

(خانزادہ جو جادو نسل سے ایک ممتاز فرقہ ہے۔ ایک عرصہ دراز تک اپنے میواتی مسلمان بھائیوں پر حکمرانی کرتا رہا ہے۔ بعض مسلم تاریخوں میں ان خانزادوں کو میواتی ہی کہا گیا ہے اور وہ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔ میوات میں القاب و خطاب راجگی۔ کنور۔ ٹھاکر۔ چودھری۔ میاں۔ خان وغیرہ سے ان کو یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ خانزادہ قوم کا مورث اعلیٰ سانبر پال فیروز شاہ بادشاہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا جس نے اُسے بہادر ناہر اور خان کا خطاب دیا تھا۔ اسی واسطے اب خانزادہ قوم کے ہر ایک فرد کو خاں صاحب کہتے ہیں۔ اور یہ خانزادہ قوم اسی نام سے موسوم ہوئی۔

خانزادے بھائی اپنی قومیت کے بارہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں کبھی مغل بنتے ہیں کبھی پٹھان۔ جو سراسر علم تاریخی سے لاعلمی پر دال ہے۔ ورنہ وہ خاصے جادو نبی

نسل کے چھتری ہیں۔ جب بہادر ناہر میوات کا حاکم بن بیٹھا تو سلطان ابوبکر تغلق نے کئی بار اس سے مدد مانگی تھی۔ میوات کی حکومت مدت تک اس کی اولاد کے پاس رہی کیونکہ اس نے اپنی عین حیات میں ہی اپنا علاقہ اپنے لڑ بیٹوں میں تقسیم کردیا تھا) دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۵۸ لغایت ۸۰ ۔

نوٹ: ۔ یہاں پر مولوی صاحب نے غلطی کھائی ہے۔ اول ان کا یہ لکھنا غلط ہے کہ خانزادے اپنا خطاب خان جادو بتاتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ خانزادے اپنا خطاب خان اور خانزادہ بتلاتے ہیں جس کا مفصل بیان خطاب کے بیان میں گذرا۔ دوئم یہ بھی غلط لکھا ہے کہ خانزادے کبھی مغل بنتے ہیں اور کبھی پٹھان ۔

بھلا خانزادوں کو مغل اور پٹھان بننے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ قوم سے یہ نجیب الطرفین حکومت ان کے گھر کی لونڈی ہی۔ ان کا خاندان پانچ ہزار سال سے ہندوستان پر حکومت کر رہا ہے۔ پھر انہیں کسی دوسری قوم کی طرف منسوب ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اس غلطی کا باعث یا تو مولوی صاحب کا سہو اور تاریخی ناواقفیت ہے یا محض ایجاد بندہ ہے۔ ورنہ اصلیت اس کی کچھ بھی نہیں ہے ۔

۷۔ مسٹر سی اے ہیکٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ الور کی رائے

میوات کی آبادی کا زیادہ حصہ میو پر مشتمل ہے۔ جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن ان میوؤں کو ان مسلمان میواتی سرداروں سے ہرگز خلط ملط نہیں کرنا چاہیے جن کا ذکر فارسی تاریخ دانوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں کیا ہے۔ کیونکہ وہ میواتی سردار صرف خانزادے ہیں۔

خانزادہ وہ قوم ہے جو کہ میوؤں کی طرح سے مذہب سے اگرچہ مسلمان ہیں مگر طرز تمدن اور معاشرت میں پہلے سے بھی اور اس موجودہ وقت میں بھی اُن سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ اور اُن کو میوؤں کے ساتھ کوئی بھی نسبت یا تعلق نہیں ہے لیکن بہت پرانے

زمانہ میں بغاوت اور شورو شر کے موقعوں پر وہ بھی میوؤں کے حامی بن جاتے تھے۔ انہیں لوٹ مار کے واسطے میوات بہت شہرت پذیر رہی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ میوات شاہانِ دہلی کے پہلو میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔

درحقیقت میواتی لفظ کا مفہوم صرف حکومت کرنے والی جماعت کے لئے مقرر ہے اور میو کا لفظ صرف محکوم جماعت کے لئے آیا ہے۔

اگرچہ میو کا لفظ موجودہ زمانہ کی ساخت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ تاریخوں میں نہیں ملتا۔ لیکن میواتی لفظ غیر معمولی طور پر خانزادے کے لفظ سے تبدیل ہو گیا ہے۔ میواتی اور خانزادہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ چاند بھاٹ نے بھی پرتھی راج راسا کتاب میں میوات کا بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میوات کے حکمراں جادو بنسی خاندان سے ہوئے ہیں۔ جسکا ثبوت مقامی روایتوں سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ اور فارسی تاریخ والوں نے بھی ان جادو لوگوں کو جو بعد میں مسلمان ہو گئے میواتی کے نام سے پکارا ہے۔ اور میواتی کا لفظ چاند بھاٹ نے بھی اُن سرداروں کے واسطے استعمال کیا ہے جو کہ چندر بنسی خاندان سے تھے۔ اور جادو مہاراجہ قرولی اپنے آپکو جن کا بڑا سردار کہتا ہے۔

میوات کے حکمرانوں کے تعلقات شاہانِ دہلی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ فیروز شاہ بادشاہ کی وفات یعنی ۱۳۸۶ء کے بعد بہادر ناہر میواتی ایک شخص ملتا ہے۔ جسکا ہندوانی نام سانبھر پال تھا۔ اور جسکا قلعہ کوٹلہ تجارہ کی پہاڑیوں میں ہے۔ اس بہادر ناہر کی دہلی دربار میں بڑی زبردست شخصیت تھی۔ یہ بہادر ناہر جو کہ پیدائشی جادو قوم کا تھا قوم خانزادہ کا مورث اعلےٰ ہوا ہے۔ جس کی سلطنت کی تاریخ بعد میں بہت مشہور ہو گئی تھی۔

بہادر ناہر نے فیروز شاہ کے پوتے ابوبکر کی بڑی مدد کی تھی۔ اس ابوبکر نے یہ کوشش کی تھی کہ میں اپنے چچا ناصر الدین محمد شاہ کو دہلی سے نکال کر خود تخت نشین ہو جاؤں لیکن چند ماہ بعد ابوبکر ناصر الدین محمد شاہ سے مغلوب ہو گیا۔ اور بہادر ناہر کے پاس جا کر کوٹلہ کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا مگر ناصر الدین نے اسکا تعاقب کیا اور لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں بہادر ناہر اور ابوبکر دونوں پسپا ہو گئے۔ ابوبکر تو عمر بھر کے واسطے نظر بند کیا گیا۔ اور بہادر ناہر نے تمام علاقہ کو دہلی دروازہ تک غارت کر دیا مگر ناصر الدین بعد بیمار ہو گیا۔ بہادر ناہر نے تمام علاقہ کو دہلی دروازہ تک غارت کر دیا۔ مگر ناصر الدین دہلی

سے پہلے کہ پوری طرح صحتیاب ہو میوات میں کوٹلہ کے مقام پر حملہ آور ہوا۔ بہادر ناہر وہاں سے فیروز پور جھر کہ کو چلا گیا۔ لیکن ۱۳۹۲ء میں ناصر الدین محمد مر گیا۔ تو بہادر ناہر (اپنے پوتے) ملو اقبال خاں کے ساتھ مل گیا۔ ان دونوں نے ملکر تخت دہلی کے لئے دو جانشین پیدا کر لئے یہاں تک کہ تین سال تک فی الحقیقت وہ بادشاہ گر رہے۔ بہت سے مورخ اور خود بادشاہ بھی بہادر ناہر کے چال چلن اور رسم و رواج کا ذکر نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ واقعہ تیمور لنگ کے وقت ۱۳۹۸ء کا ہے۔ تیمور خود بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر کے پاس بھیجی تھی۔ جس کا خیر مقدم بہادر ناہر نے اچھی طرح سے کیا اور عمدہ جواب لکھا۔ جواب کے ساتھ ہی دو سفید طوطے جو کہ شاہان دہلی سے تعلق رکھتے تھے پیش کئے تیمور نے ان طوطوں کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کے بعد بہادر ناہر اور اس کے بیٹے معہ ان آدمیوں کے جو کہ میوات میں تیمور کے ڈر سے پناہ گزیں ہوئے تھے۔ تیمور کو سلام کرنے کے واسطے آگئے۔ ان میں سے ایک شخص خضر خاں بھی تھا۔ جو کہ مغلوں کا منظور نظر تھا۔

بہادر ناہر نے تیس سال سے کچھ زیادہ عرصے تک پولٹکل سٹیج پر نہایت دانشمندانہ پارٹ انجام دیا تھا۔

پہاڑوں کا وہ سلسلہ جہاں اس نے اپنی رہنے کی جگہ مقرر کی تھی وہ پناہ کی نہایت موزوں جگہ تھی۔ ان پہاڑوں پر خود اس نے اور اس کے خاندان کے دیگر اصحاب نے بہت سے قلعے بنائے ہیں۔ جن کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

۱۴۲۱ء میں سید مبارک شاہ خضر خاں کی جگہ تخت نشین ہوا۔ جس نے ۱۴۲۴ء میں میوات پر چڑھائی کی۔ میواتی خانزادوں نے اپنے ملک کو اجاڑ کر تجارہ کی پہاڑیوں میں پناہ لے لی۔ یہ پہاڑیاں ایسی تھیں کہ بادشاہ کو بغیر ان کے فتح کئے ہوئے ہی مجبوراً دہلی کو واپس جانا پڑا تھا۔ ایک سال بعد بادشاہ نے پھر میوات کی طرف مارچ کیا۔ اس وقت جلال خاں اور قدو خاں بہادر ناہر کے پوتے اور کئی اور میواتی بھی جو کہ ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ انہوں نے وہی پرانا طریقہ جو کہ پہلے سال استعمال کیا تھا اب بھی استعمال کیا۔ (اور اپنے ملک کو اجاڑ کر اندور کے پہاڑ پر پہنچ گئے۔ جو کہ کوٹلے سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ کچھ عرصے بعد وہاں بادشاہ کے ساتھ مقابلہ کر کے اندور سے بھی نکل گئے۔ اس

کے بعد بادشاہ نے اندور کو بھی برباد کردیا۔ پھر وہ الور کی پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا مگر آخر کار وہاں بھی مغلوب ہو گئے۔

ان پے در پے مہموں نے خانزادوں کو خاموش نہیں بنا دیا۔ اس واقعہ کے چار مہینے بعد پھر بادشاہ نے فوجیں بھیجیں۔ ان فوجوں نے میوات میں جگہ جگہ آگ لگا دی اور خوب دل کھول کر قتل و غارت کیا سن ۱۴۲۶ء میں بادشاہ نے قدو خاں کو قتل کرا دیا۔ اور پھر میوات کے برخلاف فوجیں روانہ کیں۔ میوات کے باشندے اپنے پرانے رواج کے مطابق اپنے اپنے شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ جلال خاں خانزادے نے معہ احمد خاں اور مبارک خاں کے جو کہ اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ایک اور فوج الور کے قلعہ میں جمع کی۔ اور ایسی بہادری سے لڑے۔ کہ بادشاہ کی فوج کے کمانڈر کو واپس جانا پڑا۔ سن ۱۴۵۱ء میں بہلول لودھی تخت نشین ہوا۔ اس کی پہلی حرکت میوات پر فوج کشی تھی۔ احمد خاں خانزادہ جو کہ اس وقت مہرولی سے لاڈو سرائے متصل دہلی تک اور پورے میوات کا حاکم تھا بادشاہی فوج سے مغلوب ہو گیا۔ اور سات پرگنے بادشاہ کی نذر کئے۔ سن ۱۴۸۹ء میں سکندر لودھی تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں تجارہ میں ایک گورنر بادشاہ کی طرف سے رہتا تھا۔ اس کے نہایت معتمدوں اور مشہور و معروف افسروں میں سے ایک افسر عالم خاں خانزادہ بھی تھا۔

سن ۱۵۲۶ء میں ہندوستان کے اندر ایک نئی طاقت ظاہر ہوئی۔ یعنی بابر نے جو کہ تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا پانی پت کی لڑائی فتح کرنے کے بعد دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے یہ ارادہ کیا۔ کہ میرا حملہ صرف لوٹ مار کرنے کا نہیں۔ بلکہ ایک سلطنت کی بنیاد ڈالنی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ راجپوتوں نے اپنی آخری کوشش آزادی کے واسطے کی تھی۔ رانا سانگا جو میواڑ کا راجہ تھا اس کی سرکردگی میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ رانا سانگا نے حسن خاں میواتی کو دعوت دی۔ کہ وہ اس قوم کی مدد کرے جس میں سے وہ خود پیدا ہوا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی طاقت کو جو کہ شمال کی طرف بڑھ رہی ہے روکا جا سکے۔ اُس وقت حسن خاں خانزادہ کی پولیٹکل پوزیشن بڑی زبردست تھی۔ بابر اپنی سوانح حیات (تزک بابری) میں ذکر کرتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جو کچھ فساد یا گڑبڑ وہ چاہتا تھا کر سکتا تھا۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ میں نے بے قاعدہ حسن خاں کے ساتھ قصور کیا۔

کیونکہ حسن خاں کی تمام محبت ہندوؤں کے ساتھ تھی ۔ اور اس کے علاقہ کی موجودگی نے جو کہ دہلی کے ساتھ ملحق تھا میری مخالفت کو بہت کافی خطرناک بنا دیا تھا ۔ حسن خاں کے رہنے کی جگہ اس وقت الور میں تھی ۔ مگر بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں ۔ کہ وہ بہادر پور میں تھا غرض حسن خاں شاید یا تو اس لڑائی میں مارا گیا ۔ یا لڑائی کے بعد ہی اس کے رشتہ داروں کی سازش سے قتل کرا دیا گیا ۔

بابر نے فتح پور سیکری سے چل کر الور سے چند کوس کے فاصلہ پر آن کر ڈیرے ڈال دیئے ۔ یہاں پر ایک پیغام حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں نے معافی کا بابر کے پاس بھیجا اور بابر سے جان کی حفاظت کا وعدہ لیکر خود اس کے پاس آیا ۔ اور بابر سے سات لاکھ روپیہ کا ایک پرگنہ جاگیر میں حاصل کیا ۔

بابر بیان کرتا ہے کہ حسن خاں کے آباؤ اجداد نے تجارہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا مگر جب میوات میں آیا ۔ تو اس وقت اسکا دارالخلافہ الور تھا ۔ بادشاہ نے تجارہ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد چین تیمور کو بخش دیا ۔ اور الور ۔ العدوردی خاں کو دیدیا ۔ جس نے فتح پور سیکری میں بابر کی مدد کی تھی ۔

خانزادوں سرداروں کی پولیٹکل طاقت اس وقت بالکل درہم برہم ہو گئی تھی اور اس کے بعد پھر بہادر ناہر اور حسن خاں جیسے آدمی اس قوم میں دکھائی نہیں دئے جو کہ کبھی بادشاہ کے موافق اور کبھی مخالف بن جاتے تھے ۔

اکبر اور شاہ جہاں کے وقتوں کے خانزادوں کی مقامی حیثیت پھر بھی بڑی زبردست تھی جو کہ موجودہ صدی تک قائم رہی ۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا ۔

جس ملک پر خانزادوں نے حکومت کی تھی ۔ اس کی وسعت مسلمان مورخوں کی کتابوں [illegible] روایتوں اور ان آثارات کے کھنڈرات سے جو کہ انہوں نے بنائے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے ۔ علاوہ دوسرے علاقوں کے ریواڑی ۔ تجہنہ ۔ کوٹ گانوہ وغیرہ مقامات جو کہ تجارہ سے زیادہ دور نہیں ہیں وہ سب کے سب بہت مدت بعد تک انہیں کے قبضہ میں رہے تھے ۔ اور بہت سے مقبرے اور مساجد اور کھنڈرات جو اب تک تجہنہ وغیرہ میں موجود ہیں ۔ انہیں کے بنائے ہوئے ثابت ہوتے ہیں ۔

خود خانزادوں کا یہ بھی بیان ہے کہ ہمارے جد وہ موجود اسی کھیڑے تھے ۔

ہمایوں بادشاہ کی جو لڑائی تخت دہلی واپس لینے کے لئے شیر شاہ کے خاندان

والوں سے ہوئی تھی اس میں خانزادوں نے بادشاہ کے برخلاف مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ ہمایوں نے جمال خاں خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے ان خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔ یہ جمال خاں خانزادہ حسن خاں کا جو کہ بابر کا حریف تھا چچا زاد بھائی تھا۔ اور اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خاں خان خاناں سے ہوئی تھی۔

اس کے بعد بھی اکبر بادشاہ کے زمانہ میں خانزادے لوگ بادشاہ کی فوج کے بڑے زبردست اور مشہور سردار اور سپاہی بنے ہوئے تھے۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں میوات کے پرانے حاکموں میں سے اکرام خاں خانزادے نے ملک میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا تھا اور تجارہ کے گورنر سے نقارہ و نشان وغیرہ چھین کر اس کو نکال دیا تھا۔ لیکن اکرام خاں اپنے آپ کو شاہی حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہ کر سکا۔

۱۸۰۳ء میں راجہ بختاور سنگھ الور والے نے مرہٹوں کی مدد سے نواب ذوالفقار خاں کو جو کہ آخری زبردست خانزادہ تھا اور جس کے پاس بھرت پور کے قریب کا علاقہ تھا اس کے قلعہ سے جو کہ گھساولی کے نام سے مشہور تھا نکال دیا تھا۔ اور اس کی جگہ گوبند گڑھ بسایا۔ پرا اور ساندل کا علاقہ ایک عرصے تک شہباز خاں خانزادے کے خاندان میں رہا۔ لیکن محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد ابتری میں اودے پور کے رانا نے اُن سے چھین لیا۔ عالمگیر ثانی کے زمانہ میں نواب انتظام الدولہ خاں خانزادہ ایک عرصے تک الور کا قلعہ دار رہا تھا۔ وہ تعظیم جو دربار میں جگہ ملنے کا ذریعہ ہوتی ہے شاہ آباد کے نواب کے پاس بھی تھی جس کا نام فیروز خاں تھا۔

خانزادے جو کہ میوات کے پرانے حکمراں ہیں اور جن کی بابت پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے یہ لوگ اگرچہ آج کل آبادی کے لحاظ سے غیر معروف ہیں مگر طرز تمدن میں وہ میوؤں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اور میوؤں کی نسبت بعد میں مسلمان ہوئے ہیں مگر ان سے بہتر مسلمان ہیں۔ وہ کوئی ہندو تہوار نہیں مناتے۔ اور ہندوؤں کے دیوتاؤں یا مقبروں کو پرستش کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ مگر برہمن لوگ ان کی شادی کے معاملوں میں کچھ حصہ لیتے ہیں۔ اور وہ کچھ ہندو رسومات بھی برتتے ہیں۔ اگرچہ اکثر ان میں سے میوؤں کی طرح غریب بھی ہیں مگر وہ اپنی عبادت بھی کرتے ہیں۔ اور اپنی عورتوں کو کھیتوں میں کام نہیں کرنے دیتے۔ البتہ وہ فرسٹ کلاس کاشتکار نہیں ہیں۔ انکو اپنی

عورتوں کی پردہ داری کی وجہ سے دوسری قوموں کی نسبت کاشتکاری میں زیادہ نقصان رہتا ہے
اب کسی خانزادے کے پاس ریاست الور میں کوئی جاگیر نہیں رہی۔

جو خانزادے لوگ پورپ یعنی مشرق کی طرف ہجرت کر گئے ہیں وہ وہاں دریائے گنگا کے میدانی شہروں میں تجارت اور زراعت کرتے ہیں۔ اور اب ان کا کوئی تعلق میوات کے خانزادوں کے ملک میں نہیں رہا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے خاندان کی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب بھی فوجی ملازمت کے بہت شائق ہیں۔ اور برطانیہ کی فوجوں میں موجود ہیں۔ نیز الور کی ریاست میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ ان میں سے ڈومے خاں خانزادہ جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ افسر ہے وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اور دربار میں معزز عہدے کا حقدار بھی ہے۔ اور شاہ آباد کے خانزادوں کے خاندان میں سے اب بھی قلعہ دار موجود ہیں۔ اور پینتیس ۳۵ گھوڑوں کے سوار ایک مقررہ تنخواہ پر مہیا کرتے ہیں۔

تجارہ میں ایک خانزادہ چودھری بھی ہے کل چھبیس ۲۶ گاؤں خانزادوں کے اس پرگنہ تجارہ میں موجود ہیں۔ ان گاؤں میں بہت سے مالکان اراضی خود کاشت بھی کرتے ہیں۔
میوات سے باہر کے خانزادوں کے گاؤں کا کوئی حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حالات جو کچھ خانزادوں کے متعلق بیان کئے گئے ہیں وہ سب فارسی کی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں جو کہ معلومات کا بہت ہی معتبر ذریعہ ہیں۔ خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص اُدھان پال نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں تھا اور یہ تہن پال بیانہ کا جادو سردار تھا۔ اُدھان پال نے اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا۔ جو کہ تجارہ کو فیروز پور جھرکہ سے علیحدہ کرتی ہیں اور خاص کر اس جگہ پر جس کو دوارا کہتے ہیں اور جس کے کھنڈرات اب بھی ملتے ہیں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد سرہٹے میں چلا گیا۔ جو کہ چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلے میں واقعہ ہے جہاں پر اب کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتہ سانبر پال فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو کوٹلہ میں آباد کیا تھا۔ اس نے کل علاقہ میوات پر اور اس کے علاقہ دیگر اضلاع پر بھی حکومت کی تھی۔ اس کے لڑکے اور پوتے بڑی بڑی جگہوں پر آباد ہوئے۔ کہا جاتا ہے چودہ سو چوراسی کھیڑے اُن کے ماتحت تھے۔ جن میں اب بھی اُن کے

بنائے ہوئے مکانات کے کھنڈرات اور مقبرے پائے جاتے ہیں۔ جو کہ خاص انہیں سے تعلق رکھتے ہیں جو تبدیلیاں تجارہ کے پرگنے میں پچھلے ایک سو پچاس سال کے عرصے میں وجود میں آئی ہیں وہ قانونگوئے کے دفتر میں ریکارڈ کے طور پر موجود ہیں۔ تجارہ کے پرگنے کی چودھر کا عہدہ قانونگوئے کے ساتھ پشتوں سے چلا آتا ہے۔ جو کہ ملک پور کے سرکش خانزادوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ خاندان بہت مشہور اور ملنے کے قابل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ موجودہ چودھری کے آباؤ اجداد کو اکبر کے زمانہ میں ایک بڑی رقم ملتی تھی۔

یہ تعجب خیز امر ہے کہ تجارہ کا چودھری اور قانونگوئے ایک ہی بولے جاتے ہیں۔ واقعی اورنگ زیب کے زمانہ میں پندرہ سو روپے کی نانکار ان کو ملتی تھی۔

تجارہ کی گرد و نواح کی عمارت میں لال خاں اور ملک علاء الدین خاں خانزادے کے مقبرہ شہر میں واقع ہیں۔ اور حسن خاں کا مقبرہ نالے کے کنارہ پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ تجارہ کی پہاڑیاں بھی ایک زمانہ میں بہت مشہور تھیں۔ تاریخوں میں پرانے زمانہ کی روایتیں ان خانزادے سرداروں کی کوششوں کا ذکر بتلاتی ہیں جنہوں نے اُن پہاڑیوں کو اپنے قبضے میں لا کر ان پر قلعہ بنائے تھے۔ یہ پہاڑیاں اوپر سے خوب چوڑی ہیں کیونکہ ان کی چوٹیوں پر ایک سڑک ایسی نکالی گئی تھی جو کہ خانزادوں اور مغلوں کے بنائے ہوئے ان بڑے بڑے قلعوں کو ملاتی تھی جو انہوں نے اندور اور کوٹلہ گھر ولی میں بنائے تھے۔

خانزادوں کے بنائے ہوئے کچھ گاؤں اور قصبوں کا مختصر حال بھی یہاں پر لکھ دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۱۔ قصبہ شاہ آباد

یہ قصبہ تجارہ کے مغرب میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے جس کے مالک اور پسوہ دار خانزادے ہیں۔ وہاں پر خانزادوں کے چند مقبرے موجود ہیں۔ ان کی بابت اکبر کے زمانہ کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ تجارہ اور شاہ آباد اس علاقہ کے بڑے بڑے مشہور شہر تھے۔ تجارہ سے سات میل کے فاصلہ پر سڑک کے اوپر جو کہ تجارہ سے کشن گڑھ کو جاتی ہے ایک گاؤں خانزادوں کا جند ولی آباد ہے اس میں خانزادوں کے چند بڑے بڑے مالدار خاندان آباد ہیں جنہوں نے ایک باغ اور ایک مکان مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے بنوا رکھا تھا۔ اس باغ میں ایک مقبرہ اور ایک مسجد بھی بڑی اچھی بنی ہوئی تھی۔

۲۔ دمدمہ یہ سرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف واقع ہے اس کے پاس ایک فصیل دار شہر بستا تھا جس کو گھرول کہتے تھے۔ اور وہ اپنے کھنڈرات کی وجہ سے اب مشہور ہے۔ یہ شہر خانزادوں کا بسایا ہوا تھا۔ یہ اس راستے کی گذرگاہ پر واقع ہے جو کہ کوٹلے کو جو بہادر ناہر کا قلعہ تھا جاتا ہے اور پھر وہاں سے اندور کے قلعہ کو جاتا ہے اس راستے پر جہاں سے وہ ٹوٹا ہوا ہے کھمبے بنے ہوئے ہیں۔ یہ کھمبے غالباً دہلی کے بادشاہوں نے خانزادوں کو بابر کی فتح کے بعد مطیع رکھنے کی غرض سے بنوائے تھے۔

۳۔ منڈھا یہ گاؤں سیدوں کا ہے۔ اس میں ایک قلعہ جو کہ ادھورا تیار ہو چکا ہے موجود ہے اس قلعہ کی تعمیر نواب فیض اللہ خاں خانزادے نے جو کہ شاہ آباد کا رہنے والا اور اس کا حکمراں تھا۔ کوئی اسی سال گذرے شروع کی تھی لیکن جب منڈھے کے سیدوں نے اس کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اس نے ان لوگوں کی بیس حویلیاں برباد کر کے یہ قلعہ بنوانا شروع کیا تھا۔ چونکہ نواب مذکور کی وفات پر نا تمام رہ گیا۔

۴۔ اندور کچ کل یہ شہر کھنڈرات کی صورت میں آباد ہے اب اس کی جگہ موجودہ نیوکٹرہ مشہور ہو گیا ہے۔ جیسا کہ کتاب آئین اکبری میں لکھا ہے شہر اندور شاہی زمانہ میں پرگنہ اندور لکھا جاتا تھا۔ پرگنہ نوح بھی پہلے زمانہ میں پرگنہ اندور ہی میں شامل تھا۔ اگرچہ ایک زمانہ تھا جبکہ یہ شہر میوات کے چند مشہور مقامات میں سے تھا بہادر ناہر کی وفات کے بعد شہر اندور جلال خاں خانزادے کے وقت میں میوات کا سب سے بڑا شہر اور قلعہ بن گیا تھا۔ یہ جلال خاں خانزادہ جو کہ بہادر ناہر کے خاندان میں سے تھا۔ اندور کے ساتھ خاص تعلق رکھتا تھا۔ اور اپنی راجدھانی بنائے ہوئے تھا۔ وہ روایتیں جو تاریخوں میں اس کے متعلق لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندانی دعوے بادشاہانِ دہلی کی مخالفت تھا۔ جلال خاں کا مقبرہ اندور کے جنوب میں واقع ہے اس جگہ پر تقریباً چودہ پندرہ گنبد اور اور بھی شریف خانزادوں کی یادگاریں موجود ہیں۔

اگرچہ اندور کے موجودہ خانزادے اب غریب ہیں۔ مگر ان کے پاس اس پرانے زمانے کے ریکارڈ موجود ہیں جبکہ ان کا زمانہ بہت اچھا تھا۔ ایک نوشتہ جو کہ ان کے پاس لکھا موجود ہے اور جس پر اکبر بادشاہ کی مہر لگی ہوئی ہے اور سات ربیع الاول ۹۰۸ھ

کا لکھا ہوا ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قانونگوے۔ چودھری اور مقدموں کو جو کہ الور سرکار
کے ہیں یہ چاہیئے کہ ان چند خانزادوں کی جو کہ اندور کے خاندان سے ہیں اور جن کو ہم نے
پنشن دیا ہے ان بغاوتوں کے دبانے میں مدد کریں جو کہ سرکار کے برخلاف پیدا ہو رہی ہیں

۵۔ جھوانہ آج کل یہ میوؤں کا گاؤں ہے۔ اور پنہوکر یئے کے شمال مشرق
میں پانچ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ اس گاؤں میں خانزادوں کے
مسلمانوں کی انکی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد ہے۔ اور دیگر چند ایک نشانیاں بھی ان کی موجود ہیں
خانزادوں کو اس گاؤں سے راؤ بہادر سنگھ نے جو کہ بڈگوجر راجپوت اور گھاسیڑا کا
رہنے والا تھا نکال دیا تھا۔

۶۔ فتح آباد یہ کشن گڑھ کی تحصیل میں واقعہ ہے۔ وہاں کے سوداگروں نے
جو بہت مالدار تھے۔ علمدیکا کے خانزادوں کو جانی نقصان
پہنچایا تھا اس لئے وہاں کے خانزادوں نے مل کر فتح آباد کے بہت سے لوگوں کو جان سے مار دیا
تھا۔ اس واقعہ کو تقریباً ڈیڑھ سو سال گذر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ فتح آباد والوں کی رشتہ داری
بھرت پور کے جاٹوں سے تھی۔ اس لئے انہوں نے ان جاٹوں کو اپنی مدد کے لئے بلا کر
خانزادوں پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی میں خانزادوں کے ساتھ میو بھی شامل تھے۔ انہوں نے
ملکر فتح آباد کو برباد کر دیا۔ اور وہاں کے کل لوگوں کو مار دیا۔ چنانچہ اس وقت سے
آج تک یہ گاؤں برباد ہے۔

۷۔ گھساولی موجودہ گوبند گڑھ کے گرد و نواح میں راجہ بختاور سنگھ الور
والے کے زمانہ میں خانزادوں کے پاس بہت سے گاؤں تھے
اور نواب ذوالفقار خاں ان سب کا حاکم تھا۔ اس کا قلعہ گھساولی کا قلعہ کہلاتا تھا۔
سنہ ۱۸۰۳ء میں راجہ بختاور سنگھ نے مرہٹوں کی مدد سے اس کو نکال دیا۔ اور پانچ
سو گھوڑے جو کہ اس کے قلعہ میں اس کے پاس تھے ان کو لے کر قلعہ کو برباد کر دیا۔ جو
بلکہ آج کل سرکاری گھاس کا میدان بنا ہوا ہے۔ بھرا وت کا گاؤں گوبند گڑھ کے جنوب
میں چار میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ یہاں پر ایک چبوترہ اور ایک مکان بنا ہوا ہے۔ اس
جگہ ناہر خاں خانزادہ جو کہ نواب ذوالفقار خاں کا بھائی تھا اس چبوترے پر بیٹھکر انصاف کیا
کرتا تھا اسی جگہ پر ایک قدیمی سے جس کے اندر ناہر خاں رہتا تھا۔ یہ امر تعجب خیز ہے

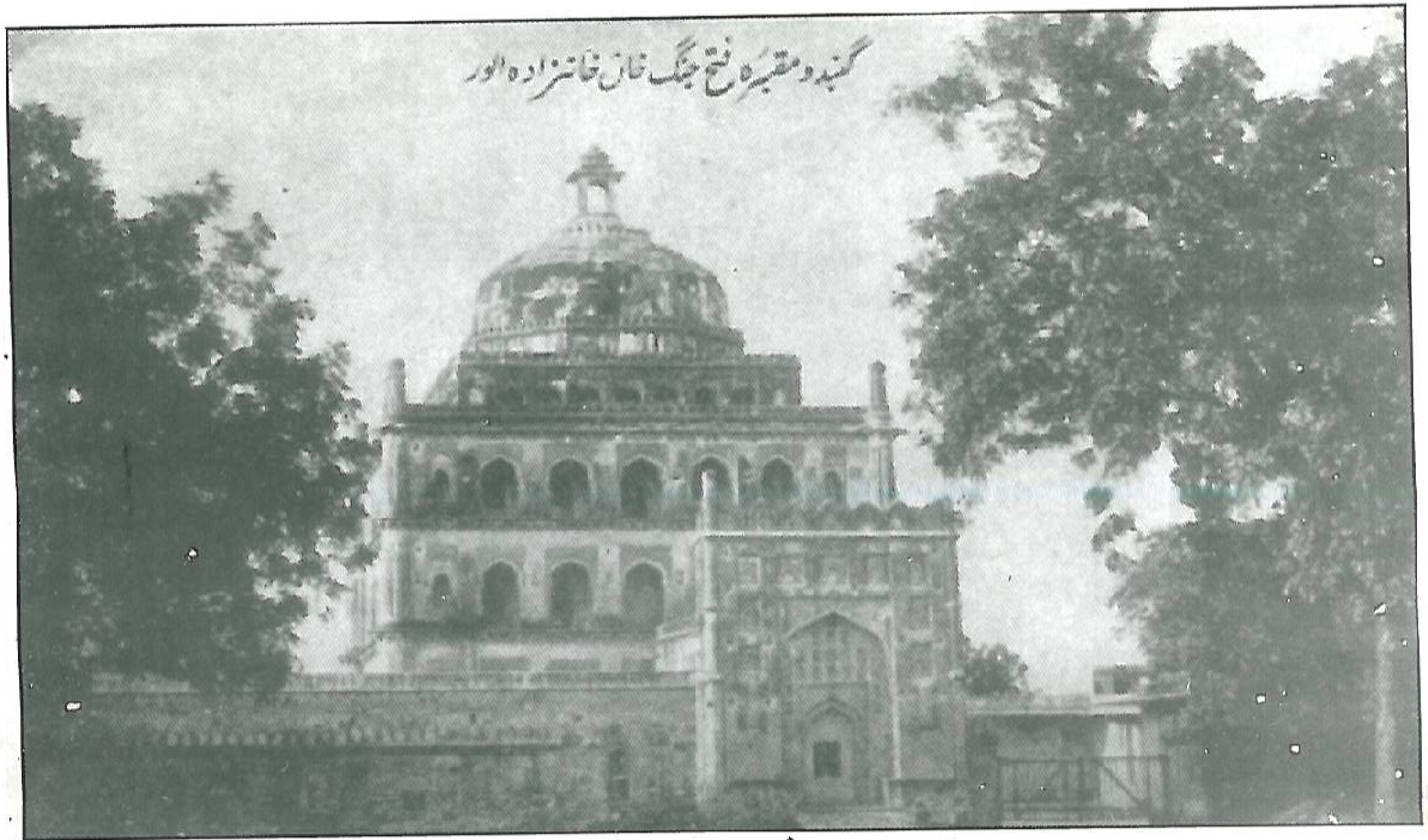
ردو نواح کے گاؤں کے آدمی جو کہ ناصر خاں سے تعلق رکھتے ہیں یا اس کے بھائی کے خاندان ہیں اب بھی اپنے جھگڑوں کا فیصلہ جو کہ قسم و دھرم سے ہوتا ہے۔ اسی چبوترے پر آ کر کرتے
ا بسنٹ ۱۸۰۳ء میں پدم سنگھ نے بھوج پور پر قبضہ کر لیا۔ اس گاؤں پر پدم سنگھ کے قابض ہونے میں گھساولی کے خانزادوں نے اس کی مدد کی تھی۔

۸۔ **مبارک پور** یہ رام گڑھ کی تحصیل میں ہے جو کہ رام گڑھ سے آٹھ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ خانزادوں کا گاؤں کل ریاست میں سب سے زیادہ خوش حال ہے۔ پہلے یہ گاؤں پٹھانوں کا بتلایا جاتا ہے۔ مگر اب دلیوں سے اس پر خانزادوں کا قبضہ ہے۔

۹۔ **الور** یہاں کا قلعہ نکوم راجپوتوں نے بنایا تھا جو کہ الور کے پہلے حاکم تھے۔ اس حکمران خاندان کی تباہی کا ذکر تاریخوں سے اور مقامی روایتوں سے اسطرح کیا جاتا ہے کہ

(ان میں آپس میں سخت مخالفت تھی۔ اور نکوم راجپوتوں کی بربادی کا دوسرا سبب آدمیوں کی قربانی تھا۔ جو کہ وہ روزمرہ کسی ذلیل یا کمین مرد یا عورت کو درگا دیوی کی نظر چڑھاتے تھے۔ چونکہ یہ آدمی کسی نیچ ذات کا ہوتا تھا اس لئے ایک دن ایک بیوہ عورت ڈومنی کا لڑکا بھی اس دیوی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کا بدلا لینے کے لئے ڈومنی نے کوٹھے کے خانزادہ سردار بہادر ناہر سے عرض کیا۔ کہ آپ الور کا قلعہ آسانی کے ساتھ فتح کر سکتے ہیں۔ یعنی جبکہ وہ دیوی کی پوجا میں مشغول ہوں۔ ان پر حملہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے ہتھیار کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ خانزادوں کی ایک فوجی پارٹی قلعہ کے نیچے انتظار میں پڑی رہی۔ ڈومنی نے عین ٹھیک وقت پر راکھ کا ٹوکرا پھینک کر سگنل دیدیا۔ اس وقت ایک کامیاب حملہ کیا گیا۔ اور وہ جگہ جہاں سے کہ راکھ پھینکی گئی تھی ڈومنی دانتے کے نام سے پکاری جاتی ہے فقط)

ترجمہ اردو گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۶۸ لغایت ۲۷۶۔



گنبد و مقبرہ فتح جنگ خان خانزادہ الور

۵۔ عیدگاہ قصبہ پُنہانہ تاریخ ضلع گوڑگانوہ میں لکھا ہے کہ یہ عیدگاہ قوم خانزادہ نے اس قصبے کے اندر اور بھی بہت سی عمدہ عمدہ عمارات اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں۔ یہ کے تسلط کے زمانہ میں انھوں نے بنوائی تھی۔ خانزادوں عیدگاہ جانب شمال گوڑگانوہ کی طرف جانے والی سڑک پر واقع ہے۔

۶۔ مسجد مبارک پور یہ مسجد نواب حاجی خاں نے بنوائی تھی جو مقیم خاں بن بہادر خاں کی اولاد میں تھا۔ اس نے امیر کے قلعہ کے منادر میں سے عمدہ عمدہ عمارتی سامان اور مصالح کو مبارک پور میں لاکر یہ خوبصورت مسجد بنوائی تھی۔ جو آج تک وہاں موجود ہے۔ جس کے ایک کونے میں کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔

۷۔ چاہ شاہ آباد نواب سربلند خاں بن فتح خاں خانزادہ متوطن قصبہ شاہ آباد نے ایک بہت چوڑا اور پختہ کنواں ۱۱۷۹ھ میں بنوایا تھا جس میں آب پاشی کے لئے چار لاؤ برابر چلتی تھیں اور پانی کی کمی مطلق نہیں ہوتی تھی۔ اس کی تعمیر میں کہتے ہیں بڑا روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کا پانی بڑا شیریں اور مزہ دار ہے۔ حضرت شعیب صاحب نے اس کی تعمیر کی تاریخ تحریر فرمائی ہے۔

شعیب از دل بگو تاریخ ایں چاہِ زلال اکنوں
کہ ایزد کرد ازایں چاہ جاری آب شیریں تر۔
غلام ساقئ کوثر بشوائے سربلند از جاں۔
کہ از لطفش بدست تو نمودہ چشمۂ کوثر۔

اس تاریخ میں نمودہ چشمۂ کوثر مادہ ہے جس سے ۱۱۷۹ھ برآمد ہوتا ہے اور مزا یہ ہے کہ تعمیر کنندہ کا نام بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

۸۔ جامع مسجد قصبہ پُنہانہ سید الطاف حسین صاحب اپنی تاریخ ضلع گوڑگانوہ کے صفحہ ۹۸ میں لکھتے ہیں کہ قصبہ پنہانہ دامنِ کوہ میوات میں واقعہ ہے۔ یہ قصبہ زمانہ قدیم کا ہے پہلے اس پر راجپوتوں کا قبضہ تھا اس کے بعد خانزادوں کا عمل دخل ہوا۔ خانزادوں کی حکومت کے زمانہ میں اس قصبے کے اندر بہت عمدہ عمدہ عمارات پختہ اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
چنانچہ اس جامع مسجد کی بابت صفحہ ۳۰۵ میں لکھتے ہیں کہ

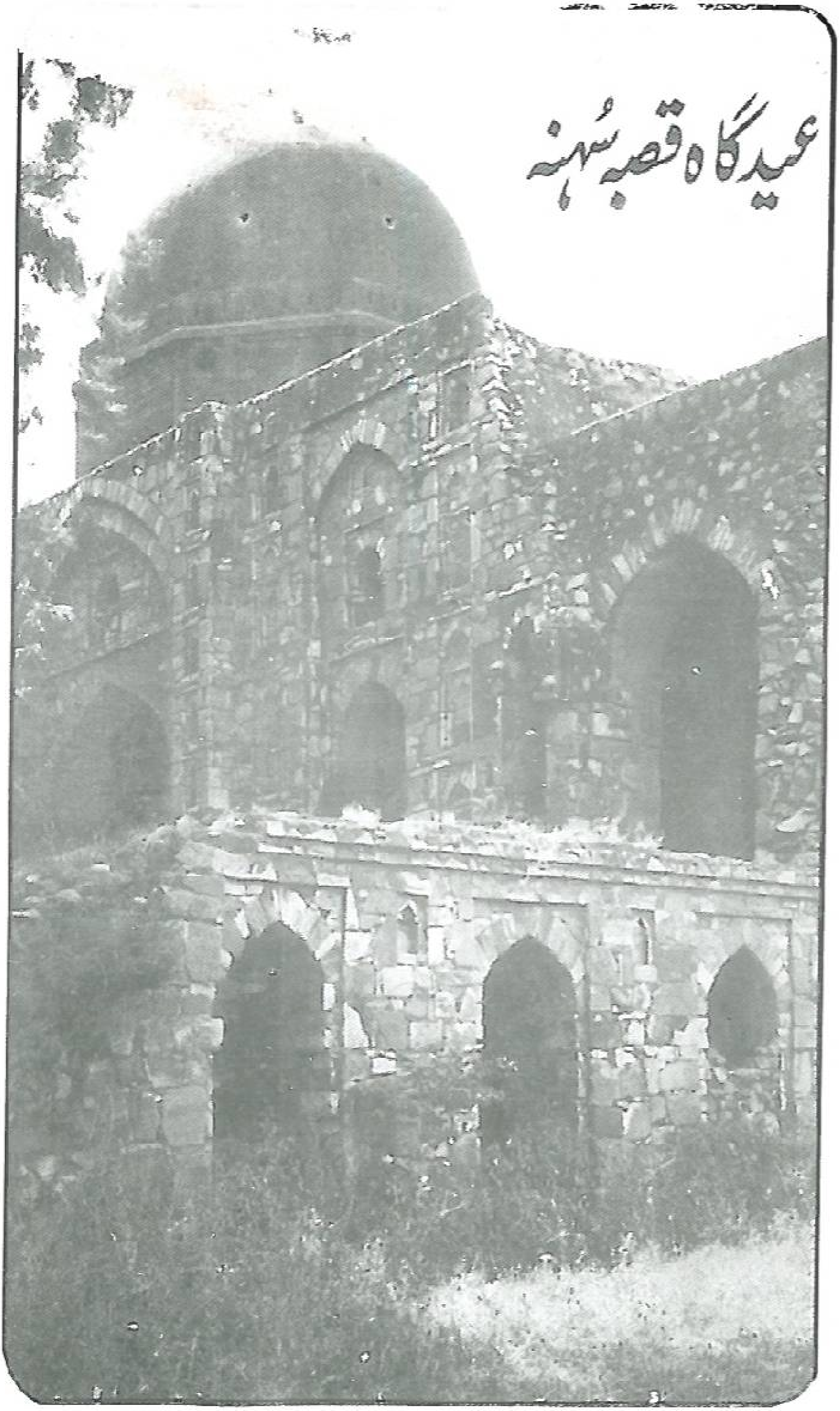
وہ منسوب و معروف شاہ نجم الحق سے ہے۔ جو درمیان آبادی کے شمال کی طرف
دو منزلہ عمارت کی ہے۔ اور اس کے دالان در دالان سہ درے ہیں۔ ہر سہ درے میں
تین تین در دروازے ہیں۔ ہر دروازے میں ستون سنگ سرخ کے تین تین گز طول
کے اور سقف بھی رنگ سرخ پتھر ... ستون سے بنی ہوئی۔
اور فقط سورتیں کلام مجید کی اس کی محرابوں اور دروازوں پر کندہ ہیں۔ اور
وسط مسجد میں ایک چوک ہے جس کا طول و عرض ۲۲ × ۲۴ گز مربع ہے۔ جس کے صحن میں ایک گنبد ہے۔
اور اسی میں مزار نجم الحق صاحب موجود ہے۔ اور چپ و راست مسجد میں ایک
ایک سہ دری ہے اور دروازہ پر ایک بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ جس کے ماتحت تین
کوٹھڑیاں اور سہ دری علاوہ دالان اور ایک تہ خانہ ہے۔ اور اس کے متعلق ایک
[illegible] بھی ہے۔ نجم الحق کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ اس قصبے میں مقیم تھا۔ اور
[illegible] میں انتقال کیا۔ بالائے دیوار خانقاہ یہ شعر کندہ ہے

شاہ رست ایں ایں شاہ مست الحق
اسم او اعظم است نجم الحق

اس شعر میں مادہ تاریخ لفظ اعظم ہے جس سے ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔
غرض یہ مسجد ظاہراً اول سے انہی مقامی حکومت کے زمانہ میں بنوائی تھی۔ مسٹر
کی۔ اسے بیگلر صاحب بھی گزیٹیر الہ آباد انگریزی میں اس کی تائید فرماتے ہیں۔)

۹۔ مسجد کیتان و سلطان خاں صاحب الور
ضلع سہرام [illegible]

یہ مسجد ... کیتان محلہ مذکور نے بنوائی ہے۔ اور انہیں کے نام سے موسوم ہے۔ [illegible]
کنواں نام ... خاں شاہزادہ کے زمانہ میں بنوایا گیا تھا
راجہ سورج مل والی بھرت پور نے اس کنوئیں کی ... [illegible]
کنواں ... اس کی طرح کا یہاں سے چل سکتا ہے ... [illegible]
... کہا تھا کہ اگرچہ کنواں ... اس کنوئیں کا پانی نہایت شیریں ... [illegible]
۔ در حقیقت اس کنواں اس کا پانی ... واقعہ ہے جو بجارہ سے ... [illegible]

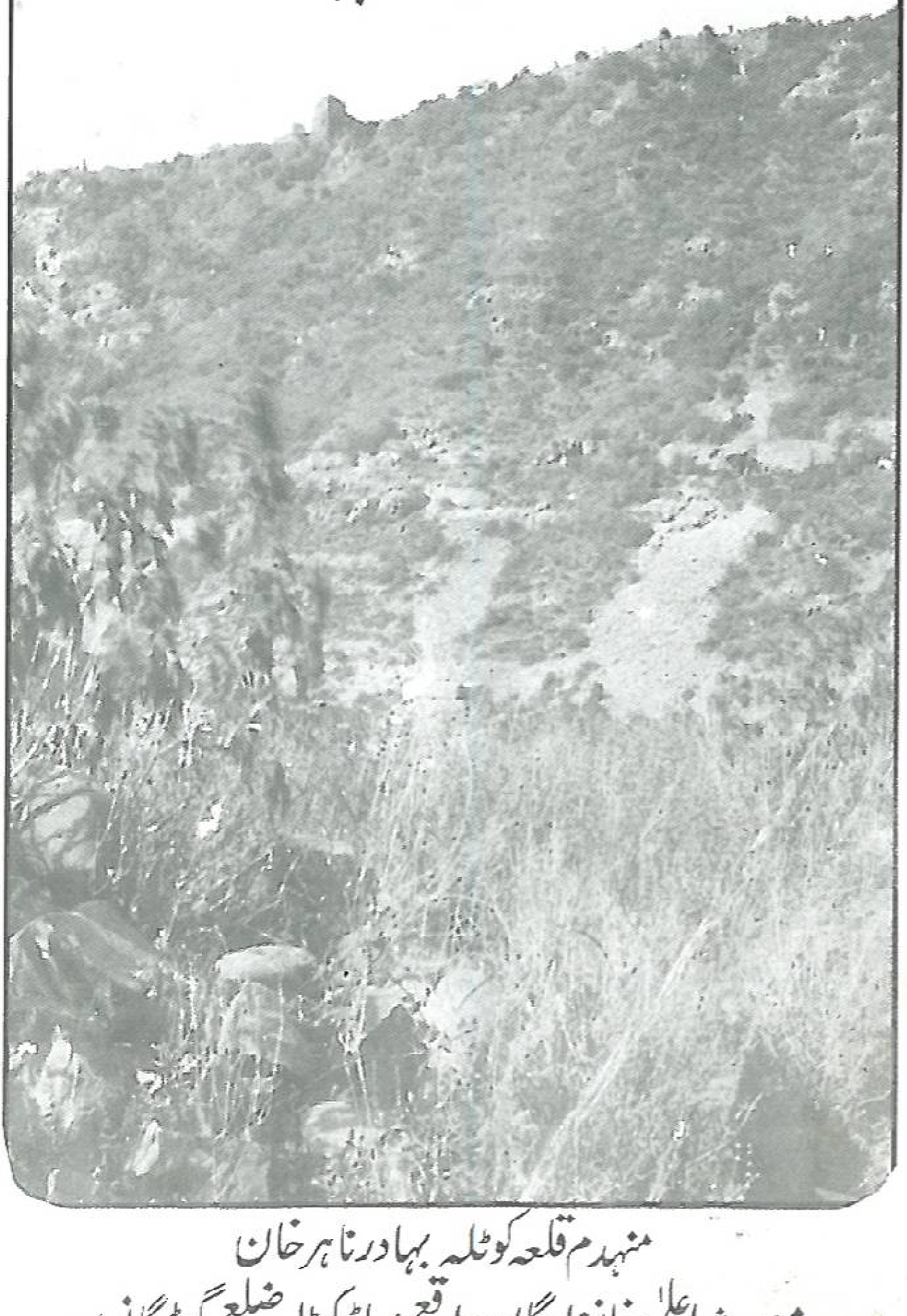


عیدگاہ قصبہ سُہنہ

۷۸۶

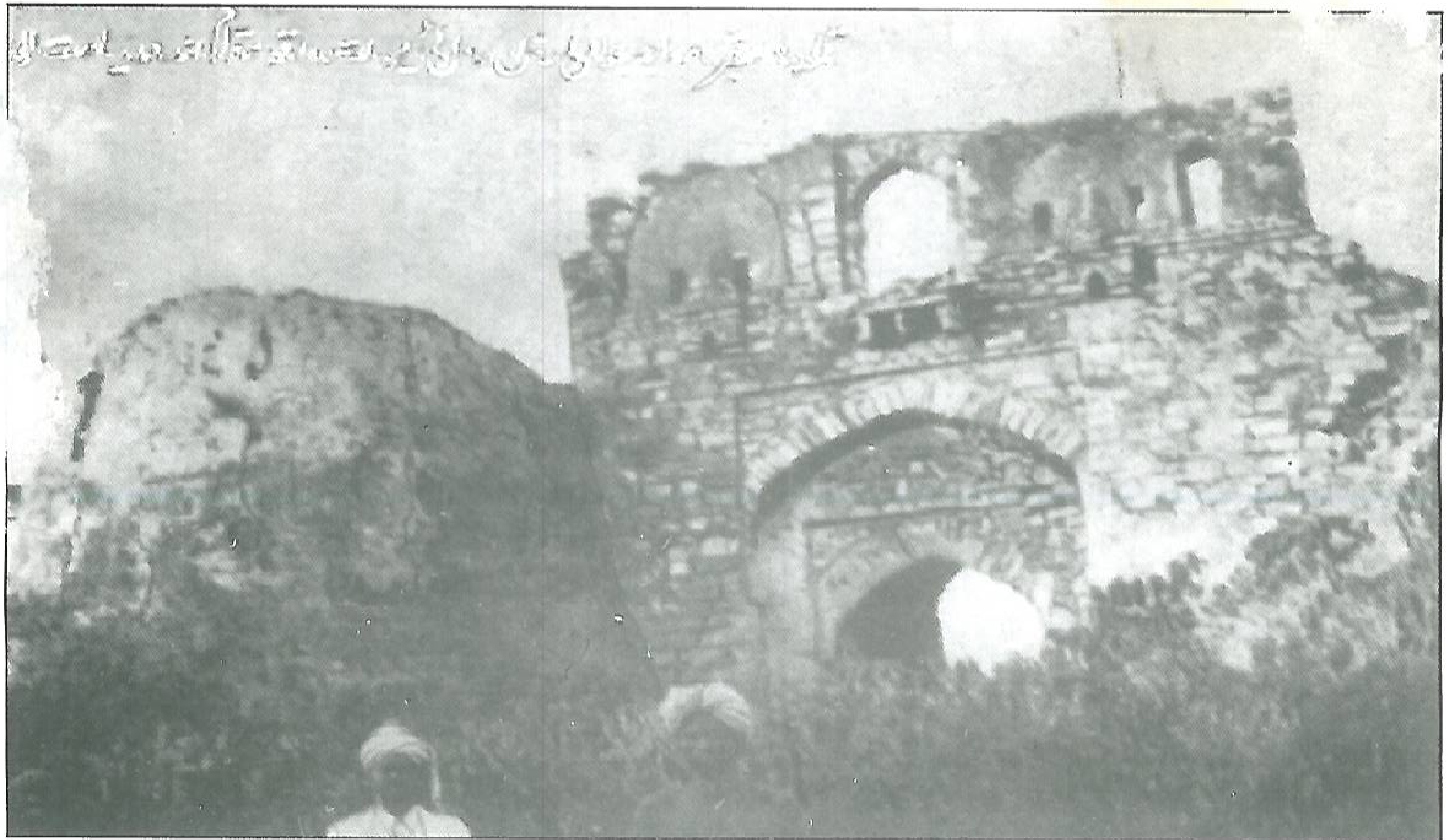
مُنہدم قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر خاں مورث اعلےٰ خانزادگان

واقعہ پہاڑ کوٹلہ ضلع گوڑگانوہ

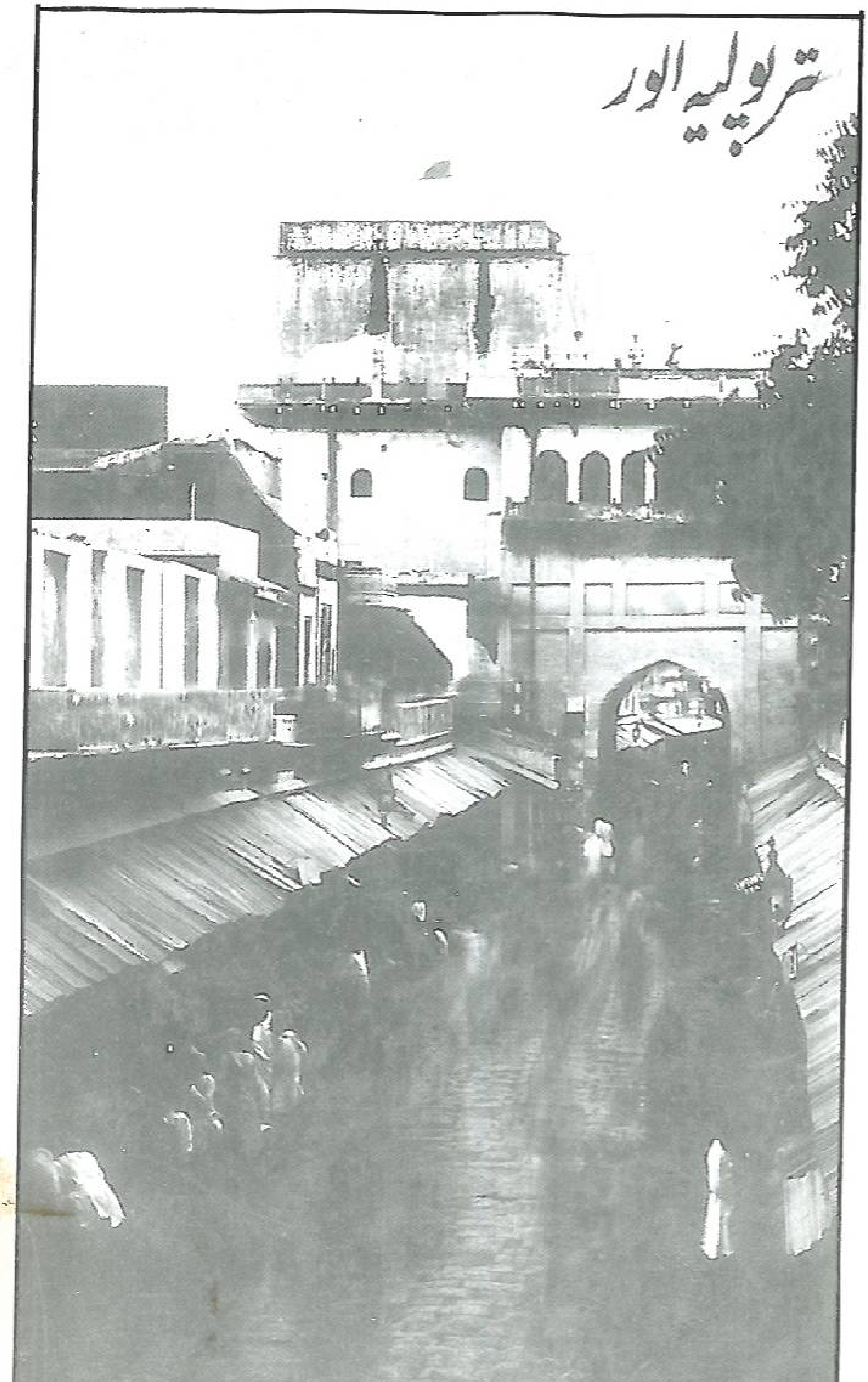


منہدم قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر خان

مورث اعلیٰ خانزادگان واقع پہاڑ کوٹلہ ضلع گوڑگانوں



قلعہ ومقبرہ راجہ جلال خان والئی میوات واقع مقام اندور ریاست الور



ترپولہ الور

۵- عیدگاہ قصبہ پنہنہ تاریخ ضلع گوڑگانوہ میں لکھا ہے کہ یہ عیدگاہ قوم خانزادہ کے تسلط کے زمانہ میں انہوں نے بنوائی تھی۔ خانزادوں نے اس قصبہ کے اندر اور بھی بہت سی عمدہ عمدہ عمارات اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں۔ یہ عیدگاہ جانب شمال گوڑگانوہ کی طرف جانے والی سڑک پر واقع ہے۔

۶- مسجد مبارک پور یہ مسجد نواب حاجی خاں نے بنوائی تھی جو مقیم خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں تھا۔ اس نے آمیر کے قلعہ کے مندر میں سے عمدہ عمدہ عمارتی سامان اور مصالح کو مبارک پور میں لا کر یہ خوبصورت مسجد بنوائی تھی۔ جو آج تک وہاں موجود ہے جس کے ایک کونے میں کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔

۷- چاہ شاہ آباد نواب سربلند خاں بن فتح خاں خانزادہ متوطن قصبہ شاہ آباد نے ایک بہت چوڑا اور پختہ کنواں ۱۱۷۹ھ میں بنوایا تھا۔ جس میں آب پاشی کے لئے چار لاؤ برابر چلتی تھیں اور پانی کی کمی مطلق نہیں ہوتی تھی۔ اس کی تعمیر میں کہتے ہیں بڑا روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کا پانی بڑا شیریں اور مزہ دار ہے۔ حضرت شعیب صاحب نے اس کی تعمیر کی تاریخ تحریر فرمائی ہے۔ ؎

شعیب از دل بگو تاریخ ایں چاہ زلال اکنوں
کہ ایزد کرد ایں چاہ جاری آب شیریں تر۔
غلام ساقی کوثر بشوائے سر بلند از جاں۔
کہ از لطفش بدست تو نمودہ چشمۂ کوثر۔

اس تاریخ میں نمودہ چشمۂ کوثر مادہ ہے جس سے ۱۱۷۹ھ برآمد ہوتا ہے اور مزا یہ ہے کہ تعمیر کنندہ کا نام بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

۸- جامع مسجد قصبہ پنہنہ سید الطاف حسین صاحب اپنی تاریخ ضلع گوڑگانوہ کے صفحہ ۹۴ میں لکھتے ہیں کہ قصبہ پنہنہ دامن کوہ میوات میں واقع ہے۔ یہ قصبہ زمانہ قدیم کا ہے پہلے اس پر راجپوتوں کا قبضہ تھا اس کے بعد خانزادوں کا عمل دخل ہوا۔ خانزادوں کی حکومت کے زمانہ میں اس قصبہ کے اندر بہت عمدہ عمدہ عمارات پختہ اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
چنانچہ اس جامع مسجد کی بابت صفحہ ۳۰۵ میں لکھتے ہیں کہ

(یہ مسجد منسوب و معروف شاہ نجم الحق سے ہے جو درمیان آبادی کے شمال کی طرف دو منزلہ عمارت کی ہے۔ اور اس کے دالان در دالان سہ درجہ ہیں۔ ہر درجہ میں نو نو دروازے ہیں۔ ہر دروازے میں ستون سنگ سرخ کے تین تین گز طول کے اور سقف بھی برنگ سرخ تین درجہ ملنے ستون سے بنی ہوئی۔

اور مختلف سورتیں کلام مجید کی اس کی محرابوں اور دروازوں پر کندہ ہیں۔ اور وسط مسجد میں ایک چوک ۲۳ تئیس گز مربع ہے جس کے صحن میں ایک گنبد ہے۔ اور اسمیں قبر نجم الحق صاحب موجود ہے۔ اور چپ و راست مسجد میں ایک ایک سہ دری ہے اور دروازہ پر ایک بڑا گنبد بنا ہوا ہے جس کے ماتحت تین ۳ کوٹھریاں اور سہ محدود دالان اور ایک تہ خانہ ہے۔ اور اس کے متعلق ایک پختہ سرائے بھی ہے نجم الحق کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ اس قصبے میں مقیم تھا۔ اور اس نے صغر سنی میں انتقال کیا۔ بالائے دیوار خانقاہ پر یہ شعر کندہ ہے

شاہِ شاہان شاہ ہست الحق

اسم او اعظم است نجم الحق۔

اس شعر میں مادہ تاریخ لفظ اعظم ہے جس سے ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ غرض یہ مسجد خانزادوں نے اپنی مقامی حکومت کے زمانہ میں بنوائی تھی مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب بھی گزیٹیر الور انگریزی میں اس کی تائید فرماتے ہیں)

۹- مسجد کپتان دوسے خاں صاحب الور

یہ مسجد شہر الور میں محلہ برج کیتوڑہ تعمیر ہوئی ہے۔ اور کپتان مذکور نے بنوائی ہے۔ اور انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

۱۰ - چاہ موضع سرہٹہ -

یہ کنواں ناہر خاں خانزادہ کے زمانہ میں بنوایا گیا تھا راجہ سورج مل والی بھرت پور نے اس کوئیں کی بڑی تعریف کی ہے جس نے کہا تھا۔ کہ اگر یہ کنواں کسی طرح یہاں سے چل سکتا تو میں اسے اکھڑوا کر ضرور [illegible] میں لے جاتا۔ درحقیقت اس کوئیں کا پانی نہایت شیریں۔ خوش ذائقہ۔ بلکہ [illegible] اور فرحت بخش ہے یہ کنواں اس گھاٹی پر واقعہ ہے جو تجارہ سے نگینہ کی طرف

۱۱ - **چاہ پختہ معہ سرائے قصبہ تاوڑو** نواب فیروز خاں شاہ آبادی نے قصبہ تاوڑو میں مسافروں کے آرام کے لئے ایک سرائے معہ چاہ پختہ اپنی نوابی کے زمانہ میں تعمیر کرائی جس کے کھنڈر اب تک پائے جاتے ہیں قصبہ تاوڑو کا تھانہ اسی سرائے کے احاطہ میں موجود ہے جسے گڑھی بھی کہتے ہیں۔

۲ - خانقاہیں اور مقبرہ جات

۱ - **خانقاہ شاہ ولایت صاحب** = یہ خانقاہ قصبہ سہنہ کے اندر ایک خانزادہ نے بنوائی تھی۔

۲ - **مقبرہ ملک علاء الدین بن ناہر خاں** = یہ مقبرہ قصبہ تجارہ میں معہ گنبد تحصیل کے متصل ہی بنا ہوا ہے جس کو خانزادگان تجارہ نے بنوایا تھا۔

۳ - **مقبرہ لال خاں خانزادہ** = یہ بھی تجارہ میں مقبرہ ملک علاء الدین کے متصل ہی بنا ہوا ہے۔

۴ - **مقبرہ حسن خاں خانزادہ** = کہتے ہیں نواب حسن خاں کی نعش میدانِ جنگ سے لاکر قصبہ تجارہ میں ایک نالے کے کنارے پر دفن کی گئی ہے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے بھائی بندوں نے ان کو الور میں دفن کیا تھا جس پر ایک بڑا گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔

۵ - **تعمیرات بھنڈوسی پرگنہ تجارہ** = یہاں ایک باغ - ایک مسافر خانہ اور باغ کے اندر ایک مقبرہ اور ایک مسجد بڑی عالیشان خانزادوں نے بنوائی تھی لیکن اب یہ تمام عمارات کھنڈرات بن چکی ہیں

۶ - **مقبرہ حضرت شہاب خاں پیر** = یہ مقبرہ پہاڑی پیا[illegible]یں شہاب خاں بن ناہر خاں کا [illegible] ہے اس پر ایک گنبد بھی ہے - اس مزار کی زیارت کے واسطے دور دور سے [illegible] ہے۔ شعیب صاحب نے آپ کی شہادت کی یہ تاریخ لکھی ہے ؎

بہ مزار شہاب خانِ شہید ٭ ے رسد ا - صبح و شام

جُست سالِ شہادت او شعیب گُفت از غیب ذوالجلال ندا

اِس میں مادہ تاریخ ذوالجلال ہے جس سے سنہ ۸۰۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

۷۔ **مقبرہ حضرت قادر شاہ صاحب** = یہ مقبرہ موضع بہروز پرگنہ منڈاور ریاست الور میں ہے۔ اس کی زیارت کے واسطے دُور دُور سے خلقت آتی ہے۔ وہاں عُرس کے موقعہ پر ہر سال بڑا بھاری میلہ بھی بھرتا ہے۔ بوجہ شجاعت و بہادری آپ کا لقب سُورما مشہور تھا۔

۸۔ **مقبرہ معہ گنبد حضرت لاڈخاں عرف لال شاہ صاحب** = یہ مقبرہ قصبہ کوٹ قاسم ریاست جیپور میں ہے۔ لاڈخاں صاحب کوٹ قاسم کے خانزادوں میں سے تھے۔ یہ مقبرہ آبادی سے جانب شرق اُس راستے پر بنا ہوا ہے جو تجارہ کو آتا ہے۔ مقبرہ پر ایک بڑا گنبد بھی ہے۔ گنبد کے پاس ہی لاڈخاں صاحب کے تین فرزندوں کی قبریں بھی بنی ہوئی ہیں۔

۳۔ گنبدیں

۱۔ **گنبد موضع مسیت** = موضع مذکور میں جس کو اب تھانہ عالم پور بھی کہتے ہیں ایک بڑا گنبد عالم خاں خانزادہ کا بنوایا ہوا تھا جس کے کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں۔

۲۔ **تعمیرات موضع بھونڈسی ضلع گوڑگانوہ** = جو سڑک تاؤنہ سے گوڑگانوہ کو جاتی ہے۔ اس کے کنارہ پر موضع بھونڈسی کے متصل پرانی مسجدیں۔ مقبرے۔ گنبد اور خانقاہیں بنی ہوئی آج تک موجود ہیں۔ یہ سب عمارات خانزادوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔

۳۔ **گنبد غازی خاں بہادر** = یہ گنبد قصبہ ستھنہ میں خانزادوں کا بنوایا ہوا ہے۔

۴۔ **گنبد رائے زادی** = یہ گنبد بھی ستھنہ کے اندر خانزادوں نے بنوایا تھا۔

۵۔ **گنبد تجارہ** = یہ گنبد نجف خاں خانزادہ سے ندی پار قصبہ تجارہ میں جانب

شرق بنوایا تھا جو اب تک موجود ہے ۔

۶ ۔ **گنبد خان خانان الور** ۔ شہر الور میں جانب جنوب کا غذیوں کے محلہ میں ایک بڑا گنبد موجود ہے ۔ جو خان خانان خانزادے کا بنوایا ہوا ہے ۔ یہ شیر شاہ بادشاہ کے زمانہ میں بنوایا گیا تھا ۔ اس کی عمارت پہلے بڑی شاندار تھی مگر اب قدرے شکستہ ہو گئی ہے ۔

۷ ۔ **گنبد ۔ مسجد ۔ محل و تالاب حسین خاں خانزادہ الور** ۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں حسین خاں خانزادہ متوطن شہر الور تھے جو کہ بادشاہی سرداروں میں شمار ہوتا تھا اپنے زمانہ میں ایک مسجد ایک محل ایک تالاب اور ایک بڑا گنبد بنوایا تھا یہ چاروں عمارتیں آج تک شہر الور میں حسین خاں کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہیں ۔ مسجد کی تعمیر کی تاریخ یہ ہے

در دور بادشاہ جہانگیر نور دین ۔	کز ظل عدل اوست ہمہ خلق در اماں
از بہر قرب طاعت حق مسجد لطیف ۔	بر پا نمود ۔ بانئی او در چنیں مکاں
تاریخ سال او چو طلب کردم از خرد ۔	گفتا بناء مسجد نیکو حسین خاں ۔

اس میں مادہ تاریخ بناء مسجد نیکو حسین خاں ہے جس سے سن ۱۰۲۵ھ برآمد ہوتا ہے ۔ دہلی دروازے کے باہر ایک تالاب ہے اس تالاب کا نام آج تک حسین خاں کا تالاب لوگوں میں مشہور چلا آتا ہے ۔ اس تالاب کے کنارے پر ایک بڑا عالیشان اور خوشنما گنبد ہے ۔ جس کے اندر حسین خاں خانزادہ کا مقبرہ ہے ۔ اس کے رہنے کا جو محل تھا وہ اب سرکاری قبضہ میں ہے ۔ جس کے اندر ریاست کے ملازمین رہتے ہیں ۔

نوٹ) حکیم محمد عمر صاحب الوری اپنی فہرست مساجد شہر الور کے صفحہ ۸۷ پر ۔ حسین خاں خانزادہ کی مسجد کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ

> اید ورزیوں کی مسجد شہر کے اندر تواڑی کے کوئیں کے پاس واقعہ ہے ۔ جہانگیر کے وقت میں حسین خاں خانزادہ نے تعمیر کرائی تھی ۔ جس کی پیشانی پر ۱۰۲۵ھ کندہ ہے)

جہانگیری دور میں میوات کی طرف یہ حسین خاں خانزادوں کے گروہ میں ایک بڑا شخص خیال کیا جاتا تھا ۔ اس مسجد کے آس پاس جو پرانی قطع کے بعض مکانات اب تک نظر آتے ہیں غالباً اسی کی بود و باش کے ہوں ۔ دہلی دروازہ شہر سے باہر اس تالاب کے کنارہ پر جو حسن کے نام سے مشہور ہے ایک خوشنما گنبد واقع ہے کہتے ہیں وہ مقبرہ اسی حسین خاں خانزادہ کا ہے پیشانی مسجد پر باہر کی طرف جو قطعہ کندہ ہے ۔ اس میں پہلا شعر بلا وجہ شیخ محمد مخدوم صاحب مصنف مرقع الور نے قلم انداز کر دیا ۔ اور چونکہ مصرع تاریخی کے

عدد مستخرج ۱۰۳۵ھ ہوتے ہیں۔ اور سنگِ تاریخ پر ۱۰۲۵ھ کندہ ہے پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مغالطہ کا باعث یا تو سنگ تراش ہے یا امتدادِ زمانہ سے فرسودگیٔ سنگ نے یہ صورت پیدا کر دی ہے۔

حکیم موصوف کے اس بیان پر ہمیں کچھ تنقیح کرنی ہے۔ اول یہ کہ یہ مسجد و گنبد و تالاب و دیگر مکانات سب کے سب شیخ محمد مخدوم صاحب نے باوجود سخت مخالف ہونے کے بھی مرقع الور کے صفحہ ۵۹ میں غیر مبہم طور پر صاف صاف حسین خاں خانزادے کے بنوائے ہوئے تحریر فرمائے ہیں۔ لیکن افسوس حکیم صاحب نے ان کا ذکر ایسے استفہامیہ طریق پر لکھا ہے جس سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ عمارات خانزادوں کی تعمیر کردہ ہیں یا نہیں۔ مثلاً (۱) یہ درزیوں کی مسجد۔ (۲) حسین خاں خانزادہ سردار خیال کیا جاتا تھا۔ (۳) اس پاس کے مکانات غالباً اسی کی بود و باش کے ہوں۔ (۴) کہتے ہیں یہ مقبرہ اسی حسین خاں کا ہے۔ (۵) یہ مسجد مسلمانوں کی امداد سے چل رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

حکیم صاحب کی یہ تحریر ان کے اندرونی جذبات کا پتہ دے رہی ہے۔ دوم یہ کہ مصرع تاریخی کے عدد مستخرج بجائے ۱۰۳۵ کے ۱۰۲۵ کندہ ہیں۔ یہاں بھی حکیم صاحب نے غلطی کھائی ہے۔ شاید صاحب موصوف نے بناء کے لفظ کو یائے مجہول کے ساتھ پڑھا ہے حالانکہ اس کے آخر میں حرف ہمزہ بالکسر ہے جو مسجد کا مضاف ہے اور صرف حرکت کا کام دیتا ہے۔ شیخ محمد مخدوم صاحب نے الور کے قلعہ کا مادۂ تاریخ (بناء خیر نہادہ) جو لکھا ہے اس میں بھی ہمزہ کا کوئی عدد انہوں نے نہیں لیا ہے صرف حرکت کی جگہ ہمزہ نے کام دیا ہے جس کے عدد ۹۲۸ نکلتے ہیں۔ اس قسم کی مثالیں علماء دین مبدءِ فیاض۔ بناءِ فساد وغیرہ ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اعداد ۱۰۲۵ جو شعر کے مطابق کندہ کئے گئے ہیں بالکل درست ہیں۔ سوئم حکیم موصوف جو شیخ محمد مخدوم صاحب کو شعر چھوڑ دینے کا ملزم گردانتے ہیں ہمارے خیال میں یہ کوئی تاریخی غلطی نہیں ہے صرف سہو کہا جا سکتا ہے یا عدم وصولی یا غیر ضروری وغیرہ اسباب ہو سکتے ہیں۔

۶۔ گنبد معہ مقبرہ نواب فیروز خاں متوطن شاہ آباد۔

نواب موصوف کی نعش دہلی سے شاہ آباد لائی گئی تھی جس کو یہاں دفن کر کے اس پر مقبرہ بنایا گیا ہے۔ اور اس مقبرہ پر ایک بڑا گنبد بھی تعمیر کرایا گیا ہے۔ یہ گنبد تجارہ کے راستے کے سرے پر واقع ہے گنبد کی دیواروں پر عربی حروف

میں عبارتیں بھی کندہ ہیں۔

۹۔ **گنبد معہ مقبرہ سید محمد برکت اللہ صاحب نارنولی** = یہ مقبرہ معہ گنبد عالم خاں بن تلیم خاں خانزادہ نے اپنے پیر حاجی علیم الدین صاحب نارنولی کے حکم سے بنوایا تھا۔

۱۰۔ **گنبد معہ مقبرہ راجہ جلال خاں واقعہ اندور** = یہ گنبد معہ مقبرہ عین پہاڑ کے اوپر بنایا گیا ہے۔ اس کے پاس ہی ہاتھی خانہ اور گھڑسال اور پختہ تالاب بنے ہوئے ہیں۔ اس مقبرے کے پاس ہی چودہ بندرہ خانزادہ سرداروں کے اور بھی مقبرے بنے ہوئے ہیں۔

۱۱۔ **گنبد معہ مقبرہ فتح جنگ خاں خانزادہ الور** = یہ گنبد فتح جنگ خاں خانزادہ کا ہے جو کہ راجہ حسن خاں کے خاندان میں ہوا تھا۔ اس گنبد کو خواص خاں حاکم میوات کے زمانہ میں جمال خاں جاگیردار کے بھائی بندوں نے بنوایا تھا۔ یہ عالی شان گنبد معہ مقبرہ شہر کے مشرق کی طرف ریلوے لائن کے متصل رام گڑھ کی طرف آنے والی سڑک کے کنارہ پر بنایا گیا ہے۔ اس گنبد کی تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خانزادوں کو وسیع اور بلند عمارات بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس مقبرے کی تمام عمارات ابھی تک بہت اچھی حالت میں بنی ہوئی موجود ہیں جو کہ بڑی شاندار ہیں۔ اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ امید ہے اس عمارت کو دیکھ کر ہر شخص خانزادوں کی ہمت اور حوصلے کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیگا۔

اس عمارت کے ایک کونہ میں ایک سنگ سرخ جما ہوا ہے۔ اس سنگ سرخ پر ہندی خط میں یہ تحریر ہے۔

(سمت ۱۶۰۴ بکری۔ مطابق ۹۵۵ھ میں فتح جنگ خان نے وفات پائی۔ تاریخ ۲۷
ماہ ربیع الآخر۔ گنبد نیو دیتی۔ تاریخ ۳۰ لکھت تھا)

واضح ہو کہ اس تاریخ میں جو سن تحریر ہے وہ ہجری ہے اور ہندی سمت جو ہے وہ بکرمی ہے۔ یہ گنبد بہت مرتفع اور عالیشان ہے۔ اس پر جا بجا قرآن شریف کی آیتیں تحریر ہیں۔ اندر سے گنبد کی خوبصورتی اور زیبائش نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے۔ باہر غلام گردش بھی نہایت اچھی اور شاندار ہے۔ یہ مقبرہ تین منزل اونچا ہے ہر ایک منزل ایک سے ایک بہتر اور برتر ہے

مقبرے کے اوپر بڑا عالیشان گنبد ہے۔ گنبد کے گرد ایک احاطہ بہت وسیع ہے جس میں اونچے اونچے تین دروازے ہیں۔ مغرب کی جانب ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ وہ مدت سے ویران پڑی ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۳۳ء میں مہاراجہ جے سنگھ سوائی کے زمانہ میں ریاست کے اندر کچھ شورش برپا ہوئی تھی۔ اُس وقت الور والوں نے اس مسجد کی مرمت اور سفیدی وغیرہ کرا دی ہے۔ اور اب اس میں پانچوں وقت نماز ہوتی ہے۔ ایک فقیر جاروب کشی بھی کرتا رہتا ہے۔ قبل ازیں ایک مندر بھی اس مقبرہ کے بیرونی احاطے میں مشرق کی طرف بنا لیا گیا تھا۔ لیکن پھر مسلمانوں نے اُسے وہاں سے الگ کرا دیا ہے۔

کہتے ہیں کسی وقت میں مہاراجہ مذکور نے اس مقبرے کے احاطے میں اپنا توپ خانہ رکھا تھا اور چاروں طرف بارگیں گھوڑوں کے لیے بنوائی تھیں۔ مگر اب وہاں سے وہ بھی ہٹا لیا گیا ہے۔ اور تمام بارگیں اس وقت خالی پڑی ہیں۔ مقبرے کے اُس دروازے کے سامنے جو سڑک کی طرف واقع ہے۔ ایک مختصر سا باغیچہ بھی مسلمانوں نے حال ہی میں لگوا دیا ہے۔ جس سے اس عمارت کی خوبصورتی اور بھی دوبالا ہو گئی ہے۔

نوٹ:۔ ہمارے نامہربان دوست شیخ محمد مخدوم صاحب فتح جنگ خاں کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ

(عوام کہتے ہیں کہ یہ فتح جنگ خاں افغان تھا اور خانزادے یہ کہتے ہیں کہ وہ منجملہ خانزادگان تھا۔ لیکن یہ روایات بے اصل کسی تاریخ سے قابل اطمینان نہیں۔ اور نسب نامہ خانزادگان میں بھی کہیں اس کا نام نہیں)

دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۴۷۔

شیخ صاحب نے اس بیان میں چار باتیں لکھی ہیں۔

(۱) عوام کے کہنے کے مطابق فتح جنگ خاں افغان تھا۔ (۲) خانزادوں کے بیان کے مطابق وہ خانزادہ تھا۔ (۳) تاریخ سے اس کا خانزادہ یا افغان ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (۴) خانزادوں کے نسب نامہ میں اس کا نام نہیں۔

اس بیان کے متعلق مندرجہ ذیل تحقیقی امورات قائم ہو سکتے ہیں۔

(۱) علانیہ اور خاص جرأت کے ساتھ کسی جھوٹا دعوے کرنے کی انسان میں ہرگز ہمت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کیا بھی جائے تو اس پر چاروں طرف سے لعنت برستی ہے۔ اور

دونوں میں اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ لیکن خانزادوں کے اس دعوے کو آج تک
کوئی شخص غلط ثابت نہیں کر سکا ہے۔

(۲) اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کہ عوام اس کو افغان کہتے تھے۔ بلکہ یہ بات صرف
شیخ جی کے ذہن کے سوا کسی کتاب یا پوتھی وغیرہ میں درج نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی اکیلی رائے
خانزادوں کی بہت سی رایوں کو کسی طرح بھی غلط ثابت نہیں کر سکتی۔

(۳) شیخ جی کے بیان کے مطابق عوام تو اس کو افغان کہتے ہیں۔ اور خانزادے اسکو خانزادہ
بتلاتے ہیں۔ گویا دعوے کرنے میں دونوں فریق برابر ہیں۔ لیکن شیخ جی کے پاس وہ کونسا معیار
ہے جس کی رو سے وہ ترجیح دیکر افغان ہونے کو صحیح مانتے ہیں لیکن خانزادہ ہونے کو
غلط بتاتے ہیں۔

(۴) شیخ جی کا یہ بیان بھی بالکل غلط ہے کہ تاریخ سے نہ وہ افغان ثابت ہوتا ہے اور نہ خانزادہ
ہم کہتے ہیں تاریخ کی رو سے تو بیشک وہ افغان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ شیخ جی نے بھی باوجود حمایتی
بننے کے کوئی تاریخی ثبوت افغان بننے کا نہیں لکھا۔ لیکن وہ خانزادہ تاریخ کے ذریعہ ضرور
ثابت ہوتا ہے جس کا حوالہ یہ ہے۔

منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ

(فتح جنگ خاں نواب حسن خاں والئی میوات کے خاندان میں تھا جس کا مقبرہ
معہ گنبد اس کے بھائیوں نے الور میں بنایا تھا)

دیکھو تاریخ خانانِ میوات صفحہ ۴۶۔ تحریر کردہ ماہ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ۔

(۵) اگر خانزادوں کے نسب نامہ میں اس کا نام نہیں ہے تو افغانوں کے نسب نامہ میں
بھی ہرگز اس کا نام موجود نہیں ہے۔

(۶) شیخ جی کی یہ عجیب منطق ہو کہ کسی شخص کے معمولی ذکر پر بھی بلا ضرورت وہ جھٹ نسب نامہ اور تاریخ کو لے
دوڑتے ہیں۔ بالفرض ہم یہ کہیں کہ شیخ جی دراصل شیخ نہیں ہیں کیونکہ وہ تاریخوں میں شیخ نہیں لکھے ہوئے ہیں اور نہ
شیخوں کے نسب نامہ میں نہیں ان کا نام درج ہے تو ہمارے اصول شیخ جی کے ہم خیال کو ضرور صحیح ماننا پڑیگا۔

(۷) شیخ جی اپنی عادت کے موافق خانزادوں کی اہمیت گھٹانے کے لئے اس کو خانزادہ
نہیں مانتے۔ جس کا حال ہم قومی مدافعت میں بھی پہلے ہی بخوبی لکھ چکے ہیں۔ ورنہ اس کے
خانزادہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

(۸) شیخ جی اس گنبد کی تعمیر کی بابت یہ لکھتے ہیں کہ

(سنگ تاریخ جو اس کے کونہ میں نصب ہے۔ اس پر خطِ ہندی میں بجنسہٖ مطلب تحریری)
(سمت ۱۶۰۲ بکرمی۔ مطابق ۹۵۵ھ میں فتح جنگ خاں نے وفات پائی۔ تاریخ ۲۷ ماہ ربیع الآخر۔ گنبد نیو دینی۔ تاریخ ۳۰ رلکھت تیجا)
دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۴۶ ۔

یہ گنگا جمنی عبارت خاص خانزادوں کی ثابت ہوتی ہے۔ افغان لوگ ہندی حروف اور عبارت کو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ چونکہ خانزادے نومسلم ہیں۔ ان کے ہاں کچھ رسم و رواج بدستور ہندوانی چلے آتے ہیں اور کچھ اسلامی ہوگئے ہیں۔ اس لئے گنبد کی تعمیر کا سن ہندی حروف میں اور بکرمی سمت میں اور گنبد نیو دینی تاریخ ۳۰ رلکھت تیجا کی عبارت ہندوانی زبان میں ہونا تو ان کے ہندو زمانہ کی یادگار ہے اور سن ہجری اور عربی مہینہ نومسلم ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ ہندی زبان اور ہندی حروف اور بکرمی سمت خاص طور پر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ گنبد خانزادوں کا ہی بنوایا ہوا ہے کیونکہ کسی نئی تقریب وغیرہ کے موقعہ پر خانزادے لوگ اپنے پرانے زمانہ کے راجپوتی رسم و رواج کے مطابق جو بہت سے آج تک بھی ان میں پائے جاتے ہیں برہمن یا جوتشی وغیرہ کو بلا کر شبھ لگن یا مہورت دکھلا کر کام کراتے ہیں۔ اس لئے ضرور اس گنبد کی نیو رکھتے وقت بھی کسی برہمن وغیرہ ہندو کو بلا کر مندرجہ بالا عبارت ہندی حروف اور ہندی زبان میں لکھوائی گئی ہے۔ حتےٰ کہ عربی مہینہ اور سن ہجری بھی انہی ہندی حروف میں لکھا گیا ہے۔ لیکن افغانی عمارتوں پر ہی کیا منحصر ہے کل اسلامی عمارات پر کہیں بھی کوئی کتبہ یا تعمیر کی تاریخ وغیرہ ہندی حروف اور ہندی زبان میں اور سمت بکرمی میں آج تک تحریر شدہ نہیں دیکھی گئی۔

لہٰذا ایسے صحیح اور معتبر ثبوتوں کے مقابلہ میں بغیر کسی عقلی و نقلی ثبوت کے شیخ جی کی لایعنی کہانی اور وہ بھی ان کی زبانی کیا حقیقت رکھ سکتی ہے۔

۱۲۔ **گنبد موسوم بھرتھری واقعہ تجارہ** = اس گنبد کو نواب علاول خاں والیٔ میوات نے صرف زر کثیر سے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنوایا تھا۔ اس گنبد کے اندر علاول خاں کا اور اس کے باپ ذکریا خاں کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد نہایت شاندار ہے۔ عوام الناس اس کو بھرتھری کا گنبد بھی کہتے ہیں

لیکن لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ اول وجہ یہ کہ راجہ بھرتھری کے گنبد میں مسلمانوں کے مقبرہ جات کس طرح بنائے گئے ہیں۔ اس میں ہندوؤں کی سمادھ ہونی چاہیں۔ دوئم یہ کہ راجہ بھرتھری راجہ بکرماجیت والئی اوجین کا بھائی تھا جس کی حکومت کبھی میوات میں نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کا آنا کبھی میوات میں ثابت ہوا۔ سوئم یہ کہ بکرماجیت کے زمانہ کو لمبا عرصہ گذر گیا۔ اس زمانہ کی عمارات کا آج تک بدستور قائم موجود رہنا بعید از قیاس ہے۔ چہارم یہ کہ راجہ بھرتھری نے اپنی عورت مسماۃ سیتا کی بیوفائی اور رانی پنگلا کی موت سے جوگ اختیار کرکے اس گپھا میں جو چنار گڑھ کے قلعہ میں تھی ریاضت کرنے لگا تھا۔ اور پھر یہاں سے اٹھکر حیدرآباد کے شہر سہوان میں جاکر اپنی عمر پوری کر دی۔ دیکھو سراج التواریخ صفحہ ۱۳۰ —

یہ روایت بھی بہت مشہور ہے کہ یہ بھرتھری راجہ بکرماجیت کا بھائی نہ تھا۔ بلکہ اس نام کا ایک فقیر تھا جو گنبد کی عمارت بننے میں مزدوری کیا کرتا تھا۔ لیکن مزدوری لیتا نہیں تھا۔ لوگوں نے مزدوری نہ لینے کی وجہ اس سے دریافت کی۔ تو اس نے کہا میرے مرشد کا یہی حکم ہے۔ کہ تا اختتام گنبد بغیر مزدوری لئے ہی کام کرتا رہوں۔ لوگوں نے اس کے اس ایثار اور قربانی پر اس گنبد کا نام ہی بھرتھری والا گنبد رکھدیا۔

(نوٹ) منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی بھی اس گنبد کو اپنی تاریخ خانان میوات کے صفحہ ۶۰ پر علاول خاں خانزادہ والئی میوات کا بنوایا ہوا لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ گنبد علاول خاں نے اپنے سرکاری رکن گیلا مہاجن ساکن تجارہ کی معرفت تیار کرایا تھا اسلئے اس کا مندرجہ وافی نام ہے۔

۴۔ قلعہ جات

قلعہ ملک پور: عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں موضع ملک پور متصل باگھور پرگنہ تجارہ میں اکرام خاں خانزادہ متوطن قصبہ تجارہ نے جو ملک علاء الدین بن تاہر خاں کی اولاد میں سے تھا ایک قلعہ اپنی حفاظت و سکونت کے لئے بنوایا جسمیں اس نے اپنی سپاہ رکھی۔ اسی قلعہ میں بیٹھکر خلیل اللہ خاں حاکم تجارہ کو جو اورنگ زیب بادشاہ کی طرف سے وہاں مقرر تھا شکست دیکر اور اس سے نوبت و نقارہ اور نشان وغیرہ

چھین کر وہاں سے نکال دیا تھا۔

(۲) **قلعہ گھساولی**: پہلے یہاں نواب بازید خاں خانزادہ کا بنایا ہوا ایک خام قلعہ تھا اس کے بعد نواب ذوالفقار خاں خانزادہ نے جس کا لقب شمشیر برہنہ تھا اس قلعہ کو اپنی نوابی کے زمانہ میں نہایت مضبوط اور سنگین تعمیر کرایا تھا۔ اسی قلعہ میں بیٹھکر اس نے مرہٹوں اور راجہ پرتاب سنگھ رئیس الور کا مقابلہ کیا تھا۔

۳۔ **قلعہ الور**: یہ قلعہ نواب حسن خاں حاکم میوات نے اپنے باپ علاؤالدین عرف علاول خاں کے نام پر بنوایا تھا۔ یہ قلعہ الور کے قریب ہی پہاڑ پر واقعہ ہے۔ نکومبوں کے زمانہ میں پہلے یہاں صرف ایک پتھروں کا احاطہ بغیر چونے وغیرہ کے بنا ہوا تھا۔ جو انہوں نے شاہانِ دہلی کے خوف سے تعمیر کر لیا تھا۔ لیکن سمت ۱۵۴۹ بکرمی میں نکومبوں کو چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ سے شکست دیکر اور قتل کر کے حسن خاں مذکور نے دوبارہ نئے سر سے نہایت مضبوط اور سنگین بنوایا تھا۔

جب حسن خاں بابر کے مقابلہ میں مارا گیا۔ تو مغلوں نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جب سلطنت مغلیہ میں ضعف آ گیا۔ تو سورج مل جاٹ رئیس بھرت پور نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور سورج مل جاٹ کی طرف سے قلعہ دار وغیرہ کو گیارہ ماہ تک تنخواہ نہ ملنے پر ۲۵ نومبر ۱۷۷۵ء مطابق مگسر سدی تیج سمت ۱۸۳۲ بکرمی کو انہوں نے بھی راجہ بختاور سنگھ رئیس الور کو دیدیا۔ چنانچہ آج تک راجہ مذکور کی اولاد کا اس قلعہ پر قبضہ ہے۔

محمد مخدوم صاحب اپنی کتاب مرقع الور کے صفحہ ۴۳ میں مقفیٰ عبارت کے اندر اس قلعہ کا حال اس طرح لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں خانزادہ دور اندیشی کو کام میں لایا اور کوہ الور پر ایک مستحکم قلعہ بنایا جو گڑھ سابق اس پر تھا۔ وہ استحکام نہ رکھتا تھا۔ اس سبب سے اُسے دور کیا۔ اور صرف کثیر اس کی تیاری جدید کا منظور کیا ۹۲۸ھ میں اس کی بنیاد ڈالی عمارت (بناء خیر نہادہ) سے تاریخ تعمیر اس کی نکالی۔ اس قلعہ کے چار دروازے رکھے۔ اور تئیس برج شماری۔ اور تین ہزار کنگروں سے مرتب کی اس کی چار دیواری۔ اور تحریرات سابق سے یہ بھی بعرصہ شہود ہے۔ کہ دور اس قلعہ کا آٹھ ہزار درعہ از روئے پیموده ہے۔ اٹھارہ ہاتھ چار دیواری اس کی بلند۔

جس کے ذریعہ ہر طرف سے راہ خوف بند۔ فصیل عریض و فراخ ہے۔ زمین اس کی سنگِ لاخ ہے۔ خندق اس قلعہ کی پہاڑ ہے اور حفاظت کو بڑی آڑ ہے۔ اندر قلعہ کے کچھ مکانات بنائے ہیں۔ باوڑی اور چاہ اس میں تیار کرائے ہیں۔ اور سڑک پختہ بنا کر آمد و رفت کا آرام کیا۔ اور تکلیف سخت اثناءِ راہ قلعہ کا بخوبی انتظام کیا)

دیکھو مرقع الور صفحہ ۴۴ ۔

مولوی مظہر الدین صاحب منیجر الامان الور نمبر میں محمد مخدوم صاحب کی عبارت پر اتنا اور اضافہ فرماتے ہیں کہ اس قلعہ کے اندر ایک شاہی محل۔ چار کنڈ۔ اور ایک تالاب بنایا گیا ہے مغربی سمت کی ڈھلوان جانب ایک اندھیری دروازہ ہے۔ جو ایک طویل راستے کے ذریعے ضرورت کے لئے شہر کے قریب رکھا گیا ہے۔ اور شہر پناہ کی پختہ چار دیواری اس قلعہ کے دروازے تک پہنچا دی ہے۔

قلعہ کا دروازہ بہت نشیب میں ہے۔ تقریباً سات سو سیڑھیاں چڑھنے کے بعد قلعہ کے ڈانڈے تک پہنچتے ہیں۔ اس قلعہ کی فصیل کو بالا قلعہ کہتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں اس قلعہ کے دروازوں کے یہ نام ہیں۔ سورج پول۔ چاند پول۔ لچھمن پول۔ اندھیری۔ یہ نام راجہ سورج مل والئی بھرت پور نے اپنے قبضے کے زمانہ میں حسن خاں کے سابقہ ناموں کو تبدیل کر کے رکھے تھے۔

یہ قلعہ سطحِ سمندر سے اٹھارہ سو فٹ کی بلندی پر بنایا گیا ہے۔

۴۔ قلعہ کوٹلہ ناہر خاں

اس قلعہ کو بہادر ناہر خاں نے اپنی حفاظت اور سکونت کے لئے اریز کوٹلے کے پہاڑ پر ۷۹۰ھ میں بنوایا تھا۔

فرشتہ نے بھی اس قلعہ کا نام اپنی تاریخ میں کوٹلہ بہادر ناہر لکھا ہے۔

مسٹر پی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب انگریزی گزیٹیر الور میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ تجارہ کی پہاڑیاں خانزادوں کے زمانہ میں بہت مشہور تھیں۔ جن پر ان خانزادہ سرداروں کے قلعہ اور مکانات بنے ہوئے تھے۔ یہ پہاڑیاں اوپر سے اتنی چوڑی ہیں۔ کہ ان کی چوٹی پر ایک سڑک ایسی نکالی گئی ہے جو کہ خانزادوں کے بنائے ہوئے ان بڑے بڑے قلعوں کو ملاتی ہے۔ جو انہوں نے اندوہا اور کوٹلے کی پہاڑیوں میں بنائے ہوئے تھے۔

۵۔ **قلعہ اندور:** یہ قلعہ راجہ جلال خاں حاکم میوات نے اپنے زمانہ میں سنئے سہرے سے بنوایا تھا۔ جس میں بیٹھکر وہ ہمیشہ سید مبارک شاہ بادشاہ دہلی سے مقابلہ کرتا تھا۔ جلال خاں نے اس قلعہ کو بنوا کر اندور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ یہ قلعہ پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ اس قلعہ کے پاس چودہ پندرہ خانزادہ سرداروں کی قبریں بنی ہوئی ہیں کہتے ہیں شروع میں یہ قلعہ الور کے قلعہ کی طرح ایک کورہ پارہ یعنی صرف پتھروں کا ڈھیر تھا۔ جسے نکوموں نے بنوایا تھا۔ انقلاب زمانہ سے یہ سب لوگ نیست و نابود ہو گئے۔ ان سے چھین کر خانزادوں نے اپنا قبضہ جمایا۔ خانزادوں کے بعد پٹھانوں کے قبضے میں آیا۔ ان کے بعد مغلوں نے قبضہ کیا۔ اور خاندان مغلیہ میں ضعف آنے سے راجہ بختاور سنگھ رئیس الور کے قبضے میں آیا۔ جو آج تک اُس کی اولاد کے پاس چلا آتا ہے۔

۶۔ **قلعہ گھرول:** یہ قلعہ موضع سرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف دمدمہ کے پاس قصبہ گھرول میں خانزادوں نے اپنے زمانہ میں تعمیر کیا تھا۔ اس قلعہ سے ایک سڑک قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر کی طرف جاتی تھی۔ اور وہاں سے قلعہ اندور کو جاتی تھی۔ گویا اس سڑک کے ذریعہ یہ تینوں قلعے ملے ہوئے تھے۔ مگر آج کل قصبہ گھرول اور اس کے سب مکانات اور قلعہ وغیرہ کھنڈرات کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

۷۔ **قلعہ منڈھا:** یہ منڈھا گاؤں سیدوں کا ہے۔ جو پرگنہ کشن گڑھ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ایک قلعہ نواب فیض اللہ خاں خانزادہ متوطن قصبہ شاہ آباد نے اپنے زمانہ میں بنوایا تھا۔ چونکہ منڈھے کے سیدیوں نے نواب مذکور کے ساتھ ناطہ رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وجہ سے نواب نے منڈھے کے سیدوں کی بیس حویلیاں برباد کر کے یہ قلعہ تعمیر کرایا تھا۔

۸۔ **قلعہ شاہ آباد:** نواب فیروز خاں نے شاہ آباد کو بسانے کے بعد اس میں ایک قلعہ پختہ بنوایا۔ اور اس میں اپنی سکونت کے لئے ایک عالیشان اور خوبصورت محل تعمیر کرایا جس کا نام خاص محل رکھا گیا تھا۔

۹۔ **قلعہ جھراوٹ:** یہ قلعہ نصیر خاں بن قدو خاں یا قدو خاں خانزادہ کا بنوایا ہوا ہے۔ یہ اس راستے پر واقع ہے۔ جو پنگواں سے فیروز پور جھرکا کو جاتی ہے۔ اس کے پاس ہی چاہ نصیر خاں موجود ہے جس سے تمام موضع پانی بھرتا ہے۔

یہ قلعہ ایک پہاڑی کے سرے پر بنوایا تھا۔ اب اس کے کھنڈر موجود ہیں

۱۰۔ **قلعہ بھروز** = اس قلعہ کو حسن خاں بن علاول خاں والئی میوات نے بھروز ریاست الور کے پہاڑ پر ایسی جگہ بنوایا تھا جہاں پر بھروز کے لیے آمد و رفت کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور تین طرف پہاڑ ہے۔

۱۱۔ **قلعہ بجرنگ گڑھ** = نواب زوراور خاں خانزادہ شاہ آباد نے مہاراجہ بنے سنگھ کے زمانہ میں باغی اور سرکش لوگوں کی تنبیہ و تادیب اور علاقہ کے بندوبست کے لیے سمت ۱۸۹۲ بکرمی میں بنوایا تھا۔ اس کا لڑکا سردار خاں ایک عرصے تک اس قلعہ میں قلعدار رہا تھا۔

۱۲۔ **قلعہ کالونڈ** = اس قلعہ کو جہان خان بن نواب بازید خاں گھساولی والے نے بنوایا تھا جو آج تک موجود ہے۔

۵۔ محالات آبادی

۱۔ **قصبہ بہادرپور ریاست الور** = اس قصبے کو بہادر خاں بن بہادر ناہر نے آباد کر کے اپنے نام پر اس کا نام بہادرپور رکھا اور وہاں اپنی سکونت اختیار کی۔

۲۔ **موضع ملک پور متصل باگھور پرگنہ تجارہ** = اس موضع کو عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں اکرام خاں خانزادہ متوطن قصبہ تجارہ نے جو چودھری الٰہی بخش خاں کا دادا تھا آباد کیا۔ اور وہاں ایک قلعہ بنا کر اس میں ایک محل اپنی سکونت کے لیے بنوایا۔

۳۔ **فیروزپور جھرکا** = فیروز خان بن بہادر خاں نے حاکم میوات بن کر اس قصبے کو بسایا تھا۔ اور اپنے نام پر اس کا نام فیروزپور رکھا۔ اس قصبے کے پاس ہی پہاڑ سے پانی جھرتا ہے۔ اس وجہ سے اب اس کو فیروزپور جھرکا کہتے ہیں۔

۴۔ **قصبہ شاہ آباد پرگنہ تجارہ** = اس کو نواب فیروز خاں نے بسا کر جہاندار شاہ بادشاہ دہلی کے نام پر اور بقول بعض مورخ

شاہ جہاں بادشاہ کے نام پر شاہ آباد نام رکھا۔ کیونکہ نواب موصوف کو اسی بادشاہ نے خطاب نوابی دیا تھا۔

پہلے اس جگہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ جسے سیلی کہتے تھے۔ نواب فیروز خاں نے اسے قصبے کی شکل میں آباد کر دیا۔ اور پختہ بازار بنوا دیا۔ اور اس کے اندر ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا۔

۵۔ **شہر الور** :۔ سلطان بلبن وغیرہ نے بڑگوجروں کو سزا دینے کے لئے بار بار میوات پر فوج کشی کی۔ اور الور کی آبادی کو آگ لگا دی۔ اور ہر طرح سے لوٹ کھسوٹ کر اس شہر کو ویران کر دیا۔ مدت تک یہ شہر خراب حالت میں پڑا رہا۔ اس کے بعد جب احمد خاں خانزادہ حاکم میوات ہوا۔ تو اُس نے فیروز پور جھرکہ کو چھوڑ کر الور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اور وہاں دہلی دروازہ کی جانب جہاں اب قصاب پورہ ہے اپنی سکونت کے لئے محل اور مکانات بنوائے۔ اس کے شوق کو دیکھ کر اس کے ماتحت سرداروں نے بھی عمدہ عمدہ مکانات اور حویلیاں تیار کرائیں۔ چنانچہ اس زمانہ کے مکانات آج تک موجود ہیں۔ احمد خاں کی آبادی سے شہر الور کی رونق بڑھ گئی۔ پھر اس کے بعد علاول خاں حاکم میوات نے اپنے زمانہ میں اپنے بیٹے حسن خاں کی معرفت قلعہ الور وغیرہ کو پختہ بنوایا۔ الور کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ اروَلی پہاڑ کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے پہلے اس کو اروَل کہنے لگے۔ پھر کثرت استعمال سے بگڑ کر الور بن گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نواب حسن خاں نے اپنے باپ علاول خاں کے نام پر اس شہر کو نئے سرے سے بسانے کی وجہ سے علول نام رکھا چونکہ بھاشا زبان میں حرف رے کا بدل حرف لام سے ہو جاتا ہے جیسے بلول اور ہوڈل کو برور اور ہوڈر بھی کہتے ہیں۔ پس اسی قاعدہ کے مطابق علول سے الور بن گیا۔ ابتدا میں اس شہر کو اربل بھی کہتے تھے۔

۶۔ **علاولپور** :۔ علاول خاں والئی میوات نے اپنے نام پر علاولپور نام کے دو موضع بسائے تھے۔ ایک الور کے پاس تھا جس کے اب کھنڈرات باقی ہیں دوسرا موضع تجارہ کے مشرق کی طرف بسایا تھا۔

۷۔ **گھروڑ پرگنہ تجارہ** :۔ یہ قصبہ سرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف موضع دمدمے کے پاس خانزادوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ یہاں سے ایک سڑک قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر کو اور وہاں سے اندور کو جاتی تھی۔ آج کل یہ قصبہ گھروڑ اور اس کے تمام

مکانات و قلعہ و فصیل و سڑک وغیرہ بالکل کھنڈرات بن گئی ہیں۔

۸ - **قصبہ کوٹ قاسم** = اس قصبے کو قاسم خاں بن ترنگے سلطان خاں بن حسن خاں بن نصو خاں بن بہادر خاں بن ناہر خاں نے آباد کیا تھا۔ اور اس کے گرد ایک خام فصیل بھی بنوائی تھی۔ جو کہیں کہیں اب تک بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس قصبے کا نام قاسم خاں کے نام پر کوٹ قاسم رکھا گیا ہے۔

۹ - **قصبہ بنگواں پرگنہ فیروزپور جھرکا** = اس کو نور خاں بن قدو خاں بن فیروز خاں بن بہادر خاں بن ناہر خاں نے آباد کیا تھا۔ اس نے راجہ اسکرن رئیس چھیتم کی کو شکست دیکر اور اس کے مکانات مسمار کر کے وہاں کا کل عمارتی سامان اکٹھا کر کے بنگواں آباد کیا تھا۔ آبادی کی بنیاد رکھتے وقت نور خاں مذکور کے ایک ملازم نے پان کا بیڑہ دیا تھا۔ اتفاقاً وہ پان زمین پر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جس جگہ پر یہ پان گر کر ٹکڑے ہوا تھا۔ نور خاں مذکور نے وہیں پر برچھی گاڑ دی اور بنیاد رکھدی۔ اور بطور نیک شگون کے اس کا نام پان گنواں رکھا گیا۔ پھر کثرت استعمال سے بنگواں مشہور ہو گیا۔ دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۵۲۔

۱۰ - **موضع جھمراوٹ پرگنہ فیروزپور جھرکا** = اس موضع کو نصیر خاں و حامد خاں پسران قدو خاں نے آباد کیا تھا۔ مگر نام رکھنے کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۱ - **گُھساولی عرف نگر** = اس قصبے کو نواب بازید خاں نے آباد کر کے اس کے گرد ایک خام فصیل بھی بنائی تھی۔ جو بعد میں نواب ذوالفقار خاں کے زمانہ میں پختہ بنوائی گئی۔

۱۲ - **کوٹلہ بہادر ناہر خاں** = اس محال کو دامن کوہ میں بہادر ناہر خاں نے آباد کیا تھا۔ اور اس کے پاس پہاڑ کے اوپر ایک پختہ قلعہ بنوایا جس کی وجہ سے اسے کوٹلہ بہادر ناہر کہتے ہیں۔

۱۳ - **کھیڑلی متصل ناولی پرگنہ فیروزپور جھرکا** = کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر خانزادوں کا ایک فوجی بڑا لشکر رہتا تھا جس میں علاوہ پیدل سپاہیوں کے پانچ ہزار سوار بھی ہر وقت تیار

رہتے تھے۔ جو فوری حملے کے وقت کام آتے تھے۔

۱۴۔ **نظام نگر:** اس قصبے کو نظام خاں حاکم بیانہ نے بسایا تھا۔ اور اپنے نام پر نظام نگر نام رکھا تھا۔ یہ نظام خاں شہاب خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں سے تھا۔ بعض لوگ اس کو نظام الدین خاں کا بسایا ہوا کہتے ہیں۔ جو عماد خاں کی اولاد میں تھا۔

۱۱۔ خانزادوں کی فوجی خدمات

ا۔ میوات کی حکومت جاتے رہنے کے بعد خانزادوں نے اپنی معاش کے لئے دو ذریعہ مقرر کئے تھے۔ اول فوجی خدمات۔ دوئم جاگیرات۔ جو۔ ان کو شاہان دہلی کی طرف سے خاندانی ہونے کی وجہ سے عطا ہوئی تھیں۔ لیکن چھتریوں کے قدیم دستور کے مطابق زراعت کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنے میں یہ لوگ اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ ٹاڈ صاحب بھی یہی لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں نے جاگیرات چھن جانے کے بعد مجبوراً ہل ہاتھ میں لیا۔ کیونکہ وہ فی نفسہٖ کھیتی باڑی کو اپنی حقارت کا باعث جانتے تھے۔ مگر بکار معاش کے خیال سے اور اوقات بسری کی فکر میں کاشتکاری کو ہی اپنا شغل بنایا۔ ورنہ راجپوتوں کے اندر ہل جوتنے سے ان کی سات پشتوں تک کو داغ لگ جاتا ہے۔ چونکہ ان کی رگ و پوست میں بزرگوں کا خون دوڑتا تھا۔ اس لئے وہ زمین جوتنے کی حالت میں بھی بدن پر ہتھیار سجے رکھنا اپنا قومی فخر جانتے تھے)

دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۳۶۴۔

شاید اسی باعث خانزادے لوگ بھی اپنی زمینوں کا انتظام کاشتکاروں اور مزارعوں کے ذریعہ سرانجام دیا کرتے تھے۔ اور اپنے لئے صرف فوجی ملازمت کو ہی معاش کا واحد ذریعہ بنایا ہوا تھا۔

بیشک اُس زمانہ کے موافق یہی کام ان کے لئے موزوں تھا۔ کیونکہ ایک ایسی قوم کے لئے جس کے خاندان میں کئی سو سال تک حکومت رہی ہو۔ اور جو میدانِ جنگ میں اپنے فوجی کارنامے شاندار طریقہ پر دکھلانے کے شائق رہے ہوں۔ اُن کے لئے

یہ بات ناممکن تھی۔ کہ وہ کسی ایسے کام کو پسند کریں جس میں انہیں اپنی دلاوری اور بہادری دکھلانے کا موقعہ نہ مل سکتا ہو۔ اس لئے اپنی حکومت کے زمانہ سے لیکر گورنمنٹ انگریزی کے ابتدائی زمانہ تک بدستور ان لوگوں کا پیشہ فوجی خدمات ہی رہا ہے۔ اب اس گئے زمانہ میں بھی جنگ عظیم کے اندر خانزادوں نے فوجوں کے اندر بھرتی ہو کر گورنمنٹ کی بہت قابل قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔

مثال کے طور پر ہم ایک موضع مانڈی کھیڑہ کو پیش کرتے ہیں جس نے ایک سو نو آدمی جنگ میں بھرتی کرائے۔ جن میں سے دس آدمی میدان جنگ میں ہی کام آ گئے۔

اسی طرح بہت سے چھوٹے چھوٹے مواضعات کو چھوڑ کر قصبہ تجارہ۔ شاہ آباد بھنڈوسی۔ مبارک پور۔ بسئی خانزادہ۔ پنگواں اور نوح وغیرہ سے بڑی کافی تعداد میں بھرتی ہوئی تھی۔

جنگ عظیم میں میوات کے خانزادوں نے اپنی جان نثاری اور وفاداری کا جو ثبوت باوجود قلیل التعداد ہونے کے پیش کیا ہے اس کی نظیر میوات کی دوسری قومیں پیش کرنے سے قطعاً عاجز ہیں۔ ہمارے اس دعوے کے لئے سب سے بڑے دو ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔۔۔ اول وہ وار میموریل (فوجی جھنڈے) ہیں جو گورنمنٹ انگریزی نے ازراہ قدر دانی خانزادوں کی قومی اہمیت بڑھانے کے لئے اپنی طرف سے بمقام مانڈی کھیڑہ اور تجارہ تعمیر کئے ہیں۔ یہ وار میموریل صرف وہیں بنائے گئے ہیں جہاں کی فوجی خدمات نہایت قابل قدر اور شاندار ثابت ہوئی ہیں۔

دوسرا ثبوت ان انڈین فوجی افسروں کی تعداد ہے جو خانزادہ قوم میں سے بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ سپاہیوں اور نن کمیشنڈ افسروں کے علاوہ جو بہت بڑی تعداد میں ہیں پانچ صوبہ دار میجر۔ دو رسالدار میجر۔ بیندرہ صوبہ دار اور اٹھارہ جمعدار کل تعداد چالیس افسران مقرر ہوئے ہیں۔ افسروں کی اس تعداد کے ذریعہ یہ اندازہ بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ سپاہیوں اور نن کمیشنڈ افسروں کی تعداد کتنی زیادہ ہو گی۔ لیکن بدقسمتی سے جنگ عظیم کے بعد کچھ تو ہندوستانیوں کے گورنمنٹ پر زور ڈالنے کی وجہ سے اور کچھ جدید قسم کے آلات حرب کی ایجاد سے آج کل تمام فوجوں کے اندر بہت تخفیف کر دی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے خانزادہ قوم کی بھرتی پانچ پلٹنوں کے اندر ہوتی تھی۔ لیکن اب

صرف دو پلٹنوں یعنی فسٹ نو کھا اور سکنڈ فور تھ کے اندر ہی باقی رہ گئی ہے۔

یہ کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو خانزادے میوات کے اندر اپنی سکونت رکھتے ہیں ان کو تو فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ لیکن جو خانزادے بھائی میوات سے جاکر صوبہ یو۔پی وغیرہ میں مسکن گزیں ہو گئے ہیں وہ اس فوجی بھرتی کے حق سے قطعاً محروم کر دیئے گئے ہیں۔

گورنمنٹ کی یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ کیا صوبہ یو۔پی و صوبہ بہار وغیرہ میں جاکر یہ لوگ خانزادے نہیں رہتے۔ یا اُن کی سپاہیانہ بہادری اور جفاکشی جاتی رہتی ہے ہرگز نہیں۔ پس ہم نہایت ادب سے گورنمنٹ ہند کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ صوبہ یو۔پی و بہار وغیرہ کے خانزادوں کے فوجی حقوق کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔

اس فوجی کمی کی وجہ سے زیادہ نقصان اُن ہی اقوام کو پہنچا ہے جن کی وجہ معاش زیادہ تر یہی فوجی خدمات تھیں۔ لیکن خانزادوں کے لئے مندرجہ بالا دو پلٹنوں کے اندر بھی بھرتی ہونے کے لئے اغیار نے کچھ ایسی رکاوٹیں ڈال دی ہیں جن کی وجہ سے اس قوم کے آدمی بہت کم بھرتی ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ اس خرابی کو محسوس کر کے خانزادوں کا ایک وفد پانچ جون ۱۹۳۳ء کو ر کرو ٹنگ افیسر صاحب دہلی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جس میں جامع اوراق ہذا بھی شامل تھا۔ وفد مذکور نے حائل شدہ تمام رکاوٹوں کو اپنی طرف سے واضح طور پر صاحب موصوف کے گوش گذار کر دیا ہے۔ اور صاحب موصوف نے بھی ازراہ ہمدردی ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا پختہ وعدہ فرمایا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اب کافی بھرتی ہونے لگیگی۔

۲۔ فہرست انڈین فوجی افسران کی پلٹن ہائے انگریزی

۱۔ رسالدار میجر شہاب الدین خاں مرحوم فسٹ لانسرز راجپوتانہ متوطن فیروزپور جھرکہ

آپ فیروزپور جھرکہ کے چودھریوں کے مشہور خاندان سے ہیں۔ اسی خاندان میں

چودہری ہدایت خاں صاحب نائب تحصیلدار پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چودھری صدر الدین خاں نواب احمد بخش رئیس فیروز پور جھرکہ کے عہد میں ایک بڑے عہدہ پر مامور تھے۔ پھر انگریزی عہد میں بھی میونسپل کمشنر رہے۔

۲۔ رسالدار میجر رحیم خاں صاحب مرحوم سندھ ہارس متوطن قصبہ تجارہ ریاست الور

آپ چودھری امیر خاں صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ نہایت ہمت اور حوصلے کے آدمی تھے۔ آپ کے خاندان میں اکبر بادشاہ کے زمانے سے عہدہ چودھر چلا آتا ہے۔ آپ کے والد چودھری امیر خاں صاحب نے شیخ محمد مخدوم صاحب سابق تحصیلدار تجارہ کو اس کی ناروا حرکات پر بہت تنگ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ رات کے وقت تجارہ سے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اسی بدمزگی کے سبب شیخ صاحب نے مرقع الور میں کل خانزادہ قوم کے برخلاف سخت زہر اگلا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے قومی مدافعت میں مفصل لکھا ہے۔

۳۔ سردار بہادر کپتان رحیم خانصاحب اے۔ ڈی۔ سی۔ پلٹن نمبر ۱۰۷ پاؤنیرز متوطن تجارہ۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ پہلے رسالہ میں ملازم ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے پلٹن ۱۰۷ میں تبادلہ کرا لیا۔ آپ نے نہایت مستعدی اور وفادارانہ طریق پر اپنی سروس ختم کی۔ اور تمام انگریز افسروں کو اپنے طرز عمل سے ہمیشہ خوش رکھا۔ اسی وجہ سے نہایت دبدبہ اور رعب وداب کے ساتھ سروس کرتے رہے۔ ان کی زندگی کے واقعات اول سے آخر تک ایک خاص دلچسپی لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ شرح اور بسط کے ساتھ کسی خاص شخص کے حالات لکھنے کی کوئی قومی تاریخ متحمل نہیں ہو سکتی۔ مگر ایک ایسے شخص کے حالات جنے قوم پر کوئی خاص احسان کیا ہو۔ اگر کچھ معمول سے زیادہ جگہ کتاب میں روک لیں۔ تو کچھ ناواجب بات نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی حالات سے چشم پوشی کرنا قومی گناہ ہے۔

میجر موصوف کے حالات زندگی پر اُن چٹھیات سے جو اُن کو ملی ہیں۔ اور ان انعاموں تمغوں، خطابوں اور مربعوں وغیرہ کی عطائیگی سے اور ان کے جنگی اور بہادرانہ کارناموں سے جو انہوں نے اپنی سروس کے زمانہ میں سر انجام دئے تھے بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

درحقیقت وہ ایک بے مثل آدمی تھے۔ اقبال ایسا پایا تھا کہ اول سے آخر تک کبھی اپنی عمر میں نیچا نہیں دیکھا۔ وہ اخلاق حمیدہ کے مجموعہ تھے۔ اور عمدہ کارگذاری و لیاقت اور دیانت داری کی بدولت سپاہی سے صوبہ دار میجر۔ کپتان اور اے۔ ڈی سی بنگئے تھے۔ ان کا رویہ نہایت سادہ تھا۔ باوجود ایک بڑے آدمی ہونے کے وہ معمولی خانگی کاموں کو بھی اپنے ہاتھوں سر انجام دینے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔ چال چلن بے عیب تھا۔ نہایت جفاکش اور بردبار تھے۔

خانزادوں کے اندر محکمۂ ملٹری میں جو درجہ آپ نے حاصل کیا۔ وہ آج تک خانزادوں کے علاوہ کل میوات کے اندر کسی بھی قوم کے آدمی کو نصیب نہیں ہوا۔

خانزادہ قوم کے جوان پہلے پنجابی مسلمان کے نام سے بھرتی ہوا کرتے تھے۔ لیکن اسی شخص کی کوشش اور ہمت کے طفیل اب علیحدہ قوم خانزادہ کے نام سے بھرتی ہوتے ہیں۔ یہ کارنامہ آپ کا ایسا ہے جس کا شکریہ ان کی قوم ہمیشہ ادا کرتی رہیگی۔

گورنمنٹ انگریزی نے عمدہ کارکردگی کے صلے میں آپ کو دو مربع منٹگمری کے ضلع میں عطا فرمائے تھے۔ لیکن فاصلہ طویل ہونے کی وجہ سے آپ نے مبلغ چھ سو روپیہ سالانہ نقد مربعوں کے عوض لینے منظور کر لئے۔ جو اب موضع بھور ضلع گوڑگانوہ کی مالگذاری سے ادا ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء کے موسم قحط میں قصبہ تجارہ کے گرد و نواح کے مواضعات کے میوؤں کو جبکہ وہاں کے مہاجنوں نے قرضہ دینے سے قطعی انکار کر دیا تھا آپ ہی نے پچاسی ہزار روپیہ نقد کا غلہ خرید کر بطور قرضہ بلا سود تقسیم کیا تھا۔ لیکن جب دو سال تک اس قرضہ کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہ دیکھی۔ اور مرض الموت نے آدبایا۔ تو نہایت سیر چشمی اور فراخ دلی سے وہ تمام قرضہ اپنے کل مقروضوں کو معاف کر دیا۔ میوات ہی نہیں بلکہ شاید ہندوستان بھر میں اپنی خوشی سے معافی قرضے کی یہ پہلی مثال ہے اس سے پہلے اتنی بڑی رقم کا قرضہ آج تک کسی قرض خواہ نے اپنے مقروضوں کو معاف نہیں کیا ہوگا۔

قصبہ تجارہ کے بازار میں کل دوکانوں کی تقریباً چوتھائی تعداد آپ ہی کی ملکیت میں ہے۔

افسوس آپ کی وفات دس ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۶ر اپریل ۱۹۳۳ء کو واقع ہوگئی۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت۔

اس وفات سے ان کے پس ماندگان کے علاوہ کل قوم کو بھی بڑا نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی اب مشکل نظر آتی ہے۔

حافظ مجیدالدین صاحب سجادہ نشین خاندان شعیبیہ قصبہ تجارہ نے آپ کی وفات کی متعدد تاریخیں نکالی ہیں۔ جن کے مادے حسب ذیل ہیں۔

(۱) بندہ غفار ۔	(۲) فخر منبش
۱۳۴۲ سنہ الٰہی فارسی	۱۹۹۰ - پروسنہ بکرمی
(۳) خلیل مسبرت	(۴) اشرف زماں - میجر محمد رحیم خاں
۱۳۴۰ - فصلی	۱۹۳۳ - عیسوی

۵ - متوفی الوجوب ۱۰ر ذی الحجہ

۱۳۵۱ - ہجری

صاحب موصوف نے ایک مادۂ تاریخ نظم میں بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے

میجر عبدالرحیم خاں صاحب

خانزادوں میں شہرۂ آفاق۔

عید قرباں کو ہو گئے واصل

سالِ رحلت ہے اخترِ اخلاق

۱۹۳۳ عیسوی

اس میں مادۂ تاریخ اختر اخلاق ہے۔ جس سے ۱۹۳۳ برآمد ہوتے ہیں۔

۴ - صوبیدار میجر عبدالغفور خاں صاحب پلٹن ۱/۲ بمبئی پاونیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں چونکہ ریاست الور میں رئیس کے حکم سے اردو ۔ فارسی کی تعلیم موقوف کردی گئی تھی۔ اس لئے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ اپنے نانا کے ہاں موضع نبی خانزادہ ضلع گوڑ گانوہ میں آ گئے۔ اور مدرسہ فیروز پور جھرکا

سے اردو مڈل پاس کر کے فوج میں بھرتی ہو گئے۔ وہاں محنت۔ ایمانداری اور وفاداری سے کام کیا۔ اس وجہ سے میجری درجہ تک حاصل کر لیا۔

پلٹن کے اندر آپ کا رعب و داب مشہور ہو رہا ہے۔ آپ کی زبان سے جو حکم ایک دفعہ نکل جاتا تھا۔ اس کی تعمیل ماتحتوں کے لئے لازمی بات تھی۔

غرض بڑی نیک نامی اور خوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے اپنی سروس ختم کی۔ عمدہ کارگزاری کے صلے میں آپ کو ضلع منٹگمری میں دو مربع ملے ہوئے ہیں جن کے ذریعہ معقول آمدنی ہوتی ہے۔ خدا کرے آپ عرصے تک زندہ رہیں۔ اور قومی کاموں میں دلچسپی لیتے رہیں۔

۵۔ صوبہ دار میجر نواب عباس خاں صاحب فورتھ بٹالین بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے نوابوں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے نواب فیروز خاں نے شاہ جہاں بادشاہ دہلی کے زمانہ میں نوابی کا خطاب اور جاگیر حاصل کی تھی۔ آج کل آپ کے جملہ خاندان والوں کو بھی میوات میں نواب صاحب کے خطاب سے پکارتے ہیں جو فرمان خطاب نوابی اور جاگیر ملنے کا آپ کے بزرگوں کو عطا ہوا تھا۔ ان کی نقلیں ہم کو باوجود بار بار طلب کرنے کے بھی نہ مل سکیں جس کا ہمیں سخت افسوس ہے۔

۶۔ صوبہ دار میجر محمد ابراہیم خاں صاحب پلٹن ۱۰۹۔ انفنٹری

آپ قصبہ بہادر پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۷۔ صوبیدار میجر ہوشدار خاں صاحب۔ ایم۔ ایس۔ ایم۔ پلٹن ۱/۱۴ بمبئی پاؤنیرز

آپ قصبہ بہاڑی ریاست بھرت پور حال آباد قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے ہیں۔ آپ کا خاندان شہاب خاں بن ناہر خاں سے تعلق رکھتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی سے نیک نامی کے ساتھ صوبیداری کی پنشن حاصل کرنے کے بعد اب آپ ریاست کچھ علاقہ کاٹھیاواڑ کی فوج میں صوبیدار میجر ہیں۔ آپ قومی کاموں میں خوب دلچسپی لیتے ہیں۔

خوشی کی بات ہے۔ کہ آپ اسی نیک نامی اور عزت کے ساتھ ریاست کچھ میں بھی سرگرم ہیں۔ نہایت خلیق اور ملنسار آدمی ہیں۔ آپ کے مزاج میں غرور اور تمکنت نام کو نہیں ہے۔ ہر ایک بچے اور بوڑھے سے نہایت اخلاق اور خوش طبعی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اسی لئے آپ کی سلامت روی ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔ حال ہی میں پلٹن نمبر ۷ ریاست کچھ کے اندر آپ نے اپنے چند سپاہیوں کو ان کے جرموں کے بازپرس سے بچایا ہے

آپ اپنی قومی تاریخ کے مطالعہ کا از حد شوق رکھتے ہیں۔ امید ہے جلد شائع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچیگی۔

۸۔ صوبیدار بہادر خاں صاحب مرحوم پلٹن ۱۲۰۔ انفنٹری۔

آپ موضع مانڈی کھیڑہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے اپنی سروس کے زمانہ میں نہایت مستعدی اور جاں نثاری سے کام کیا۔ جنگ عظیم کے موقعہ پر آپ نے ایک کثیر تعداد میں رکروٹ بھرتی کراکر گورنمنٹ کے ساتھ اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔

گورنمنٹ نے بھی از راہ قدر دانی ضلع منٹگمری میں دو مربع آپ کو مرحمت فرمائے اگرچہ آپ معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن اپنی خداداد لیاقت کے سبب۔ شاعری میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ اور فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔ اکثر اپنا کہا ہوا کلام آپ مجھے سنانے

میں بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ مجھے شاعری سے چنداں واقفیت نہیں ہے۔ لیکن میری دادِ سخن پر بہت محظوظ ہوتے تھے۔ واقعی ایک شاعر کے نزدیک اس کے کلام کی داد ملنا ہفت کشور کے خزانے سے بڑھکر ہے۔ بشرطیکہ وہ دادِ سخن اہلِ سخن کی طرف سے ہو

صائب دو چیز می شکند قدرِ شعر را
تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس

۹۔ صوبہ دار محمد لٰسین خانصاحب پلٹن ۱۲۸۔ پاونیرز۔

آپ سردار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں بڑے خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں۔ ہر ایک خورد و کلاں کے ساتھ بہت محبت اور تپاک سے پیش آتے ہیں۔ چال چلن نہایت نیک ہے۔ صوم و صلواۃ کے سخت پابند ہیں۔ سال حال میں ہی آپ حج بھی معہ قبیلے کے کر آئے ہیں۔ غرض آپ بلحاظ اخلاق ایک عمدہ نمونہ کہے جاسکتے ہیں۔ افسوس اس اخیر عمر میں آپ کو اپنے لختِ جگر محمد صدیق خاں صاحب جمعدار کی جوان موت نے سخت صدمہ پہنچایا ہے۔

۱۰۔ صوبہ دار حشمت اللہ خاں صاحب مرحوم آئی۔ او۔ ایم پلٹن ۱۰۷ پاونیرز

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے تھے اور سردار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے لختِ جگر تھے۔ نہایت نڈر اور بہادر تھے جنگِ عظیم کے اندر بمقام فرانس جرمن فوج کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ حملے کے وقت اگرچہ آپ کے انگریز افسر زیادہ آگے بڑھنے سے آپ کو منع کرتے رہے۔ لیکن جوشِ مردانگی میں آپ سب سے آگے بڑھ گئے۔ اور باوجودیکہ گولوں کی بارش میں آپ کے تمام ہمراہی زمین پر لیٹ جاتے تھے۔ تاکہ زد سے بچ جائیں لیکن آپ اسی طرح برابر سینہ تانے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ اور حملہ کرتے تھے۔

اسلامی احکام کی پیروی میں بھی آپ بہت مستعد تھے۔ آپ کے ہمراہی کہتے ہیں کہ عین حالتِ جنگ میں بھی کبھی آپ نے نماز و روزہ نہیں چھوڑا۔ فرانس میں کئی دفعہ روزہ پر روزہ رکھنا پڑا۔ اور کھانے کو کچھ نہ ملا۔ لفٹنٹ بننے کی منظوری آپ کے لئے ہو چکی تھی۔ اور فرانس سے واپس آتے ہی احکام جاری ہو جاتے۔ لیکن افسوس قضا

نے مہلت نہ دی۔ آپ کی بیوی اور لڑکے کے نام علے الترتیب ساٹھ روپیہ اور تیس روپیہ ماہوار کی پنشن تاحین حیات اس بہادری کے صلے میں مقرر ہو گئی ہے۔

۱۱۔ صوبیدار عبداللطیف خاں صاحب آئی۔ او۔ ایم۔ پلٹن ۲/۲ بمبئی پاونیرز

آپ تجارہ کے رہنے والے اور رسالدار میجر رحیم خاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ ایام ملازمت میں غیر اقدام کے ساتھ آپ کی رواداری زبان زد خاص وعام تھی۔ آپ چودھری امیر خاں صاحب کے پوتے ہیں جن کے خاندان میں اکبر بادشاہ کے زمانہ سے عہدہ چودھر برابر چلا آتا ہے۔

باوجودیکہ ریاست الور کے مدارس میں اردو۔ فارسی کی تعلیم قطعی بند ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ کی علمی لیاقت بہت اچھی ہے۔ اور مطالعہ وسیع ہے۔

۱۲۔ صوبیدار عبدالرحمٰن خاں صاحب آئی۔ ڈی۔ ایس۔ ایم پلٹن ۱/۲ بمبئی پاونیرز

آپ موضع لبی خانزادہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں نہایت خلیق اور متحمل مزاج واقعہ ہوئے ہیں۔ اور اپنے گرد و نواح کے علاقہ میں ضلع کل مشہور ہیں سفید پوشی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے لئے کئی بار تحصیلدار صاحبان اور صاحبان ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع نے آپ کو آمادہ فرمایا۔ لیکن آپ ہمیشہ اس سے انکار فرماتے رہے۔ اور اپنے کاروبار زراعت کی دُھن میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ حلقہ مروڑہ کی ذیلداری خالی ہونے پر بھی آپ کو ان کے عزیز و اقارب اور یار دوستوں نے مجبور کیا تھا لیکن آپ نے دور اندیشانہ طریق پر یہ فرمایا کہ موجودہ حالت میں ہم کو تحصیلدار صاحبان اپنے برابر کے درجہ کا سمجھتے ہیں۔ لیکن ذیلداری۔ سفید پوشی یا ممبری وغیرہ قبول کر لینے پر وہ ہم کو اپنا ماتحت سمجھکر اس عزت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھیں گے۔ جس سے اب

اب دیکھتے ہیں۔
گردونواح کے علاقے کے لوگ اپنے جھگڑوں کے باہمی تصفیئے کے لئے عموماً آپ ہی کو بلایا کرتے ہیں۔ اس بات سے آپ کے منصف مزاج اور صلح کل ہونے کا حال بخوبی روشن ہو جاتا ہے۔ افسوس آپ کے کوئی فرزند نرینہ نہیں۔

۱۳۔ صوبہ دار شاہ نواز خاں صاحب ۱۲۸/۱ ۔ پاونیرز

آپ قصبہ بہادر پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۴۔ صوبہ دار حسن علی خاں صاحب فرنٹیر فورس انفنٹری ۔

یہ صاحب بھی قصبہ بہادر پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۵۔ صوبہ دار کریم داد خاں صاحب پلٹن ۱۰۹ بمبئی گرنیڈیرز

آپ بھی قصبہ بہادر پور ریاست الور کے ہیں۔

۱۶۔ صوبہ دار اسمٰعیل خاں صاحب فسٹ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ بھی بہادر پور کے رہنے والے ہیں۔

۱۷۔ صوبہ دار وزیر خاں صاحب ۴/۳ ۔ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع بھنڈوسی پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۱۸۔ صوبہ دار یعقوب خاں صاحب پلٹن ۱۰۸ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع گونولی پرگنہ تجارہ کے ہیں۔

۱۹۔ صوبہ دار وزیر خاں صاحب ۴/۳ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع لاڈونڈی پرگنہ رام گڑھ ریاست الور کے ہیں۔

۲۰۔ صوبہ دار کالے خاں صاحب ۲/۴ بمبئی پاؤنیرز۔

آپ موضع بنگن ہیڑی پرگنہ تجارہ کے ہیں۔ آج کل ریاست کچھ علاقہ کاٹھیا واڑ میں صوبہ دار ہیں۔ انگریزی پلٹن سے پنشن حاصل کر کے ریاست میں گئے ہیں۔

۲۱۔ صوبہ دار عبدالعزیز خاں صاحب ۲/۴ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۲۲۔ صوبہ دار خلیل الرحمٰن خاں صاحب ۲/۴ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ فیروز پور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔ اور فیروز پور کے مشہور چودھری خاندان سے ہیں۔ آپ کے خاندان میں عہدہ چودھر نواب احمد بخش خاں رئیس فیروز پور کے عہد سے چلا آتا ہے۔ اور شہر کی میونسپل کمشنری بھی ان کے خاندان میں ایک عرصے تک رہی ہے۔ حال میں آپ ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء سے ریاست الور میں جے پلٹن کے اندر کپتان ایڈجوائنٹ ہو کر گئے ہیں جن کو خاص طور پر ریاست کی طرف سے پلٹن مذکور کے نظم و نسق کی درستی کے لئے آرڈر دیکر بلایا گیا ہے۔ آپ ابھی نوجوان ہیں امید ہے اچھی ترقی کریں گے۔ آپ قیمتی لباس پہننے کے بہت شوقین ہیں۔ اور انگلش فیشن کے بہت دلدادہ ہیں۔ آپ نے ہماری تاریخ ہذا کی تکمیل کے لئے جامع اوراق کو مسٹر سی۔ اے ہیکیٹ صاحب کی تصنیف کردہ کتاب گزیٹیر الور عطا فرما کر ہمیں ممنون احسان بنانے کا باعث ہوئے ہیں۔

۲۳۔ جمعدار محمد صدیق خاں صاحب ۱/۱۲۸ بمبئی پاؤنیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے اور سردار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے حقیقی بھتیجے اور صوبہ دار صاحب محمد یٰسین خاں کے لخت جگر تھے۔ حال ہی میں آپکا انتقال ہوا ہے۔ آپ ایک عرصے تک ایڈجوائنٹ جمعدار رہے۔ لیکن پلٹن میں جگہ خالی نہ ہونے کے باعث صوبہ دار نہ بن سکے۔ اور اسی امیدواری کے زمانہ میں سروس ختم ہو گئی

آپ بہت صاحب عزم، ہمت و حوصلہ کے آدمی تھے۔ انگریز افسران آپ سے بہت خوش رہے اور ہر ایک امر میں آپ سے صلاح و مشورہ کا استفادہ حاصل کرتے رہے۔ آپ کی رائے ہمیشہ صائب اور دل نشین ہوتی تھی۔

آپ کو اخیر سروس میں حرکت قلب کا عارضہ لاحق ہوگیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ اور آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔

۲۴۔ جمعدار عبدالسبحان خاں صاحب فسٹ بٹالین میرین ڈبی کور آف بمبئی پاونیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ بجز رکروٹی زمانہ کے باقی تمام سروس بھر پہلے سیکنڈ کلرک اور پھر ہیڈ کلرک دفتر رہے۔ چونکہ دفتر کا کام آپ کو پسند تھا اس وجہ سے جب آپ کا نمبر صوبیداری کا آیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اور تمام سروس جمعداری اور ہیڈ کلرکی پر ختم کر دی۔ آپ بہت قابل اور دانشمند آدمی ہیں۔ افسران کی خوشنودی کے اچھے اچھے سارٹیفکیٹ آپ کو ملے ہیں۔ قومی کاموں میں بھی آپ دلچسپی لیتے ہیں۔ پاؤنیرز بلٹنوں کے ٹوٹنے پر ڈیڑھ ہزار روپیہ جو خانزادہ قوم کا پلٹن میں جمع تھا۔ وہ ایک ناتجربہ کار شخص کی صلاح سے دوسری جگہ جا رہا تھا۔ لیکن یہ آپ ہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ وہ روپیہ حق بحقدار رسید کے مطابق خانزادوں کی قومی انجمن کو مارچ ۱۹۳۳ء میں مل گیا ہے۔ پنشن حاصل کرنے کے بعد آج کل آپ چھاؤنی نوشہرہ بس میس کے اندر ملازم ہیں۔

۲۵۔ جمعدار سلیمان خاں صاحب ۱۰/۱ بمبئی پاونیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ اور سردار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ پنشن حاصل کرنے کے بعد ایک بڑے پیمانہ پر تجارہ کے اندر آپ نے دکان کھولی ہے۔ اور تجارت کی طرف رغبت دلانے کے لئے قوم کے سامنے آپ ایک نمونہ ثابت ہو رہے ہیں۔

۲۶۔ جمعدار احمد خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع مانڈی کھیڑہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے اور صوبہ دار بہادر خاں صاحب کے فرزند اکبر ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بلا رضامندی اپنے والد صاحب کے فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ ایک ذہین۔ عاقل اور ہوشیار آدمی ہیں۔ قوت حافظہ بہت تیز ہے۔ کچھ عرصے فوج میں اسکول ماسٹر رہے پھر دفتر کے ہیڈ کلرک بن گئے۔ دفتری کام بہت ہوشیاری اور سلیقے سے کرتے رہے جس سے انگریز افسران آپ کی لیاقت کا لوہا مان گئے۔ قومی کاموں میں بھی آپ دلچسپی لیتے ہیں۔

پاونیرز پلٹن ٹوٹنے کے بعد آپ پنشن یاب ہو کر ریاست رام پور کی پلٹن فسٹ رضا انفنٹری میں ہیڈ کلرک رہے۔ ریاست رام پور کا کتب خانہ دکھلانے میں آپ نے جامع اوراق ہذا کی کافی مدد کی تھی جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔

اب رام پور سے اب جبل پور ڈپو کے اندر محکمہ سپلائی میں ملازم ہیں۔

۲۷۔ جمعدار حلیم خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ بھی مانڈی کھیڑہ پرگنہ فیروزپور جھرکہ کے رہنے والے ہیں۔

۲۸۔ جمعدار نصر اللہ خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع بنگن ہیڑی پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۲۹۔ جمعدار کریم داد خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۳۰۔ جمعدار منور خاں صاحب ۱۰۲ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ بھی قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے ہیں۔

۳۱۔ جمعدار نصر اللہ خان صاحب ۱۰۱ بمبئی گرینیڈیرز۔

آپ قصبہ مبارک پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔ قومی کاموں میں آپ بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ قومی انجمن کے گویا روح رواں ہیں۔ مبارک پور کے اندر جتنی قومی اصلاح حال ہیں ہوئی ہے۔ اس میں آپ کا ہی ہاتھ بہت کچھ کام کرتا رہا ہے۔ آپکی محبت اور ملنساری قابل تقلید ہے۔

۳۲۔ جمعدار محمد عثمان خاں صاحب ۱۰۱ بمبئی گرینیڈیرز۔

آپ قصبہ مبارک پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔ بڑے خلیق اور ملنسار ہیں۔ ایک دفعہ آپ سرحدی پٹھانوں کے نرغہ میں پھنس گئے تھے۔ جس سے بڑی مشکل سے جان بچی تھی۔ آپ کی پارٹی کے تمام جوان مارے گئے تھے۔ ماشاء اللہ ابھی آپ نوجوان ہیں امید ہے اچھی ترقی کریں گے۔ شہر لکھنؤ میں ۱۹۳۰ء کے اندر مجھے بھی آپ سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپ نے مجھے شہر مذکور کی خوب سیر کرائی تھی۔ اور وہاں کے تمام مشہور مقامات دکھلائے تھے۔

۳۳۔ جمعدار سلطان صاحب ۱/۱۲۸ بمبئی پاونیرز متوطن بہروز ریاست الور

۳۴۔ جمعدار نہال خاں صاحب ۱/۱۲۸ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع سوراکاس پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۵۔ جمعدار رحیم خاں صاحب ٹرانسپورٹ۔

آپ موضع محمد لیکا پرگنہ کشن گڑھ کے رہنے والے ہیں۔

۳۶۔ جمعدار احمد خاں صاحب ۴/۲ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ بھی موضع علدیکا پرگنہ کشن گڑھ کے رہنے والے ہیں۔

۳۷۔ جمعدار محمد مراد خاں صاحب ۴/۱ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۸۔ جمعدار عبدالرحمٰن خاں صاحب ۴/۱ بمبئی گرنیڈیرز

آپ بھی قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۹۔ جمعدار اعظم خاں صاحب ۴/۲ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع اودے پور پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۴۰۔ جمعدار بہرام خاں صاحب ۲/۱ بمبئی پاؤنیرز

آپ موضع مانڈی کھیڑہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۔ فہرست انڈین فوجی افسران متعلقہ پلٹن ہائے ریاستی

خان بہادر کرنل فتح نصیب خاں صاحب کمانڈر انچیف

اے۔ ڈی۔ سی۔ مہاراجہ الور۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے تھے۔ حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں آپ پیدا ہوئے۔ ۳۰ رمئی ۱۹۰۱ء میں ہیرہ جنگل لانسرز میں ملازم ہوئے۔ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۳ء کو لیس دفعدار اور ۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۴ء کو دفعدار ہوئے۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۰۶ء

کو جمعدار اور ۳۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو رسالدار ہوئے۔ ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو آکٹنگ اے
ڈی سی۔ اور ۲۲ جون ۱۹۱۴ء کو مستقل اے۔ ڈی۔ سی ہو گئے۔ ۲۱ اگست ۱۹۲۱ء
کو سکواڈرن کمانڈر۔ اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو کمانڈنگ آفیسر ہوئے۔ ۱۷ جنوری
۱۹۲۹ء کو خطاب خاں بہادر گورنمنٹ انگریزی سے عطا ہوا۔ اور مہاراجہ کی طرف سے ایک ہزار
بیگھہ زمین کی معافی ملی۔ پھر ۱۷ جنوری ۱۹۳۰ء کو سینا پتی یعنی کمانڈر انچیف کا درجہ ملا۔
جس کے ماتحت ریاست کی کل فوجیں ہوتی ہیں۔ اور شکار خانہ کا کام بھی سپرد ہوا۔ پھر ۸
مارچ ۱۹۳۰ء کو بمقام اجمیر میڈل خاں بہادری معہ سند عطا ہوا۔ اور ۲۰ فروری ۱۹۳۰ء
کو بروز عید الفطر ریاست کی طرف سے تعظیمی درجہ عطا ہوا۔ یہ درجہ خاص خاص آدمیوں
کو ہی عطا ہوتا ہے۔ پھر ۱۵ جون ۱۹۳۱ء کو بڑہ معافی موضع مونڈیا کا بموقعہ سالگرہ
ملک معظم بمقام آبو عنایت ہوا۔ اور حاکم شکار گاہ مقرر ہوئے۔ پھر ۱۲ دسمبر ۱۹۳۱ء
کو خطاب ممتاز خاص معہ سند عطا ہوا۔ اور ممبر کونسل مقرر ہوئے۔ اور ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء
کو آپ نے وفات پائی۔ آپ نے چھ لڑکے وارث جائداد چھوڑے۔ بڑے صاحبزادے
عبدالحمید خاں صاحب پلٹن میں صوبہ دار ہیں۔ باقی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں آپ ہمیشہ مہاراجہ جے سنگھ سوائی کی ناک کا بال بنے رہے۔ اور
ہر ایک صحبت میں ان کے ہم جلیس و ہم قرین پائے جاتے تھے۔ ریاست بھر میں یہ بات
مشہور ہو گئی تھی۔ کہ جو ناممکن کام بھی کسی شخص کو مہاراجہ مذکور سے لینا ہو۔ وہ کرنل مذکور
کی قدم بوسی سے فوراً ممکن ہو سکتا ہے۔

چونکہ مہاراجہ کو کرنل مذکور پر بہت اعتبار تھا۔ اسی اعتبار کے بھروسے پر مہاراجہ
نے ۱۹۳۲ء کی شورش کو دفعہ کرانے کے لئے جو کل ریاست کی طرف سے عموماً اور مسلمانوں
کی طرف سے خصوصاً بتلائی جاتی تھی کرنل مذکور پر زور دیکر فرمایا کہ آپ مسلمانوں کو سمجھا
کر خاموش کریں۔ تاکہ وہ شور و شر سے باز آجائیں۔ لیکن کرنل مذکور نے اس موقعہ پر اپنی
خود داری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اور مہاراجگی کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف الفاظ
میں انکار کر دیا۔ اور عرض کیا۔ کہ یہ شورش مذہبی ہے۔ اور اس حکم کی بجا آوری میں میرے
مذہب کی توہین ہوتی ہے اس لئے مجھے معاف فرمایا جاوے۔ البتہ میری ذات خاص
کے ساتھ آپ کے جو تعلقات ہیں۔ ان کے لئے میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ حتےٰ

کہ یہ میری جان بھی آپ پر قربان ہونے کے لئے موجود ہے۔ لیکن مذہبی توہین کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ کہتے ہیں اسی روز سے دلوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اسی اختلاف کے اندر آپ دنیا سے چل بسے۔

۲۔ کمانڈنگ آفیسر کپتان ڈوسلے خاں صاحب خاص پلٹن و ممبر کونسل ریاست الور۔

آپ قدیم باشندے موضع نائی تحصیل تج ضلع گوڑگانوہ کے تھے۔ لیکن بعد میں شہر الور میں ہی سکونت اختیار فرمائی تھی۔ آپ بڑے رعب و داب کے آدمی تھے۔ مہاراجہ منگل سنگھ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ مسٹر پی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں لکھتے ہیں۔ کہ خانزادوں میں جن لوگوں نے اپنی خاندانی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب تک بھی فوجی ملازمت کے شائق ہیں۔ اور برطانیہ کی فوجوں کے علاوہ ریاست الور میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ جن میں سے ایک ڈوسلے خاں بھی ہے۔ جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ آفیسر ہے۔ اور وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اور دربار میں معزز عہدے کا حق دار بھی ہے۔

۳۔ کمانڈنگ آفیسر میجر داؤد خاں صاحب رجمنٹ فسٹ لانسرز

آپ کپتان ڈوسلے خاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ اپنی ہمت اور لیاقت خدا داد کی بدولت کمانڈنگ آفیسر بن گئے۔ موضع مہاراج پور متصل شاہ آباد آپ کا یا آپ کے والد صاحب کا زرخرید موضع ہے۔ جو اب تک آپ کے خاندان میں موجود ہے۔ کہتے ہیں ابتداء میں آپ اپنی قوم کے جوانوں کو بڑی رغبت سے بھرتی فرماتے تھے۔ اور ہر طرح ان کی دل جوئی کرتے رہتے تھے۔ لیکن افسوس ان نوجوانوں نے کسی خاص وجہ سے جس کا ہمیں علم نہیں ہے آپکی وہ قدر نہیں کی جس کے آپ مستحق تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا دل قوم کے جوانوں کی طرف سے قدرے سرد پڑ گیا تھا۔

آپ کا رعب و داب رسالہ میں مشہور تھا۔ رسالہ کی بار گوں کے سامنے سایہ نہ

ہونے سے گرمی اور دھوپ بہت ستاتی تھی۔ آپ نے پرائیویٹ طور پر سپاہیوں کے ذریعہ کُل بارگوں کے سامنے درخت لگوا دیئے۔ جن سے اب سایہ کا بہت آرام ہو گیا ہے۔

آپ کی تاریخِ وفات حافظ مجید الدین صاحب سجادہ نشین خاندان شعیبیہ قصبہ تجارہ نے بڑی طویل لکھی ہے جس کا اقتباس ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔

۱۔ حامیِ دین۔ حافظِ قرآن۔	صاف باطن تھے پاک تھا ظاہر۔
۲۔ تھا بھروسہ۔ رئیس الور کو۔	ان کی خدمت پر تھی اُس کی نظر۔
۳۔ جتنے حکام تھے ریاست میں	سب کو منظور اُن کی تھی خاطر۔
۴۔ اسی باعث تمام الور میں	ہر صغیر و کبیر پہ تھا اثر۔
۵۔ دم بخود تھے تمام حاسد بھی	ان کی سطوت سے سب کے جلتے پر
۶۔ خانزادوں ہی پر نہیں موقوف	اہلِ اسلام کو تھا فخر ان پر۔
۷۔ مر دایسا جو چھن گیا ہم سے	بے محابا۔ یہ آ گیا لب پر۔
۸۔ آہ بھی سر کھلے پھرے گی اب۔	لکھ یہ تاریخ۔ غلبۂ کافر ۱۳۳۸۔ ہجری

اس میں مادہ تاریخ۔ غلبہ کافر ہے جس سے ۱۳۳۸ ہجری سن برآمد ہوتا ہے

۴۔ کپتان داؤد خاں صاحب خاص پلٹن الور۔

آپ قصبہ فیروزپور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے تھے۔ انتقال ہو چکا ہے۔

۵۔ کپتان گھاسی خاں صاحب رسالہ جودھپور سٹیٹ۔

آپ موضع خلیل پور متصل الور کے رہنے والے تھے اب انتقال ہو گیا ہے۔

۶۔ کپتان نجف خاں صاحب پلٹن جودھپور سٹیٹ۔

آپ جواہر خاں کے بیٹے شہر الور کے رہنے والے تھے۔ مہاراجہ جودھپور نے آپ کی حسن کارگزاری کی بدولت ایک پختہ حویلی بخش کے طور پر آپ کی سکونت کے لئے دے رکھی تھی۔

۷۔ رسالدار میجر خلیل احمد خاں صاحب ریجمنٹ فسٹ لانسرز الور۔

آپ کپتان دوملے خاں صاحب کے چھوٹے لڑکے ہیں۔

۸۔ صوبیدار عبدالحمید خاں صاحب پرتاپ پلٹن الور۔

آپ کرنل فتح نصیب خاں صاحب مرحوم متوطن شہر الور کے صاحبزادے ہیں آپ کے چھوٹے بھائی عبدالوحید خاں صاحب نے راقم تاریخ ہذا کو مشاہیر خانزادگان کے فوٹو حاصل کرنے میں خاص طور پر مدد فرمائی۔ جس کے لئے ہم انکے بہت ممنون ہیں

۹۔ صوبیدار محمد عثمان خاں صاحب جے پلٹن

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ اور اچھے کارکن ہیں۔

۱۰۔ عبدالمجید خاں صاحب لفٹنٹ جے پلٹن الور۔

آپ حال ہی میں پلٹن مذکورہ کے اندر اپنے والد صاحب صوبیدار عبداللطیف خاں پنشنر متوطن قصبہ تجارہ کی حسن خدمات کے صلے میں خاص طور پر لفٹنٹ بنائے گئے ہیں۔ اور ملازم ہوتے ہی لفٹنٹ کا عہدہ ملا ہے۔ امید ہے اپنی سروس کے زمانہ میں عمدہ خدمات دکھا کر نمایاں ترقی حاصل کریں گے۔

۱۱۔ جمعدار احمد خاں صاحب مرحوم خاص پلٹن الور۔

آپ فیروزپور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے تھے۔

۱۲۔ جمعدار بازید خاں صاحب مرحوم فتح پلٹن الور۔

آپ الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۳۔ جمعدار منور خاں صاحب مرحوم پلٹن جودھپور اسٹیٹ۔

آپ بھی شہر الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۴۔ کوارٹر ماسٹر جمعدار محمد ایوب خاں صاحب ملٹری فورس ریاست کچھ (کاٹھیاواڑ)

آپ چودھری جواہر خاں بن مجاہد خاں بن نواب اکرام خاں حاکم ملک پور علاقہ تجارہ کے خاندان میں ہیں۔ شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے دربار سے پانچ سو بیگھہ اراضی زراعی بطور جاگیر بنام مسماۃ بی بی بانو وغیرہ ان کے خاندان والوں کو قصبہ تجارہ کے اندر ۲۹ ماہ ربیع الاول سال دوئم جلوس والا کو مرحمت ہوئی تھی۔ یہ جاگیر اب تک اُن کے ہاں چلی آتی ہے۔ جمعدار مذکور پہلے پلٹن ۱/۲ بمبئی پاونیرز میں بھرتی ہوئے تھے۔ لیکن پلٹن ٹوٹ جانے کی وجہ سے اب ریاست کچھ میں چلے گئے۔ ابھی نوجوان ہیں امید ہے اچھی ترقی کریں گے۔

۱۲ خانزادوں کی سول خدمات

محکمہ سول کے اندر خانزادوں کی تعداد محض صفر کے برابر ہے۔ اگر دو چار آدمی ہوں بھی۔ تو وہ کسی شمار میں نہیں۔ اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ سے خانزادوں نے اپنا ذریعہ معاش فوجی خدمات کو یا جاگیروں کی آمدنی کو بنا رکھا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ ایسا آیا ہے جس میں فوجوں کے اندر کافی تخفیف ہو جانے سے اب اس کا دروازہ تقریباً بند ہو چکا ہے دوسرا جاگیرات کا ذریعہ بھی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ جاگیریں سب ضبط ہو چکیں۔ اور اب معمولی زمینیں اُن کے پاس باقی رہ گئی ہیں۔ لیکن ان زمینوں کو بھی ایسے شوق سے یہ لوگ کاشت نہیں کرتے جیسی ان کی دوسری وہ ہم سایہ قومیں کرتی ہیں۔ جن کے آباؤ اجداد سے ہمیشہ یہ کام ہوتا آیا ہو۔ شاید اسی وجہ سے گزیٹیئر الور کا انگریز مصنف خانزادوں کے لئے یہ رائے قائم کرتا ہے کہ وہ فرسٹ کلاس کاشتکار نہیں ہیں۔

تجارت کو بھی یہ لوگ ایک ذلیل پیشہ سمجھتے رہے ہیں۔ حالانکہ اس سے زیادہ شریف پیشہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے نزدیک بنیا بن کر یہ کام کرنا موجب ننگ و عار ہے۔

واقعی جو ہاتھ خدا نے تلوار کے لئے موزوں بنائے تھے۔ اب ان سے ترازو کی ڈنڈی پکڑنے کی امید رکھنا قانون قدرت کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔

اب رہا ایک محکمہ سول۔ لیکن اس میں بھی ایسے امیدوار داخل ہو سکتے ہیں جن کے پاس تعلیمی سارٹیفکٹ اور ڈپلومے ہوتے ہیں۔ لیکن خانزادوں نے ان کے حاصل کرنے کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی تھی۔ کیونکہ ان کو کبھی ان کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ ملٹری سروس ان کے لئے ہر وقت موجود تھی۔ جس میں خواندہ اور ناخواندہ سب کا داخلہ بغیر کسی رکاوٹ کے ہو جاتا تھا۔ نیز اس محکمے میں جنگی اقوام کے ناخواندہ آدمی کو بھی غیر جنگی قوم کے خواندہ آدمی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کیونکہ ناخواندہ آدمی اپنے افسر کے حکم پر بغیر اگر۔ مگر کئے فوراً توپوں اور بندوقوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔

پس ایسی جنگجو قوم کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنے سپاہیانہ طرز عمل کو چھوڑ کر سکول کی چاردیواری میں قید و بند ہو کر بیٹھے اور اے۔ بی۔ سی۔ ڈی۔ رٹنے لگے۔

لیکن دنیا میں فکر معاش بھی بری بلا ہے۔ یہ بڑے بڑے قہاروں اور جباروں کو مجبور کر دیتا ہے ؎

آنچہ شیران را کند روبہ مزاج — احتیاج است۔ احتیاج است۔ احتیاج

آخر فکر معاش سے مجبور ہو کر بہت پشیمانی کے بعد اس آخیر وقت میں خانزادوں کو بھی مروجہ تعلیم کی طرف جھکنا ہی پڑا ؎

آنچہ دانا کند۔ کند ناداں — لیک بعد از خرابی بسیار۔

لیکن جو قومیں اب سے صدہا سال پیشتر مروجہ تعلیم حاصل کر کے ترقی کے میدان میں بہت آگے نکل چکی ہیں۔ بھلا ان کا مقابلہ یہ پس ماندہ قوم کس طرح کر سکتی ہے۔

کیونکہ جس وقت تک یہ پس ماندہ قوم تعلیم یافتہ قوموں کے برابر پہنچیگی۔ اس وقت تک وہ تعلیم یافتہ قومیں نہ معلوم کس عروج پر پہنچ جائے گی۔

نیز آجکل سول کے اندر سروس حاصل کرنا بھی بہت دشوار بن گیا ہے۔ ایک جگہ خالی ہوتی ہے اس کے لئے ہزاروں امیدوار موجود ہوتے ہیں۔ ایک انار و صد بیمار والا حال ہو رہا ہے اور جب سے یورپ کی مانند یہاں امتحان مقابلہ جاری ہوا ہے۔ تب سے خاندانی شرافت کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔

اب ایک وزیر زادے کے ساتھ موچی زادہ بھی امتحان مقابلہ میں شامل ہو سکتا ہے اور اگر وہ موچی زادہ کامیاب ہوا اور وزیر زادہ ناکامیاب۔ تو سروس کا حقدار موچی زادہ ہوگا اور اس وزیر زادے کے لئے اس کی خاندانی شرافت اور وزیر زادگی کچھ بھی کام نہ آویگی۔ سچ ہے ؎

ذات بھانت اب پوچھے نہ کوئے — پاس کرے جو حاکم ہوئے

اس کمبخت امتحان مقابلہ کے طفیل بڑے بڑے رئیس زادے۔ شریف زادے۔ اور راج کنور ادنےٰ ادنےٰ ملازمتوں کے لئے ٹکر یارتے پھرتے ہیں اور وہ نہیں ملتی۔

تاہم اس ناموافق حالت کو دیکھکر ہمت ہار بیٹھنا بھی ناشکری میں داخل ہے۔ کچھہ نہ کرنے سے کرنا بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا خانزادوں نے بھی بادلِ ناخواستہ مروجہ تعلیم کی طرف توجہ شروع کی ہے۔ سب سے پہلے چودہری ہدایت خاں صاحب مرحوم متوطن قصبہ تجارہ فیروزپور جھرکہ نے امتحان مقابلہ دے کر عہدہ نائب تحصیلداری حاصل کیا۔ اور نہایت دیانت و امانت سے کام کرکے پنشن حاصل کی۔

چودھری نور اکبر خاں صاحب متوطن قصبہ کوٹ قاسم اور اصغر خاں صاحب متوطن قصبہ شاہ آباد دونوں نے امتحان وکالت پاس کیا۔ جو نہایت قانون داں اور ہوشیار وکلا میں شمار ہوتے ہیں۔ اور پریکٹس کا کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں

چودہری نذیر احمد خاں صاحب مرحوم متوطن کوٹ قاسم بھی نہایت کامیاب وکلا میں شمار ہوتے تھے۔ اور بڑے لائق اور ہوشیار قانون داں مانے جاتے تھے۔ اپنے وقت میں ہفت زباں مشہور تھے۔ یعنی عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ سنسکرت۔ اردو۔ ہندی اور مارواڑی زبانیں بخوبی جانتے تھے۔ اور ہر ایک زبان میں سلاست اور روانی کیساتھ گفتگو کرسکتے تھے۔ اور بڑے بڑے قومی مجمعوں کے درمیان تقریریں بھی کیا کرتے تھے۔

چودہری عبدالستار خاں صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی کو ہم اپنے نوجوانوں اور طلبہ کے سامنے بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے ایک معمولی ورنیکلر مدرسی سے ترقی کرکے موجودہ اعلےٰ درجہ حاصل کیا ہے۔ آپ نے اپنی لیاقت خداداد کی بدولت تمام انگریزی کے امتحانات پرائیوٹ پاس کئے۔ اور علی گڑھ یونیورسٹی میں وکالت کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

ڈاکٹر صدیق احمد ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف پسر مؤلف تاریخ ہذا نے بھی اپنی محنت اور اعلٰے قابلیت کی بدولت ڈاکٹری امتحان میں فسٹ نمبر پر کامیابی حاصل کرکے اپنی قوم کے اندر پہلی مثال قائم کی ہے۔ امید ہے اس کی تقلید میں ہمارے دوسرے طلبہ کو بھی اعلیٰ تعلیم ڈاکٹری کا شوق اور حوصلہ پیدا ہوگا۔

ان کے علاوہ گرداور قانگوے۔ پٹواری۔ تھانہ دار۔ اور وریناکلر مدرسین کی کافی تعداد موجود ہے۔ اور متعدد طلبہ بی۔ اے۔ ایف۔ اے اور میٹرک میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ امید ہے اعلٰے تعلیم حاصل کرکے اپنا اور اپنے بزرگوں کا اور اپنی قوم کا نام روشن کریں گے۔

۱۴۔ نقل اسنادو فرامین عطیہ شاہان دہلی

نقل مطابق اصل ہے

(۱) نقل فرمان عالی شان انعام و آراضی عطیہ شاہنشاہ ابوالمظفر محی الدین بہادر محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی دارالخلافت اکبر آباد۔

آنکہ بجانشینہا ئے جاگیرداران وچودھریان قصبہ پنگوان را اعلام باشد۔ کہ موازی ہفت ہزار و ہفت صد و پنجاہ بیگھہ رقبہ در پیمائش مقرر شدہ بسوہ بنام خان ساعتبار خاں ولد لاڈ خاں قوم خانزادہ ساکن قصبہ جھراوٹ از زانی داشتہ شد۔ ازاں میاں بتفصیل ذیل نصفی حصہ خان مذکور و نصف حصہ ہمہ برادران راحق محروسی باشد۔ نیز نانکار مبلغ یک صد و پنج روپیہ ہم برائے ہمہ برادران ساکنان دیہہ در فصل خریف چہل و پنج روپیہ و در فصل ربیع شصت روپیہ باشد باقی ہمہ حق حسب دستور سابق ہستند۔ وہمیں طور بعمل مے آرند۔ یعنی در شادی ہمہ رعایا مبلغ یک روپیہ چہار آنہ۔ از قدیم الایام بزرگان وصول مے کردند۔ و دیگر آنکہ اگر بخانہ کسے از رعایا فرزند تولد شود بموجب وسعت از وشان خواہند گرفت۔ اگر کسے در حق خان مذکور در دادن تصور نماید۔ اوشان را طلب مے سازند۔ تا دیگر مردمان عبرت گیرند۔ و چناں حرکت ناشائستہ در پیش نیارند۔ و اگر کسے در سخن وصلاح خان مذکور بیرون رود۔ دراں سعی بلیغ نمودہ حق بحقدار و مستحق رسانند۔ تاکید اکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ تحریر بتاریخ ۱۰ ماہ صفر ۱۰۹۸ھ

(نوٹ) اس فرمان کی پیشانی پر بشکل مستطیل بادشاہ کی مہر ثبت ہے۔ اور اس کے نیچے دستخط و مہر اسد خان وزیر بندۂ بادشاہ عالمگیر غازی درج ہے۔

۲۔ نقل مطابق اصل ہے

نقل فرمان عالی شان انعام و اراضی و جاگیر عطیہ شاہنشاہ ابوالمظفر محی الدین بہادر محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی دار الخلافت اکبر آباد۔

عاملان حال و استقبال پرگنہ اندور و کوٹلہ مضاف صوبۂ دار الخلافت بدانند۔ چوں دہنہ چاہ ہا و باغات و موضع ملک پور و موضع بڑدچی و نمک شورہ و نانکار و املاک و استقرار وغیرہ حسب الضمن باسم چودھری زبردست خاں خانزاد و در پرگنہ اندور از قدیم مقرر است۔ لہٰذا بر احقاق مشارٌ الیہ کردہ از سرکار بہم معاف و واگذاشت نمودہ باشند۔ باید کہ بدستور معمول بحال و برقرار دانستہ بظہور احتیاط مشارٌ الیہ واگذارند۔ و رسوم و نانکار و چہارم حصہ از آمدنی موضع بجوانہ موافق معمول رسانیدہ باشند۔ کہ بخاطر جمع صرف اوقات خود نمودہ بغیر اندیشہ در دولت خواہی سرکار اشتغال دارند۔ و در کشت زراعت و افزونی مال سرکار کوشش بلیغ بکار بردہ باشند۔ و در ہر امور مرجوعہ موی الیہ مراسم امداد و رعایت ہر گونہ مرعی سلوک داشتہ باشند۔ کہ دریں باب تاکید مزید و قدغن اکید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔

تحریر بتاریخ ہفتم شہر جمادی الاول سن جلوس سنہ ۳۲۔

تفصیل

دہنہ چاہ در قصبہ اندور و در دیہات — لعہ دہنہ

باغات در قصبہ اندور و بجوانہ — للعہ قطعہ

مواضعات ملک پور و بڑدچی — ما ردپیہ

نمک شورہ حصہ سرکار — الصمار من

نانکار مال نمک — صما من

مال — صما من؛ نمک — ما ر من

املاک در دیہات معہ لوح بجوانہ دیہہ — الصمار بیگہ

چہارم حصہ از آمدنی معہ بجوانہ — ×

املاک در کوٹلہ و نلہر — مال قصبہ اندور

ماصہ — الصہ ۱۱ روپیہ

(نوٹ) اس فرمان کی پیشانی پر مہر بادشاہ بشکل مستطیل موجود ہے۔ اور نیچے دستخط سید قطب الدین کاتب کے ہیں۔

۳۔ (نقل مطابق اصل ہے)

نقل سند اراضی ونانکار عطیۂ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔

بنام چودھری بلند خاں خانزادہ ساکن قصبہ مبارک پور۔

دریں وقت فرمان والاشان صادر شد۔ کہ موازی یک صد و پنج بیگھہ زمین و مبلغ دو صد و دہ روپیہ نانکار و مبلغ بست و پنج روپیہ برائے خلعت بہ اسم چودھری بلند خاں خانزادہ قصبہ مبارک پور پرگنہ کھلوہرہ سرکار الور صوبہ اکبرآباد وجہ مدد معاش محب درگاہ فضیلت دستگاہ خان مذکور حسب الضمن مقرر کردہ دادہ شد۔ کہ حاصلات آں را فصل بہ فصل سال بہ سال معیشت خود نمودہ بدعائے دولت ابد پیوند مواظبت نمایند۔ باید کہ حکام و عامل و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال اراضی مزبورہ را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف آنہا بگذارند۔ و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بداں راہ نہ دہند۔ و بعلت مال و جہات و اخراجات مثل تعلقہ۔ پیشکش۔ جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و دروغگانہ و بیگار و سرکار و مقدم و سوائی و قانونگوے و ضبط ہر سال بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و مبلغ مذکورہ کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نہ شوند۔ و دریں باب ہر سال سند مجدد بہ طلبند۔ و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشند۔ آں را اعتبار نہ کنند۔

تحریر بتاریخ بست و ہشتم ذی الحجہ در سن ۱۲۰۱ھ قلمی نمودہ شد۔

(نوٹ) پیشانی پر چوکونی مہر بادشاہ کی ہے۔

۴۔ (نقل مطابق اصل ہے)

نقل فرمان اراضی ونانکار عطیۂ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔

بنام چودھری بہادر خاں ولد احمد خاں خانزادہ پرگنہ اندور۔

دریں وقت فرمان عالیشان صادر شد۔ کہ موازی پنج صد بیگہ اراضی انعام در قصبہ اندور سرکار تجارہ واقعہ دارالخلافت شاہ جہاں آباد و مبلغ یک ہزار و یک صد روپیہ نانکار و مبلغ یک صد روپیہ بٹہ از سیری و بہہ برہمہ پرگنات دہشت آنہ فی صدی و در قصبہ بر نمک و یک روپیہ یومیہ در سرکار مدد معاش چودھری بہادر خاں ولد احمد خاں حسب الضمن مقرر است کہ حاصلات آں را صرف معیشت خود نمودہ بدعائے بقائے دولت ابد پیوند مواظبت بنمایند۔ باید کہ حکام و عامل و جاگیرداران و کروریان حال و استقلال اراضی مزبورہ را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا واگذارند۔ و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بداں راہ نہ دہند۔ و بعلت مال و جہات و اخراجات مثل قتلغہ۔ پیش کش۔ حربانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و دار و غگانہ و بیگار و سرکار و مقدم و قانونگوے و ضبط ہر سال بعلت تشخیص چک و تکرار زراعت و مبلغ مذکورہ کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نشوند۔ و دریں باب ہر سال سند مجدد نطلبند۔ و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشند آں را اعتبار نہ کنند۔ فقط تحریر بتاریخ بست و سویم ذی الحجہ سال دوم سن جلوس۔

(نوٹ) پیشانی پر بادشاہ کی چوکونی مہر ہے۔

۵۔ (نقل مطابق اصل ہے۔)

نقل فرمان چودھر و زمینداری عطیۂ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔

بنام چودہری بہادر خاں ولد احمد خاں خانزادہ پرگنہ اندور۔

منکہ غازی و اجمیری وغیرہ موروثیان قصبہ نورح و کپور وغیرہ موضع مالب و خانان مقدم وغیرہ جھنڈیا و راستے زادہ وغیرہ موضع سالاہیڑی و نور خاں و ساہو وغیرہ موضع بڑوجی و غازی و بیکاری موضع تائیں و لعل بیگ و کشور یا موضع ننگلی و سندر و لاور وغیرہ موضع اڈبر و خانجہاں و مہر علی موضع عالم پور و نواز علی و بیخو موضع شیکن و دسوندی و کپاری موضع پلہ و نصیرا و لاد خاں موضع رانی کا و جلال خاں و اجمیری موضع نظام پور و شمس و دنوذر موضع جادلہ و چیند و رجان و نتھو موضع آلد و کا و نصو و دلادر موضع ذوذاہیڑی و کانھا و مہر علی موضع کھوری و تیمور خاں موضع گندھولہ و دھیلی بہاڑی و میاں و لادو موضع مہیرہ و دلیل سنگھ و بھیونان موضع کانوکی۔ و ولیا و معظم موضع کھجوری و

سیہو وصورت موضع ملک پور وگوجر وبھورا مقدم موضع سنبھل وجیب وباڑا موضع،
رسولپور وماجھو وجیتا موضع چھوانہ وجستا وولا ور موضع محمد پور وپرسا وکالنھا موضع
سلار پور وجلال وکوڑیا موضع شاہ پور وفالون وودولا موضع لادیا۔ ومیان
وگوپال موضع ہرچند پور۔ ۔ ۔ ا ۔ وا ودراسئے بھان موضع عالم پور۔ وگوجر ولاکھا وغیرہ
موضع سید پور مورثان ورعایا پرگنہ اندود سرکار تجارہ ایم۔ ہرگاہ برچودھر محمد خان ولد
نظام خاں خانزادہ قابض ومتصرف بود۔ دریں ولا بعد فوت خان مذکور بہ اسم میاں
بہادر خاں پسر مشار الیہ کرمایاں رضامند شدہ بخوشی و رغبت خود۔ چودھر وزمینداری
او را قبول نمودہ ایم۔ مومی الیہ مارشہ چودھر پرگنہ مسطور است۔ جملہ رسوم چودھر
وزمینداری بر میاں بہادر خاں برسیم۔ واز دیگرے رضامند نیستیم۔ بنا برآں بہ چند
کلمہ بطریق راضی نامہ نوشتہ ایم۔ کہ بوقت حاجت بکار آید۔ ودیگرے دخل ودگوے
نکند۔ تحریر بتاریخ نہم شہر ربیع الاول سن چہارم سن جلوس۔

(نوٹ) اس تحریر کی پشت پر مندرجہ بالا تمام لوگوں کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔
اور پیشانی پر بادشاہ کی چھوٹی مہر لگی ہوئی ہے۔

6۔ (نقل مطابق اصل ہے)

نقل فرمان اراضی عطیہ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔

بنام مسماۃ بی بی بانو وغیرہ ساکن حویلی تجارہ سرکار بہ صوبہ دار الخلافت شاہ جہاں آباد
دریں وقت میمنت اقتران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ پنج صد
بیگہ اراضی افتادہ لائق زراعت از پرگنہ حویلی تجارہ سرکار بصوبہ دار الخلافہ شاہ جہاں
آباد در وجہ مدد معاش بہ اسم مسماۃ بی بی بانو وغیرہ اقوام خانزادہ مقرر شد کہ حاصل
آں را صرف معیشت نمودہ بدعا ئے بقائے دولت روز افزوں مواظبت نمایند
باید کہ حکام وعمال وجاگیرداران وکروریاں حال واستقبال زمین مزبورہ را پیمودہ
وچک بستہ بتصرف آنہا باز گذارند۔ واصلاً ومطلقاً تغیر وتبدل بداں راہ ندہند۔
ولعلت ومال وجہات واخراجات مثل قلقلہ وپیش کش وجریانہ وضابطانہ و
محصلانہ ومہرانہ وداروغگانہ وبیگار وسرکاری ومقدم وقانونگوئے۔ ومنبطر

ہر سال بعد تشخیص چک و تکرار زراعت و کل مطالبات سلطانی و تکالیف دیوانی مزاحم نشوند۔ و اندریں باب ہر سال سند مجدد نطلبند۔ و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشند۔ اعتبار نہ کنند۔ فقط۔

بست و نہم شہر ربیع الاول سال دوم از جلوس والا نوشتہ شد۔

پیشانی پر بادشاہ کی لمبی مہر ثبت ہے۔

-۷

(نقل مطابق اصل ہے)

نقل حکم مشمولہ مسل نمبری ۱۰۹ صیغہ ترجمہ جات و احکامات مرجوعہ یکم مارچ ۱۸۸۱ء

نشان مہر عدالت

بذریعہ موصولہ ڈاکٹ نمبری ۴۴ مورخہ ۲۵ فروری ۱۸۸۱ء منجانب صاحب کمشنر بہادر قسمت دہلی۔

واضح ہو کہ گورنمنٹ پنجاب سے بذریعہ چٹھی نمبری ۱۹۲ مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۸۱ء حسب تجویز صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب یہ منظوری آ چکی ہے کہ ایک زمینداری انعام تعدادی مبلغ سو روپیہ تحصیل فیروزپور جھرکہ میں بھی دیا جائے۔ اور حسب شرائط تجویزہ صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب مندرجہ فقرہ نمبر ۲ و ۳ چٹھی نمبری ۱۲۱ مورخہ ۲۷ مئی ۱۸۸۰ء یہ تجویز بھی نواب لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب منظور فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی قابض انعام شخص ذیلدار بن جائے۔ تو اس وقت اس کو یہ انعام چھوڑ دینا پڑیگا۔ اور اس انعام کو بمنظوری صاحب کمشنر بہادر صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع کسی لائق نمبردار اُسی فرقہ کو یا دیگر فرقہ اُسی ذیل کو عطا کریں گے اور قوم خانزادہ میں سے جو نامی شخص ہوگا۔ اس کو نمبر سے ذیلداری دی جائے گی۔ نیز یہ انعام مال گزاری دیہہ سے منہا ہوا کریگا۔ فقط۔

تحصیل فیروزپور جھرکا

انعام بنام چودھری پیر خاں ولد ولایت خاں قوم خانزادہ ساکن موضع مانڈی کھیڑہ۔
انعام تعدادی یک صد روپیہ سالانہ

۸۔ (نقل مطابق اصل ہے)

نقول فرامین شاہی از اٹاوہ شہر یو۔ پی ۱۸۳۱ء نظم و نسق امور ممالک دستخط
انگریزی مسٹر جی۔ ایم۔ روبیٹی سکریٹری ٹو دی گورنمنٹ اوف انڈیا۔

سند معافی موضع بکہ حوانہ در علاقہ بان پور برائے محمد علی خاں ولد فتح خاں قوم خانزادہ مختار عام سابق مہاراجہ گوالیار۔

چوں از تجویز صاحب کمشنر بہادر حیل پور بہ دریافت آمد۔ کہ بعد از وقوعہ بلوہ و فساد در ملت پور ایشاں از کمال خیر خواہی سرکار با وقار انگریزی کوشش و مساعی فراواں و محنت و جاں فشانی ہائے بے پایاں بظہور آوردہ حفاظت جان کپتان کارفن صاحب و کپتان آر۔ اتیچ سیل صاحب و کپتان ڈبلیو۔ پی آرون صاحب و ڈاکٹر اوبرائن صاحب و ہمراہیان شان کردہ اند۔ وایں معنی موجب کمال خورسندی و رضامندی بندگان نواب مستطاب معلے الالقاب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ گردیدہ نظر براں از رہ گزر مزید مرحمت کہ پیش نہاد خاطر نواب صاحب ممدوح نسبت ایشاں گشتہ یک موضع کہ ہشت صد روپیہ محاصل سالانہ دارد۔ در علاقہ منضبط بان پور برائے ایشاں و اولاد ذکور ایشاں نسلاً بعد نسلاً معاف و مرحمت شد۔ دہم مبلغ دو ہزار روپیہ نقد انعام گردید۔ شکے نیست۔ کہ باز ایں چنیں عطیہ عظمیٰ و موہبت کبرائے ہمیشہ خیر خواہی و جاں فشانی از کار سرکار باعث صلاح و فلاح خواہند انگاشت۔ وایں سند را وسیلہ فخر و اعزاز در امثال و اقران خویش خواہند شناخت فقط المرقوم دوم ماہ جون ۱۸۵۶ء

از قلم اظہار حسین میر منشی محکمہ گورنری۔

(نوٹ) بہت سے فرامین واسناد اور تاریخی حالات ہماری قوم کے پاس موجود ہیں لیکن باوجود تلاش وطلب کے بھی ہم کو ان کی نقلیں دستیاب نہ ہو سکیں۔ جس کا ہمیں سخت افسوس ہے۔

اگرچہ ہم نے بہت سے اصحاب کی خدمت میں چند مرتبہ تحریری اور زبانی عرض کیا۔ چنانچہ قصبہ کھوہ ریاست بھرت پور میں حاجی نصر اللہ خاں کو قصبہ پہاڑی ریاست بھرت پور میں منشی عبداللہ خاں کو۔ اور قصبہ بنگواں ضلع گوڑگانوہ میں منشی الٰہی بخش ولد محمد خاں کو۔ قصبہ فیروز پور جھرکہ میں چودھری عبداللہ خاں صاحب کو۔ قصبہ کوٹ قاسم ریاست جے پور میں منشی نور اور خاں صاحب وکیل کو قصبہ شاہ آباد تحصیل تجارہ میں۔ منشی اصغر خاں صاحب وکیل اور صوبہ دار میجر نواب عباس خاں کو تحریری طور پر چند مرتبہ عرض کیا۔ مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ قصبہ تجارہ اور شہر الور میں خود بھی حاضر ہوا۔ مگر ہمہ آشش ور کاسہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ فرمایئے ایسی صورت میں قومی حالات کا مہیا کرنا کس قدر دشوار امر ہے۔

ہم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ جن لوگوں کے مکمل حالات درج نہ ہو سکیں گے وہ دوسری جگہ والوں کے حالات کو پڑھکر بہت خفگی کا اظہار فرمائیں گے۔ اور انصاف کو بالائے طاق رکھکر اپنی کوتاہی اور قصور کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے۔ بلکہ الٹا ہمارے برخلاف طرفداری کا الزام قائم کرنے میں بھی ہرگز دریغ نہ فرمائیں گے۔ مگر یہ ان کی سراسر ناانصافی اور ہٹ دھرمی ہوگی۔ اگر یہ اصحاب اپنے فرمانوں اور تاریخی حالات کی نقلیں دے دیتے۔ تو اس سے علاوہ قومی تاریخ کی شان بڑھنے کے ان لوگوں کی بھی شہرت اور ناموری کا مکمل اظہار ہوتا تھا۔ مگر یہ لوگ کچھ اس طرح کاغذات کو دبائے بیٹھے ہیں کہ ان کو ہوا تک نہیں لگنے دیتے۔ ایسی حالت میں کسی کو کیا خبر ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کے بزرگ کیسے مشہور اور نامور ہوئے ہیں۔

افسوس ایک وہ لوگ ہیں جو اپنی ناموری دکھلانے کیلئے رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ بڑے بڑے شاندار کارناموں کو بھی چھپائے بیٹھے ہیں ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے۔

اسناد وغیرہ کی نقل دے دینے سے اُن میں کچھ کمی نہیں آسکتی تھی۔ شاید بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہوگا۔ کہ اس میں مؤلف تاریخ کا کچھ ذاتی فائدہ مدِ نظر ہے۔ جس کی وجہ سے یہ بار بار نقلیں طلب کرتا ہے۔ لیکن اُن کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ آپ کے نام کی اسناد یا فرامین کی نقلوں سے کسی دوسرے کو بجز قومی شہرت بڑھنے کے ہرگز کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کو اپنی قومی شہرت اور ناموری کی بھی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ تو پھر اس سے زیادہ خود غرضی دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ مرض کچھ ہماری ہی قوم میں نہیں ہے بلکہ عموماً کل مسلم راجپوتوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ منشی عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری نے بھی اپنی کتاب سراج التواریخ میں مختلف جگہ پر اپنی قوم کا یہی رونا رویا ہے۔ لہذا جو شکایت عاشق علی خاں کو اپنی قوم سے تھی بالکل وہی شکایت ہم کو بھی اپنی قوم سے ہے۔ اللہ تعالےٰ ان مسلم راجپوتوں پر رحم فرمائے۔ آمین فقط۔

۱۴۔ شجرہ نسب خانزادہ قوم از ابتدائے آفرینش تا اولاد بہادر ناہر خاں مورث اعلےٰ

ہمارا یہ ارادہ تھا کہ ہم اپنی اس قومی تاریخ میں خانزادہ قوم کے مکمل نسب نامے درج کریں چنانچہ اس مطلب کے لئے ہم نے ہر ایک جگہ خبریں بھیجیں۔ زبانی بھی عرض کیا۔ خطوط بھی لکھے۔ لیکن کسی نے اپنے تاریخی حالات یا نسب نامے بھیجنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائی صرف ہم نے اپنی کوشش اور دوڑ دھوپ سے چند شجرے حاصل کئے جو درج کئے گئے ہیں۔

بعض صاحبان نے صرف اپنے ہی نام کے خاص شجرے بھیجے۔ ان کے متعلق یہ عرض ہے کہ اوّل تو فرداً فرداً ہر شخص کا شجرہ حاصل کرنا بہت دشوار ہے اگر حاصل ہو بھی جائیں تو تاریخ میں درج کرنا بڑا لمبا چوڑا کام ہے۔ فرض کرو ایک گاؤں میں سو آدمی ہیں تو سو شجرے اس ایک گاؤں کے ہی ہو گئے۔ جن کا درج کرنا معمولی کام نہیں ہے۔

اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک موضع یا قصبہ کا صرف ایک ہی شجرہ ہو جس میں بہادر ناہر خاں مورث اعلےٰ سے لیکر اس گاؤں میں آباد ہونے والے شخص کی دو چار پشتوں تک کے نام درج ہوں اور آخیر میں یہ لکھدیا جائے کہ اس موضع میں فلاں فلاں شخصوں کی اولاد آباد ہے بالکل اسی کے موافق ہم نے نوح - بڑودی - پنگواں - بسئی خانزادہ - سانٹھا واڑی - مبارک پور - تجارہ - شاہ آباد - علمدیکا - اور مانڈی کھیڑہ کے شجرے درج کیے ہیں -

یہ شجرہ مندرجہ ذیل کتابوں سے مطابقت کر کے درج کیا جاتا ہے - مہابھارت پران ٹاڈ راجستھان - تاریخ راج بھرت پور - تاریخ راجپوتانہ وحید الدین صاحب ارژنگ تجارہ - تاج التواریخ - کارنامۂ راجپوتان ہند - وقائع راجپوتانہ - تاریخ قنوجی - تاریخ خانان میوات - پوتھی جاگہ - تحریرات رانایان میوات وغیرہ اس شجرہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے - اول حصہ ابتدائے آفرینش سے کرشن جی تک کا ہے - دوسرا حصہ کرشن جی سے راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ تک کا ہے - تیسرا حصہ راجہ تہن پال سے راجہ سانبر پال مورث اعلےٰ قوم خانزادہ تک کا ہے - چوتھا حصہ اسلامی زمانہ کا ہے جس میں راجہ سانبر پال و سوپر پال نے اسلام اختیار کر لیا تھا - جن کے اسلامی نام بہادر ناہر خاں اور چھجو خاں رکھے گئے تھے -

۱ - **حصہ اوّل** = وشن جی عرف نارائن جی - برھما جی یا آدم - اترے - سمندر - چاند - بدھ - پردروا - آیو - نہسو - (ججاتی یا بیاتی یا جودھا یا لودھا) جادو یا یادو - کرسنو - درجنو - سوانی - ارمبھنگ - چترتو - سس بند - سروبت - سجاکوکید - اوسن - نتنگی - مورت - کوبل - ورسو - رکمو - رکس - پرتھوکم - بھوسمان - جموگ - بھوبیالی - دورب - کیک - لومباد - ورتی - جنتہ - رشید - بھیم رتھ - دھورتھ - سکنہ - کروتک کر - دیورتھ - دیوچھیتر - مادھو - درسو - پروہت - بداپ - جنتو - ستوتی - تک عرف انڈک - بجن - دورتھ - سورسینی - بھوج - راوک - دیومید - سور - واسدیو - کرشن یا کنہیا اوتار -

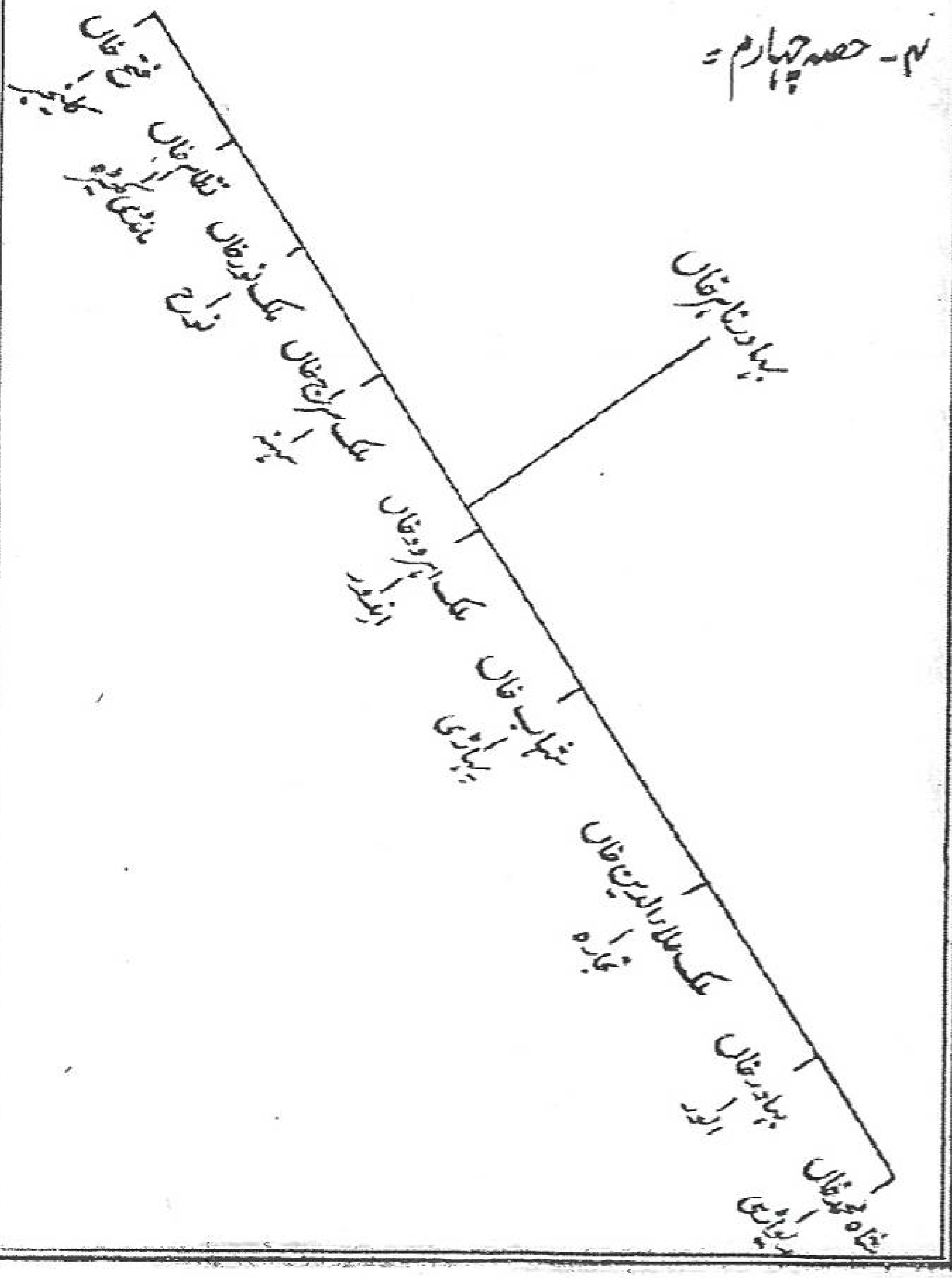
۲ - **حصہ دوئم** = کرشن جی - پردوامن - انرودھ - جترسین - اگرسین - دھرم سین - تجہ پال - برھم پال - چندر پال - سہن پال -

نجے پال۔ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ۔

تہن پال۔ بانڈ پال۔ اننگ پال۔ اُدھان پال۔ انسراج۔

۳۔ حصہ سوئم۔ لکھن پال۔ سانبر پال و شوبر پال جن کے اسلامی نام بہادر، ناہر خاں اور چھجو خاں ہیں۔

۴۔ حصہ چہارم:



۱۵- نقشہ محالات بلحاظ آبادی اولاد بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ

نمبر شمار	نام مورث	نام راج / ریاست	آبادی		
			پرانا ضلع / ریاست	نام تحصیل / پرگنہ	نام محالات
۱	شاہ محمد خاں	ریواڑی	گوڑگانوہ	ریواڑی	ریواڑی۔ جھجر۔ نارنول۔ اب ان قصبوں میں کہیں بھی خانزادے آباد نہیں۔
۲	بہادر خاں	الور	الور	الور	دھولیٹ۔ حویلی الور بہادر پور۔ بجھیڑہ۔ داور۔ بالیٹہ۔ بہروز۔ موج پور۔ کھلورہ۔ تیتھر پور۔ ڈہرہ۔ کٹھومر۔ حاجی پور۔ ڈوڈیکر۔ نولاہیڑی۔ مونگانہ۔ علاول پور۔ خلیل پور وغیرہ۔ ان میں سے علاول پور دھولیٹ غیر آباد ہو
〃	〃	〃	〃	رام گڑھ	مبارک پور۔ ملک پور۔ نوگانوں کلاں۔ للاونڈی۔ مال پور۔ بروارڑہ۔ بلاسپور۔ سنیتلی دوڑدلی۔ کھیڑلی۔ وغیرہ

نمبر شمار	نام رئیس	نام ریاست یا ضلع حال	آبادی		
			نام ضلع یا ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	نام محالات
۲	بہادر خاں	الور	الور	تجارہ	بوبکا ہیڑہ۔ سرولی۔ دورالہ سرمٹھ۔ دمدمہ۔ گھرول۔ جھوانہ ڈھاڈولی۔ علاول پور وغیرہ ان میں سے دورالہ گھرول اور علاول پور غیر آباد ہیں۔ اور سرمٹھ دمدمہ اور جھوانہ میں خانزادے آباد نہیں۔
"	"	"	"	کشن گڑھ	ببوبرہ۔ خیرتھل۔ جھڑ جھیلا ہرسولی پور۔ اسمٰعیل پور ڈائی کا فتح آباد وغیرہ ان میں سے اسمٰعیل پور۔ فتح آباد اور ڈائی کا میں اب خانزادے آباد نہیں۔
"	"	"	جے پور	شہر جے پور	جے پور
"	"	"	"	کوٹ قاسم	کوٹ قاسم۔ بڑسرہ۔ جھوکی۔ بہرام پور۔ میرپور۔ گہرول۔
			گوڑگانوہ	نوح	کوٹلہ مسیت عرف عالم پور تھانہ۔ نظام پور وغیرہ۔ اب ان میں کہیں بھی خانزادے آباد نہیں۔
"	"	"	"	فیروزپور جھرکا	قصبہ فیروز پور جھرکہ۔ اولیٹہ۔ ساٹھاواڑی۔ بسئی خانزادہ۔

نمبر شمار	نام سردار	دارالریاست	ضلع یا ریاست	تحصیل یا پرگنہ	آبادی: نام محالات
۳	ملک علاؤالدین خاں	تجارہ	الور	تجارہ	بنگوان۔ جھراوٹ۔ محامد نگر۔ کھیڑلی متصل ناولی۔ اب ان میں سے کھیڑلی غیر آباد ہے۔ حویلی تجارہ۔ شاہ آباد۔ بھنڈوسی سوراواس۔ کل گائں۔ موسے پور۔ اودے پور۔ خضر پور۔ گوتولی۔ پاٹن۔ بینگن ہیڑی۔ لنوگاں خرد۔ ڈھاکی۔ بلاسپور۔ ملک پور وغیرہ ملک پور غیر آباد ہے۔
۴	شہاب خاں بہیر	پہاڑی	بھرت پور	پہاڑی ڈیگ	علی نگر یا نگر عرف گھسادلی بہراوت۔ بھوج پور۔ پہاڑی کھوہ کلاں۔ آونمن۔ کامان نظام نگر۔ بھرت پور۔ گھساولی اب غیر آباد ہے۔ بہراوت و بھوج پور میں اب خانزادے نہیں۔
۵	ملک اہرود خاں عرف آڑود خاں	اندور	الور	تجارہ و کشن گرھ	اندور۔ دھولی پہاڑی۔ علمدیکا چھنپولہ۔ گندھولہ۔ سیسروولی۔ ماچھروڑلی۔ محمد پور۔ ملک پور گندھولہ و چھنپولہ غیر آباد ہیں۔

نمبر شمار	نام سرخیل	پایۂ دارالحکومت ریاست	[illegible]	[illegible]	آبادی نام محالات
۶	ملک سراج خاں	سہنہ	گونڈ گانوہ	گوڑ گانوہ	قصبہ سہنہ۔ بادشاہ پور۔ اُودا کا۔ بادشاہ پور میں خانزادے نہیں۔
۷	نور خاں	نوح	،	نوح	نوح۔ بڑدجی۔ پلٹری بنیواں ڈوڈا ہیٹری۔ ٹلہر۔ وغیرہ ڈوڈا ہیٹری اور ٹلہر اب غیر آباد ہیں۔
۸	نظام خاں	مانڈی کھیڑہ	،	فیروز پور جھرکہ	ماندری کھیڑہ۔ ٹپاک پور۔ ہرنول۔
۹	فتح خاں	کلینجر	،	نوح	کلینجر۔ ٹائیں۔ ہتھین۔
۱۰	چھجو خاں برادر ناہر خاں	گھاگس	،	فیروز پور جھرکہ	گھاگس۔ کھوری۔



چوتھا باب

مشاہیر خانزادگان کے سیاسی حالات

تبصرہ

قبل اس کے کہ ہم خانزادگان کے سیاسی حالات درج کریں۔ یہ بتا دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے جو سیاسی حالات ہم اس باب میں درج کریں گے۔ وہ سب کے سب غیر ملکی مورخوں کی تاریخوں کے اقتباس ہیں۔ جن میں انہوں نے عموماً، غیر ملکی لوگوں کی فتوحات کی صورت میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور شکست کی صورت میں اُسے دورسانہ کارنا وبلات سے چھپایا ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کی فتوحات کو بہت دبایا ہے۔ اور ان کی شکست کو رائی کا پہاڑ بنا دکھایا ہے۔

ان غیر ملکی مورخوں کی تاریخوں کا اقتباس دو وجہ سے مجبور ہو کر لیا ہے۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں کو ہم اپنے سیاسی حالات سنانا چاہتے ہیں۔ وہ عموماً انہیں غیر ملکی تاریخوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ معلومات کا کافی ذخیرہ بھی ہیں۔ دوئم یہ کہ اگر ہم اپنی قومی وملکی روایات۔ پوتھی جاگا کی تحریرات اور ہندی تصانیف پُران و مہابھارت وغیرہ سے اخذ کر کے اپنے حالات لکھیں تو ان کو یہ غیر ملکی لوگ صحیح نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ ان کی سینہ زوری ہے۔ اگر وہ ہمارے اُن حالات کو مبالغہ آمیز بتائیں گے تو خود ان کے حالات ہم سے زیادہ مبالغہ آمیز ہیں۔ چنانچہ اس مبالغہ آمیزی کے ثبوت میں ہم انہیں کے چند مصنف اور ایماندار مورخوں کی تاریخوں کا اقتباس یہاں لکھتے ہیں۔ جس سے ناظرین ہمارے بیان کی صداقت بخوبی ظاہر ہو جائے گی۔ اور پھر وہ ہمارے ان سیاسی حالات کو پڑھتے وقت

ہمارے تبصرہ کا خیال بھی رکھیں گے۔ اور آخر میں وہ جو رائے قائم کریں گے اس میں ہرگز یک طرفہ ڈگری نہ دینگے۔ اور یہی ہم چاہتے ہیں۔

اس تبصرہ میں مفصلہ ذیل باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ خانزادوں کی حکومت میوات میں خاندان تغلق و ساداتِ دہلوی کی بادشاہوں کے زمانہ میں رہی تھی۔ اس نے خانزادوں کی جو لڑائیاں مندرجہ بالا بادشاہوں کے ساتھ ہوئیں اُن کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کرنا۔ دوئم یہ کہ ان ہر سہ خاندانوں کے بادشاہوں کی حکومتوں کے ضعف کے متعلق غیر ملکی مورخوں کی کیا رائے ہے۔ سوئم یہ کہ ہندوستانیوں کے متعلق ان غیر ملکی مورخوں کی کیا رائے ہے۔ چہارم مندرجہ بالا باتوں کا نتیجہ کیا ہے۔

غیر ملکی مورخوں کی مبالغہ آمیزی

(۱) انگریزی زمانہ کے مورخ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بہت حق پسند۔ ایماندار اور منصف مورخ گذرے ہیں کیونکہ اُن پر کسی اسلامی شخصی سلطنت کا دباؤ نہ تھا۔ ابو الفضل اور خافی خاں جیسے چاپلوس اور خوشامدی مورخوں کی مانند یک طرفہ ڈگری دینے کی انہیں مطلق ضرورت نہیں پڑی۔ چنانچہ موصوف مذکور لکھتے ہیں کہ

(ہندو مسلمانوں کے باہمی معاملات اور لڑائیوں کا جو ذکر مسلمان مورخوں نے لکھا ہے ان میں اکثر یک طرفہ بیان ہے۔ گو ان میں اتنا جھوٹ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی شکست کو بھی فتح کہہ دیا ہو۔ مگر ہاں انہوں نے اپنی فتوحات کی صورت میں اپنی مردانگی اور فرزانگی کا بیان بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے اور اپنی شکستوں کے ذکر میں ایسے عذرات کئے ہیں جن سے اُن کی جوانمردی میں بٹہ نہ لگے کیونکہ بالطبع انسان کو اپنی اہانت اور ہزیمت کے بیان کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔ یہ تو تاریخی واقعات ہیں جو بڑے عظیم الشان ہیں۔ مگر کھیل میں لڑکوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہار جیت کے بیان کرنے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۵۳۔

یہی صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ
(مسلمان مورخ خوبھی انصاف کریں۔ کہ وہ غیر قوموں کی برائیوں کو بڑے طمطراق سے لکھتے ہیں۔ اور ان کی خوبیوں کو مری ہوئی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے کیسے بُرے بُرے نام رکھتے ہیں۔ اور ان کو بدنام کرتے ہیں۔ اُن کی خوبیوں پر خاک ڈالتے ہیں اور صرف برائیوں کو ہی مبالغہ کے ساتھ دکھاتے ہیں۔)
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد ہفتم صفحہ ۵۵۲۔
یہی صاحب ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ
(ایک زمانہ ایسا آیا۔ جس میں ہندوستان کے اندر پبلک اوپی نین، یعنی عام رائے معدوم ہوگئی۔ خوشامد اور دروغگوئی کا نام تاریخ ہوگیا)
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۴۴۔
باوجود اس منصفی اور ایمانداری کے مولوی صاحب موصوف یہ بھی اعتراف فرماتے ہیں کہ
(ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاملات ومہمات کی تفصیل میں غلطیاں دانستہ یا نادانستہ ہوہی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے مجھے بھی اپنی تاریخ میں یک طرفہ بیان پہ مجبوری کرنا پڑا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہندوں کی تصانیف سے تاریخیں موجود نہیں۔ کہ دونوں کا مقابلہ کر کے ثالث بالخیر بن کر تاریخ لکھی جائے)
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۵۵۔
(۲) دوسرا مورخ فرشتہ جو متعصب کہا جاسکتا ہے وہ بھی یہ لکھتا ہے کہ
(غیاث الدین تغلق کی موت کے بارہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادہ الغ خاں نے قصداً باپ کی ہلاکی کا کیا ہو۔ اور ضیاء الدین برنی جو فیروز شاہ بادشاہ کے عصر میں تھا اور بادشاہ فیروز الغ خاں سے اعتقاد کمال رکھتا تھا۔ اس لئے اس بادشاہ کے لحاظ سے ضیاء الدین برنی نے یہ بات نہ لکھی ہو)
دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۰۔

یہی مورخ ایک دوسری جگہ بھی ضیاء الدین برنی کو ملزم گردانتا ہوا لکھتا ہے کہ (نرم شیریں خاں کے ساتھ مقابلہ میں محمد تغلق نے صرفہ دیکھ کر راہ عجز اختیار کی لیکن ضیاء الدین برنی نے زمانہ کے لحاظ سے اس واقعہ کو اپنی تاریخ میں مرقوم نہیں کیا۔)

دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۹۲۔

ناظرین مورخوں کی ان خوشامدوں کو اور مبالغوں کو غور سے اور بار بار پڑھیں لہٰذا اس قسم کے جن ناانصاف مورخوں نے خانزادوں کے حالات لکھے ہیں ان سے کیا انصاف کی امید ہو سکتی ہے۔ اس تمہید کے بعد اب ہم اپنا تبصرہ لکھتے ہیں۔

خانزادوں کی تغلق بادشاہوں کے ساتھ لڑائیاں۔

اس خاندان کا تیسرا بادشاہ فیروز شاہ تھا جس نے خانزادوں کو مسلمان بنایا تھا اس لئے اس کے ساتھ خانزادوں کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے آخیر زمانہ میں خانجہاں اس کا وزیر محمد خاں ولی عہد سے باغی ہو کر میوات میں بہادر ناہر خاں کے پاس پناہ لے گیا تھا۔ جب تغلق شاہ ثانی بادشاہ بنا۔ تو بہادر ناہر نے محمد خاں کے برخلاف اس تغلق شاہ کی مدد کی تھی۔ اس کے بعد جب ابوبکر بادشاہ بنا۔ تو محمد خاں کے برخلاف چند بار بہادر ناہر نے اس کی مدد کی۔ اور ہر بار اسے فتح دلاتا رہا۔ پھر نصرت شاہ اور ناصر الدین محمود بادشاہ ہوئے۔ تو ان دونوں کو بہادر ناہر اور اس کے پوتے اقبال خاں عرف ملو خاں نے کٹھ پتلی بنا کر نچایا۔ اور صرف روئی کپڑے پر ناصر الدین محمود کو برائے نام بادشاہ بنائے رکھا۔ ورنہ سلطنت کے تمام اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔

۲۔ خانزادوں کی سید بادشاہوں کے ساتھ لڑائیاں۔

تغلق خاندان کے بعد سادات خاندان کی باری آئی۔ اس کا پہلا بادشاہ خضر خاں ہوا۔ اس کی ایک لڑائی راجہ جلال خاں خانزادہ والئی میوات سے ہوئی۔ جلال خاں پہاڑوں میں جا گھسا۔ خضر خاں دہلی واپس آگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا

مبارک شاہ بادشاہ بنا۔ یہ بار بار مالیہ وصول کرنے میوات میں آتا رہا۔ خانزادوں نے کبھی سیدھے ہاتھوں مالیہ ادا نہیں کیا۔ جب یہ خود یا اس کا کوئی وزیر میوات میں آتا۔ تو جلال خاں بعض دفعہ مالگذاری ادا کر دیتا۔ اور بعض دفعہ میوات کو خالی کر کے پہاڑوں اور قلعوں میں چلا جاتا۔ ناچار بادشاہ یا وزیر میوات کو لوٹ کھسوٹ کر محروم و ناکام دہلی کو واپس پھر جاتا تھا۔ نیز جلال خاں اور قدو خاں خانزادگان نے ابراہیم شاہ بادشاہ شرقی سے مل کر مبارک شاہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ غرض خانزادوں نے کبھی مبارک شاہ کی اطاعت منظور نہیں کی۔ اس کے بعد محمد شاہ اور علاء الدین بادشاہ بنے۔ یہ دونوں ناکارہ اور آرام طلب تھے۔ ان کا زمانہ مبارک شاہ سے بھی زیادہ ابتر رہا۔ ان کی حکومت صرف دہلی سے چند میل تک تھی علاء الدین نے تو دہلی ہی چھوڑ رکھی تھی۔ اور وہ ہمیشہ بدایوں میں رہا کرتا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر بہلول لودھی نے تخت دہلی پر قبضہ جما لیا۔ اس کے زمانہ میں احمد خاں خانزادہ والئی میوات نے بھی میوات سے آگے بڑھ کر لاڈو سرائے متصل دہلی تک پر اپنا قبضہ جما لیا اور خود مختار بن بیٹھا۔

۳۔ لودھی بادشاہوں کے ساتھ خانزادوں کی لڑائیاں۔

اس خاندان کا پہلا بادشاہ بہلول تھا۔ اس نے احمد خاں والئی میوات پر حملہ کیا۔ اور دہلی کے متصل کا وہ علاقہ واپس لے لیا جو احمد خاں نے سادات کے زمانہ میں فتح کر لیا تھا۔ اس رنج سے احمد خاں نے بہلول کے حریف حسین شاہ شرقی کو اس کے برخلاف مدد دی۔ جس سے بہلول کئی سال تک لڑائیوں میں پھنسا رہا۔ اور آخر صلح پر مجبور ہوا۔ چونکہ احمد خاں نے بہلول کے برخلاف حسین شاہ شرقی کی مدد کی تھی۔ اس لئے بہلول نے دوبارہ میوات پر حملہ کیا لیکن اس دفعہ بالکل محروم رہا۔ کیونکہ خان خانان ایک نامی امیر نے جو کہ بہلول کے امرائے کبار میں تھا احمد خاں اور بہلول کے درمیان صلح کرا دی۔ بہلول کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ بادشاہ بنا۔ اس زمانہ میں میوات کے اندر علاول خاں خانزادہ حاکم میوات تھا۔

چونکہ اعظم ہمایوں خاں افغان شروانی جو بہلول لودھی کے دربار میں بڑا امیر و کبیر سردار تھا۔ اس کی دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ خود بادشاہ سکندر شاہ کی اور دوسری سے علاول خاں خانزادہ کی شادی ہوئی تھی۔ اس رشتے کی وجہ سے سکندر شاہ اور علاول خاں ہم زلف بھائی بن گئے تھے۔ جس سے اُن میں ہمیشہ محبت اور دوستی قائم رہی۔ اور میوات پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔

سکندر شاہ کے بعد ابراہیم شاہ بادشاہ بنا۔ اس کے زمانہ میں علاول خاں کا بیٹا حسن خاں خانزادہ شاہ میوات تھا۔ چونکہ ابراہیم شاہ اور حسن خاں دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ اس لئے ان کے زمانہ میں بھی میوات پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔ حملہ ہونا تو در کنار۔ ابراہیم شاہ نے وہ علاقہ بھی اپنے بھائی حسن خاں کو واپس دیدیا تھا۔ جو بہلول لودھی نے احمد خاں سے چھین لیا تھا۔ اسی رشتہ کی بدولت بابر کے برخلاف ابراہیم شاہ کی مدد کے لئے حسن خاں معہ اپنے والد اور دو بیٹوں کے جنگ ابراہیم میں شامل ہوا تھا۔

یہ مختصر سا خاکہ اُن لڑائیوں کا ہے جو خانزادوں کے ساتھ تغلق و سادات اور لودھی بادشاہوں سے ہوئی تھیں۔

دوئم۔ تغلق و سادات و لودھی بادشاہوں کی کمزوریاں

تغلق خاندان:- فیروز شاہ کے بعد محمد تغلق۔ تغلق شاہ ثانی۔ ابوبکر شاہ نصرت شاہ اور ناصرالدین محمود یکے بعد دیگرے بادشاہ بنتے رہے۔ لیکن یہ سب کے سب سخت کاہل سست اور ناکارہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی اپنی مدد کے لئے اپنے درباروں میں ہندو اور ہندوستانی مسلمانوں کو اپنا طرفدار اور مددگار اور ہوا خواہ بنا رکھا تھا۔ تغلق شاہ اور ابوبکر ہمیشہ بہادر ناہر خاں خانزادہ کی حمایت پر حکومت کرتے رہے۔ نصرت شاہ اور ناصرالدین محمود کو بھی بہادر ناہر نے اور اس کے پوتے اقبال خاں عرف ملّو خاں نے صرف ردی کپڑے پر بادشاہ بنا رکھا تھا۔ ان بادشاہوں کی سستی۔ نالائقی اور کمزوری

کی بدولت سلطنت میں بڑی بڑی تباہیاں ۔ خرابیاں اور پریشانیاں واقع ہوئیں اور حکومت کے اندر ایسا ضعف آگیا ۔ جس کی بدولت دہلی کی حکومت کا ڈھیر ایسا بگڑ گیا ۔ جس سے وہ بجبر مجبر کرنے لگا ۔ دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۴۴۰ ۔

۲ ۔ **خاندان سادات :** مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ (ان بادشاہوں کی سلطنت کا ذکر پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایام سلطنت میں وزیر اور بادشاہ دونوں کا یہ حال رہا ۔ کہ کبھی کٹھیر ۔ کبھی گوالیار ۔ کبھی بدایوں ۔ کبھی میوات اور کبھی سنبھل میں جاتے رہے ۔ اگر آج یہاں محصول وصول کیا ہے ۔ تو کل کسی دوسری سرکشی نے سر اٹھایا ہے ۔ سوائے دہلی کے کوئی ضلع اور صوبہ اُن کے قبضہ و تصرف میں نہ تھا ۔ اگر ایک طرف کچھ ملک ہاتھ لگا ۔ تو دوسری طرف اس سے زیادہ نکل گیا ۔ برابر یہی حال ہوتا رہا ۔ نہ وزیر سے کچھ بنا اور نہ بادشاہ سے ۔ بلکہ خود ملتان و پنجاب میں بھی جو خضر خاں کو میراث میں ملے تھے ۔ خلل پڑ گیا ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے عہد سلطنت میں نہ سلطنت کی نمائش ہوئی اور نہ ملک کی افزائش ہوئی کوئی نیا صوبہ ان کے ہاتھ نہ آیا ۔ رعب و داب کیا خاک ہوتا ۔ خضر خاں نے تو دوسرے زمینداروں کے خوف سے اپنا نام بھی بادشاہ نہیں رکھا ۔)
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۴۰۳ ۔

(۲) دوسری جگہ یہی صاحب لکھتے ہیں کہ
(مبارک شاہ اور محمد شاہ کے زمانہ میں تمام علاقوں کے حاکموں نے ادائے مالگذاری سے ہاتھ کھینچ لیا ۔ یہ دونوں بادشاہ تادیب کرنے کے لائق طاقت ہی نہ رکھتے تھے ۔ اس وجہ سے ہر سر میں ایک سودا اور ہر دل میں ایک تمنا پیدا ہو گئی ۔ ابراہیم شاہ شرقی نے چند پرگنات دبا لئے خانزادوں نے سلطان محمود خلجی کو دہلی کی سلطنت کے لئے مالوہ سے بلا کر محمد شاہ سے بھڑا دیا ۔ علاء الدین کے زمانہ میں سب سے زیادہ طوائف

المولکی رہی یہ اپنے باپ محمد شاہ سے بھی زیادہ سست اور نا کارہ نکلا ہمیشہ بدایوں میں پڑا رہتا تھا کون۔ گجرات۔ مالوہ۔ جونپور بنگالہ وغیرہ میں وہاں کے حاکم خود مختار بن بیٹھے۔ احمد خاں خانزادے نے لاڈو سرائے متصل دہلی تک قبضہ جماکر خود مختار بن بیٹھا۔ سنبھل سے نارنول تک دریا خاں لودھی حاکم تھا غرض اسی طرح کل ملک کو سرداروں لوگوں نے دبا کر خود مختار بن بیٹھے اور سلطنت دہلی کی حد ایک طرف تو شہر پناہ سے صرف ایک میل اور دوسری طرف دس بارہ میل تک رہ گئی۔ یہ مثل اسی بادشاہ پر صادق ....

آتی تھی کہ بادشاہی شاہ عالم تا دہلی پالم)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۸ -

(۳) بھائی پرمانند صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں کہ

(سیدوں کے عہد میں سرہند۔ میوات۔ جالندھر۔ علی گڑھ۔ اٹاوہ جونپور۔ بدایوں۔ مالوہ۔ کشمیر۔ وغیرہ کے حاکموں سے خراج وصول کرنے کے لئے ہر سال ایک مہم یا قافلہ بادشاہ کی طرف سے بھیجا جاتا تھا۔ ان بادشاہوں کا عہد صرف اسی جد و جہد میں گذر گیا کہ کسی طرح دہلی میں ہی اپنی حکومت بنائے رکھیں۔ وغیرہ)

دیکھو تاریخ راجستھان جلد اول صفحہ ۲۶۷ -

(۴) سید محسن مرزا صاحب ایم۔ اے۔ اور عبدالحمید خاں صاحب نیازی ایم۔ اے۔ پروفیسران ہسٹری لکھتے ہیں کہ

(فیروز شاہ کی وفات کے بعد ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ تغلق بادشاہ صرف برائے نام بادشاہ رہ گئے۔ ان کی حکومت دہلی سے صرف پانچ سات کوس کے ارد گرد رہ گئی۔ مگر امیر تیمور کے حملے نے اس خاندان کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح خاندان سادات میں سید خضر خاں تغلقوں کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس نہ لے سکا۔ اس خاندان کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ اس کے بادشاہوں کا کوئی سکہ تک جاری نہ تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شان و شکوہ کچھ بھی نہ تھی)

تاریخ ہند مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۳۱ء صفحہ ۷۰ و ۷۱ -

(۵) مولوی ذکاء اللہ صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

(سیدوں کی سلطنت میں جو صرف چھتیس سال رہی خضر خاں نے دوسرے دعویداران سلطنت کے خوف سے اپنا نام بادشاہ ہی نہ رکھا۔ اس کا بیٹا مبارک شاہ ملکی فسادوں کے مٹانے میں خود ہی مٹ گیا مگر فساد نہ مٹے۔ محمد شاہ اور علاء الدین صرف نام کے بادشاہ تھے ان کی سلطنت صرف دہلی کے گرد چند میل میں تھی۔ ان کے زمانہ میں امرا کا حال ایسا رہا کہ یہاں کی سلطنت میں نوعی حکومت کی جھلک نظر آتی تھی۔ مسلمان بادشاہ اور ہندو راجہ آزادانہ خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتے تھے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۱۳۱۔

(۶) مولوی عبدالحمید صاحب ایم۔ اے۔ و من موہن صاحب ایم۔ اے پروفیسران گورنمنٹ کالج لاہور لکھتے ہیں کہ

(خضر خاں اور اُس کے جانشینوں کے عہد کو عہد سادات کہتے ہیں۔ لیکن ان کی سلطنت برائے نام تھی۔ ہندوستان میں ان کے زمانہ میں مختلف علاقوں میں امیر اور صوبہ دار خود مختارانہ طور پر حکومت کرتے تھے۔ کیونکہ سلطنت دہلی بہت ہی کمزور ہو گئی تھی)

دیکھو تاریخ ہند حصہ اول مطبوعہ گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور ۱۹۳۶ء ۔۱۸۳

۳۔ **لودھی خاندان** :- اس خاندان کے صرف ایک بادشاہ بہلول لودھی کی طرف ایک لڑائی احمد خاں خانزادہ سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد جو دو بادشاہ سکندر شاہ اور ابراہیم شاہ ہوئے۔ ان کے زمانہ میں کوئی لڑائی خانزادوں سے نہیں ہوئی بلکہ ناطے رشتوں کی وجہ سے دوستی قائم ہو گئی اور خانزادے اور پٹھان لوگ ایک دوسرے کے نہایت غم خوار اور مددگار بن گئے تھے۔

سوئم - ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق غیر ملکی مورخوں کی رائیں -

(۱) غیر ملکی مورخوں نے ہندوستانی مسلمانوں کا درجہ ہندوؤں کے برابر ہی سمجھا ہے - ملا عبدالقادر بدایونی راجہ حسن خاں خانزادہ کو اکبر کے خوش کرنے کے لئے کافر کلمہ گو لکھتا ہے اور اس کی موت کی بابت لکھتا ہے کہ

(او در چاہ جہنم سے افتند -)

(۲) خود بابر بادشاہ نے بھی اپنی توزک میں حسن خاں خانزادہ کو کافر نعمت، مُردود - ملحد - احسان فراموش - ہندوؤں سے رغبت رکھنے والا وغیرہ بیان کیا ہے -

(۳) خاندان تیموریہ کے خوشامدی مورخوں نے بابر کے حملے کو جائز ثابت کرنے کے لئے ہندوستان کو دارالحرب لکھا ہے حالانکہ اس وقت یہاں لودھی پٹھان حکومت کرتے تھے -

(۴) امیر تیمور کے ہمراہی بڑے بڑے عمامے باندھنے والے اور مولویانہ صورت بنانے والے علماء نے ہندی مسلمانوں کو ہندوؤں کے حکم میں داخل کر کے ثواب اور جہاد کی نیت سے اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالا -

(۵) محمد قاسم فرشتہ نے خان جہاں نامی ایک سردار کو صرف اس قصور پر کافر لکھدیا ہے کہ اس نے سنکٹ رائے ہندو حاکم کو تاتار خاں کے برخلاف مدد دی تھی -

(۶) ابوالفضل نے شیر شاہ اور اس کے بیٹے سکندر شاہ سوری کو نمک حرام اور کافر نعمت لکھا ہے وغیرہ وغیرہ -

چہارم - مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ = مندرجہ بالا بیانوں میں مندرجہ ذیل باتیں تاریخی حوالوں سے بخوبی ثابت ہو چکی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے -

کہ تغلق سادات اور لودھی بادشاہوں کی جو لڑائیاں خانزادوں سے ہوئیں ان میں بادشاہوں کو کوئی حقیقی فتح کبھی حاصل ہی نہیں ہوئی - بلکہ بادشاہوں کو خراج تک خانزادے لوگ نہیں دیتے تھے - اور یہ بادشاہ خراج وصول ہو جانے کو ہی

بڑی معراج اور فتح سمجھتے تھے۔ دوئم یہ کہ تمام مندرجہ بالا بادشاہوں کی کمزوری، سستی کاہلی اور نااہلی کی وجہ سے ہمیشہ ان کے زمانہ میں طوائف الملوکی۔ بدنظمی اور بغاوت پھیلی رہتی تھی۔ اس وجہ سے یہ بادشاہ خانزادوں کو یا دوسرے امراء کو شکست دینے کے قابل ہی نہ تھے۔ سوئم یہ کہ جو فتحیں ان نالائق بادشاہوں کی لکھی گئی ہیں انکے لکھنے والے غیر ملکی مورخ تھے۔ جنہوں نے ہندوستانیوں کی کمزوریاں اور شکست اور اپنی حکومت کی مدح و شناہبت مبالغے کے ساتھ لکھی ہیں۔ چہارم یہ کہ ان مورخوں نے خانزادوں کی بغاوت اور میوات کی مالگذاری ادا کرنے کا نام نافرمانی۔ سرکشی و عدم خلافی لکھا ہے۔ لیکن ان کی ان تحریروں سے بھی خانزادوں کی شکست یا کمزوری ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ باغی نافرمان اور سرکش بھی زبردست ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کمزور۔

مبارک شاہ اور اس کے وزیر پانچ چھ دفعہ جلال خاں والئی میوات سے مالگذاری وصول کرنے کے لئے میوات میں آئے۔ لیکن ان کی ہر واپسی کے بعد خانزادے لوگ باغی ہوتے رہے۔ اپنے دشمن کی ایک یا دو خطا تو معاف ہو سکتی ہیں۔ لیکن اتنی خطاؤں بغاوتوں اور سرکشیوں کے بعد بھی خانزادوں کے پاس ملک میوات کو برقرار رکھنا ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ان باتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت بادشاہ کو حقیقی فتح کبھی حاصل ہی نہیں ہوتی تھی۔ اور یحیٰے بن احمد مصنف تاریخ مبارک شاہی نے خراج وصول کرنے کا نام بھی فتح رکھدیا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی وہ بار بار ناکام واپس جاتے تھے۔

خانزادگان میوات کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ شاہان دہلی کو اپنا شاہنشاہ صرف برائے نام ہی سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے میوات کا خراج ادا کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ لیکن جب شاہنشاہ دہلی زبردستی خراج وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تو خانزادے اس کو اپنے اندرونی انتظام میں مداخلت بیجا سمجھکر اسے ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔

کیونکہ یہ لوگ میوات کے اندر ہمیشہ آزادی اور خودمختاری کے ساتھ حکومت کرنے کے عادی تھے۔ اس لئے مداخلت کی صورت میں بلا تامل بادشاہوں سے لڑتے تھے۔ اور اپنی خودمختاری کو قائم رکھتے تھے۔ اگر بادشاہوں نے میوات پر حملے کرکے

اس کو لوٹا کھسوٹا تو خانزادوں نے بھی اس کے بدلے میں نواح دہلی تک ملک کو لوٹ کھسوٹ کر تاراج اور برباد کرتے رہے۔ اور بادشاہوں کو دق اور تنگ کرتے رہے۔ اور ترکی بترکی جواب دینے میں کبھی کوتاہی نہ کرتے تھے۔

مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں لکھتے ہیں کہ

(جو تاریخی روایتیں جلال خاں والئی میوات کے متعلق لکھی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جلال خاں اور ان کے آباد اجداد کا خاندانی دعوے شاہان دہلی کی مخالفت تھا۔ کیونکہ وہ میوات پر ہمیشہ خود مختارانہ حکومت کرنا چاہتے تھے۔)

اس خود مختاری کو قائم رکھنے میں قدرت نے بھی بخوبی ان کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں وغیرہ خانزادے شاہان دہلی کے برائے نام مطیع تھے۔ انکے زمانہ میں ملک میوات کے اندر سلاطین دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ میوات کا علاقہ بہت فراخ ہے اس میں پہاڑ اور کھوہ و گھاٹیاں ایسی ہیں جن میں ان میواتی سرداروں کو حملے کے وقت پناہ لینے کا خوب موقعہ مل جاتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی ان پر دہلی کی طرف سے فوج کشی ہوتی۔ تو یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی میدانوں میں جم کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ تو فوراً پہاڑوں میں جا گھستے تھے۔ جس کی وجہ سے حملہ آور اکثر بار محروم و ناکام ہو کر واپس لوٹتے تھے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوئم صفحہ 110۔

خانزادوں نے بھی رانا پرتاپ اور سیواجی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ اگر میدانوں میں کامیابی نظر نہ آتی دیکھتے تھے۔ تو جنگی قواعد اور حکمت عملی کی رو سے وہ اپنا مقام جنگ پہاڑوں کو بنا لیتے تھے۔ جس طرح اکبر اور جہانگیر کے مقابلہ میں رانا پرتاپ سنگھ اور اورنگ زیب کے مقابلہ میں سیواجی کیا کرتا تھا۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(جب رانا پرتاپ سنگھ نے کھلی لڑائیوں میں کام بنتے نہ دیکھا۔ تو اس نے

اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر قدم رکھنے کی ٹھانی اور میدان کو چھوڑ کر کوہستانی قلعوں میں چلا گیا)
دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۶۱۷۔
بالکل اسی کے مطابق خانزادوں نے بھی بادشاہانِ دہلی کے مقابلہ میں فوجی حکمت عملی اختیار کی تھی۔
خانزادوں کے زمانہ کی حکومت کے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ
(اکبر سے پہلے ہندوستان میں دستور تھا کہ اُمرا اور حاکم لوگ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بادشاہ ہوتے تھے۔ اور صرف برائے نام ہی بادشاہِ دہلی کی اطاعت کرتے تھے بشاہانِ دہلی ان کے اندرونی انتظامات میں مطلق دخل نہ دیتے تھے۔ بلکہ فقط اپنے شاہی دربار اور میدانِ جنگ میں ہی حکمراں ہوتے تھے)
تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۔
مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب لکھتے ہیں کہ
(مبارک شاہ بادشاہ نے ۱۴۲۱ء میں میوات پر چڑھائی کی۔ میواتی خانزادے تجارہ کی پہاڑیوں میں جا کر جم گئے۔ یہ پہاڑیاں ایسی ہیں کہ بادشاہ کو اکثر بار بغیر ان کے فتح کئے ہوئے ہی دہلی کو واپس جانا پڑتا تھا۔)
گزیٹیر الور صفحہ ۱۷۱۔
یہی صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ
(جلال خاں والئی میوات نے مع احمد خاں اور مبارک خاں کے جو کہ اس کے خاندان میں تھے ایک فوج الور کے قلعہ میں جمع کی۔ اور ایسی بہادری سے لڑے کہ بادشاہی فوج کے کمانڈر کو محروم ہو کر واپس جانا پڑا۔)
دیکھو گزیٹیر الور صفحہ ۱۶۹۔
مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ
(مبارک شاہ بادشاہ نے ۱۴۲۶ء میں میوات پر چڑھائی کی۔ اُس وقت

تمام ملک میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ اس لئے فوج نے کوچ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس وقت میں غلہ اور گھاس کی بھی بہت کمی تھی اور جس جگہ بادشاہی لشکر ٹھیرا ہوا تھا وہ بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ اس وجہ سے دہلی کو واپس لوٹ گیا)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۳۱۰ ۔

محمد قاسم فرشتہ بھی یہی لکھتا ہے کہ

(جب مبارک شاہ نے ۸۲۸ھ میں میواتیوں کی طغیانی کی خبر سنی۔ تو اس طرف نہضت فرمائی۔ میواتی خانزادے اپنی ولایت خالی کرکے کوہ جھر میں در آئے۔ اور سلطان عسرت غلہ۔ اور نایابی علف اور قلت جگہ کے سبب سے مراجعت کرکے دہلی میں آیا۔)

دیکھو ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۳۸ ۔

ان تمام حوالوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ شاہان دہلی کو خانزادوں پر کبھی بھی اصلی اور حقیقی فتح نصیب نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ اکثر بار بادشاہ کو مالگزاری بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ اور بادشاہ ہمیشہ فتح سے ناکام اور محروم ہو کر واپس لوٹتے تھے۔ اور اس محرومی اور ناکامی کو کبھی تو فوج کے کوچ کے انکار کرنے اور کبھی فوج کے لئے اچھی جگہ نہ ملنے بلکہ پہاڑی اور ناہموار ہونے یا قحط پڑ جانے یا موقعہ جنگ پر بادشاہ کے بیمار پڑ جانے یا غلہ اور گھاس کی کمی ہونے وغیرہ کی مہمل اور لچر تاویلوں سے غیر ملکی مورخوں نے چھپایا ہے۔

امید ہے ہمارے اس تبصرہ کو غور سے مطالعہ کرنے کے بعد ناظرین پر ضرور اصل حقیقت روشن ہو جائے گی۔ اور یہی ہمارا مقصود و مدعا ہے۔

بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ خانزادگان

بہادر ناہر خاں کو شکار کا بہت شوق تھا۔ تیر کا نشانہ بہت بے خطا لگاتے تھے جس وقت فیروز شاہ کا نشانہ شیر کے شکار پر خالی گیا اور بہادر ناہر خاں نے چابکدستی سے آگے بڑھ کر اس جھلائے ہوئے شیر کو ایک ہی ضرب میں مار ڈالا تھا جس سے بادشاہ مذکور کی جان بچی تھی اس روز سے اس کو شاہی دربار میں جانے کا موقعہ حاصل ہو گیا تھا اور یہی شکار کا شوق اس کے لئے آئندہ ترقی درجات کا باعث بن گیا جسکی بدولت فیروز شاہی دربار میں رسائی حاصل ہو گئی۔

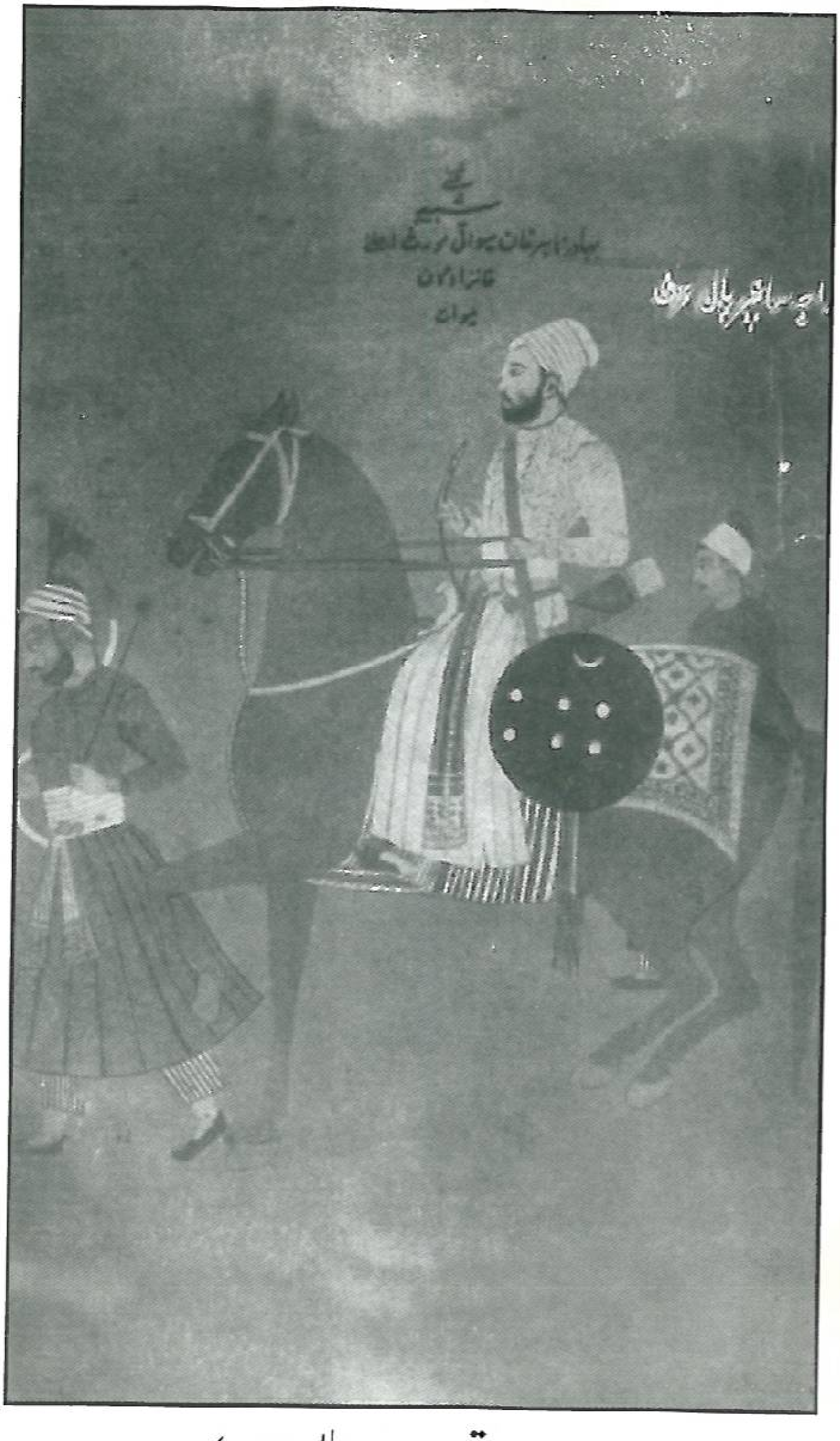
اس شاہی قدردانی اور عزت افزائی اس کو اسلام میں داخل ہونے کی طرف راغب بنا دیا جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے۔

اسلام لانے کے بعد فیروز شاہی دربار میں اس کو اپنی بہادری لاوری۔ شجاعت، ہمت اور لیاقت خداداد کی بدولت بڑا اقتدار اور رسوخ حاصل ہو گیا اور رفتہ رفتہ شاہی معتمدوں میں داخل ہو گیا فیروز شاہ کی وفات کے بعد اس کی قسمت نے اور بھی زیادہ یاوری کی اس نے کوٹلہ کے پہاڑ پر اپنی سکونت اور حفاظت کے لئے ایک نہایت مضبوط قلعہ فیروز شاہی قلعہ کے نمونہ پر سنہ [illegible] میں تعمیر کرایا جس کا نام تاریخوں کے اندر کوٹلہ بہادر ناہر لکھا گیا ہے اس قلعہ کے کھنڈرات آجتک ملتے ہیں۔

اس قلعہ کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی کوٹلہ میں بنوائی تھی جو سہنہ کی جامع مسجد سے ملتی ہے یہی وہ قلعہ ہے جس میں بیٹھکر شاہان دہلی کا مقابلہ کیا جاتا تھا اور شاہان دہلی اپنی خانہ جنگیوں کے موقعوں پر اکثر بار اپنے دشمنوں سے بچنے کے لئے اسی قلعہ میں بہادر ناہر کے پاس آکر پناہ لیتے تھے۔

مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

فیروز شاہ تغلق کی وفات یعنی سنہ ۱۳۸۸ء کے بعد بہادر ناہر میواتی جسکا ہندوانی نام سانبر پال تھا ایک شخص ملتا ہے جس کا قلعہ کوٹلہ تجارہ کی پہاڑیوں میں ہے اس بہادر ناہر کی دہلی دربار میں بڑی زبردست شخصیت تھی یہ بہادر ناہر جو کہ پیدائشی جادو قوم کا تھا خانزادہ قوم کا مورث اعلیٰ ہوا ہے جس کی سلطنت کی تاریخ بعد میں



بہادر ناہر خان میواتی مورث اعلیٰ خانزادگان میوات



راجہ جلال خان والئی میوات

مشہور ہوگئی تھی۔ گزیٹیئر الور صفحہ ۱۷۔

کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی میں حمید قلندر شاعر لکھتے ہیں کہ بعد فیروز شاہ باربک ۷۵۷ھ میں پہلے پہل جس جادو بنسی راجپوت نے غاشیہ فرمانبرداری دین و مذہب کا دوش پر اپنے رکھا اور آبیاری کلمہ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و سیراب و شاداب بنایا وہ ناہر خاں مورث اعلیٰ قوم خانزادہ میوات ہوا ہے جس کے مورثوں کا نہ اد بوم مقام تہن گڑھ علاقہ بیانہ ہے اقبال کی رہبری سے وہاں سے برآمد ہو کر اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت ملک میوات کو تاخت و تاراج بنایا۔

بہادر ناہر خاں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں نکوم قوم کو جو کہ چوہانوں کی ایک شاخ تھی اور وہ میوات میں پھیلی ہوئی تھی جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور قلعہ الور ان سے چھین لیا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

یہ نکوم قوم درگا دیوی کی بہت پرستش کرتی تھی ان کو اس دیوی پر بہت بڑا اعتقاد تھا آج تک بھی اس دیوی کی مورت الور کے قلعہ میں موجود ہے اور ریاست کی طرف سے اس کے مقررہ خرچ کے لئے سالانہ خرچ دیا جاتا ہے۔

یہ نکوم لوگ بڑے ظالم اور سفاک تھے ہر روز ایک آدمی کو جو کسی ادنےٰ قوم کا ہوتا تھا اس درگا دیوی پر نذر چڑھاتے تھے ایک غریب ڈومنی تھی جو درگا دیوی کے مندر میں پوجا کے وقت بھجن گایا کرتی تھی اتفاقاً ایک روز اس کا لڑکا نکوموں نے دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا ڈومنی بچاری کو اس کا بہت رنج ہوا مگر قہر درویش بر جان درویش یہ غریب ان ظالموں کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ آخر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہی مگر اندرونی طور پر انتقام کی آگ اس کے سینے میں بھڑکتی رہی اور بدلا لینے کی تجاویز سوچتی رہی آخر ایک روز اس نے بہادر ناہر خاں کے پاس جا کر اپنی درد بھری کہانی ایسے انداز میں رو۔ رو۔ کر سنائی کہ بہادر ناہر خاں نے بھی ان ظالموں سے بدلا لینا اپنا ضروری فرض سمجھا۔

ڈومنی نے اپنا بدلا لینے کی یہ ترکیب بتائی کہ فلاں روز یہ لوگ تمام رات درگا دیوی کی پوجا کرتے ہیں اور اس پوجا کے ختم ہونے تک ہتھیار دلی ہاتھ نہیں رکھتے اس لئے آپ قلعہ کی دیوار کے نیچے گھات لگائے بیٹھے رہیں جس وقت قلعہ میں سے میں الھ نیچے پھینکوں تو سمجھ لینا کہ اب قلعہ پر چڑھ آنے کا وقت ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا رات بھر بہادر ناہر کی فوج قلعہ الور کی دیوار

کے پیچھے خاموش پڑی رہی جب ڈومنی نے وقت مقررہ پر قلعہ سے نیچے راکھ پھینکی تو اسی وقت فوج قلعہ میں گھس گئی اور تمام ظالم نکوموں کو قتل کر ڈالا اور قلعہ پر اپنا قبضہ جمالیا۔ جس جگہ سے قلعہ میں راکھ پھینکی گئی تھی وہ جگہ اب تک ڈومنی کا واسا کہلاتی ہے۔"

اس فتح کے بعد تمام میوات میں بہادر ناہر کی حکومت قائم ہو گئی اور کوکائے چوہان رئیس ماہاری بھی بہادر ناہر کا فرمانبردار بن گیا۔

کہتے ہیں یہ نکوم پرتھی راج چوہان کے خاندان سے تھے جن کا سرغنہ بعد میں ہیمراج بنا تھا جو پرتھی راج کا قریبی رشتہ دار تھا اگرچہ پرتھی راج کے مارے جانے کے بعد دہلی کی حکومت مسلمانوں کے قبضے میں آچکی تھی۔ لیکن یہ چوہان لوگ رعایا کی حیثیت سے میوات میں پائے جاتے ہیں۔ کچھ بڑگوجر لوگ بھی میوات میں آباد تھے جن کو پرتھی راج نے اپنے زمانے میں ڈھونڈ کے علاقہ سے بلا کر نومسلموں پر ظلم کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔

غرض الور سے لیکر بھینہ اور پٹوکرہ تک یہی لوگ آباد تھے قصبہ بھینے کی پاس پہاڑ پر جو قلعہ بنا ہوا ہے کہتے ہیں وہ بھی چوہانوں کا بنایا ہوا ہے۔"

جب فیروز شاہ تغلق پر ۷۸۹ھ میں بوجہ بڑھاپے کے ضعف غالب ہو گیا تو اس نے اپنے وزیر خان جہاں کو سلطنت کا کام سپرد کر دیا خان جہاں نے فیروز شاہ اور اس کے بیٹے محمد خاں میں عداوت کرادی۔ تاکہ خود بادشاہ بن بیٹھے لیکن جلد ہی یہ راز فاش ہو گیا خان جہاں وزیر محمد خاں کے خوف سے بھاگ کر میوات بہادر ناہر سے پناہ کا طالب ہوا۔

بہادر ناہر نے اپنے ماتحت سردار کوکائے چوہان رئیس ماہاری کے پاس بھیج دیا۔ لیکن محمد خان نے سکندر خان کو اس کے پکڑنے کے لئے بھیجا کوکا مذکور خان جہاں کی حفاظت نہ کر سکا ناچار اس نے وزیر مذکور کو سکندر خاں کے حوالہ کر دیا اس کے بعد فیروز شاہ کسی بات پر شاہزادہ محمد خان سے بھی ناراض ہو گیا اس لئے اس نے اپنے پوتے تغلق شاہ کو امرا کے مشورہ سے بادشاہ بنایا۔ تغلق شاہ نے اپنے وزیر تاج الدین کو اور میوات سے بلا کر بہادر ناہر کو ایک بڑا لشکر دیکر شاہزادہ محمد خاں کو شکست دینے کے لئے بھیجا ان دونوں میں لڑائی ہوئی جس میں ناصر الدین محمد خان نے شکست کھائی وہ جا بجا بھاگتا ہوا قلعہ نگر کوٹ میں جا پہونچا بہادر ناہر اور خان جہاں عرف تاج الدین واپس لوٹ آئے۔

پھر ۸ر جمادی الاول ۷۹۱ھ میں محمد شاہ کی لڑائی فیروز آباد میں ابوبکر سے شروع

ہوئی تو ابوبکر نے اپنی مدد کے واسطے بہادر ناہر کو میوات سے بلوایا۔ وہ بہت بڑا لشکر لیکر شہر میں داخل ہوا جس سے ابوبکر بڑا قوی پشت اور باہمت ہو گیا اس مدد کے آنے سے ابوبکر دوسرے دن فیروز آباد سے نکل کر محمد شاہ سے لڑا اور بہادر ناہر کی مدد سے محمد شاہ کو شکست دی اس لڑائی کا حال ملا عبدالقادر بدایونی اس طرح لکھتے ہیں کہ:-

ابوبکر شاہ بمعیت بہادر ناہر خاں خانزادہ میواتی صف آرائی کردہ بتاریخ ۲ جمادی الاولیٰ سن مذکور در میدان فیروز آباد محمد شاہ جنگ کردہ فیروز گشت منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۵۹۔

محمد شاہ مذکور جمنا سے پار اتر کر جالیسر کو بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ بعد ابوبکر کے ایک سردار اسلام خاں نے اس سے ناراض ہو کر ایک عرضی محمد شاہ کے پاس بھیج کر اس بلایا۔ ابوبکر اس حال سے خبردار ہو کر اور ایک جماعت اپنے خاص معتمدوں کی لیکر پھر میوات میں بہادر ناہر کے پاس آیا محمد شاہ نے ابوبکر سے لڑنے کے لئے ایک جرار لشکر میوات میں بھیجا۔ آخر ماہ محرم ۷۹۳ھ میں بہادر ناہر کو اپنا مددگار بنا کر ابوبکر شاہ بھی لڑائی کے لئے قلعہ کوٹلہ سے نکلا۔ باہم لڑائی ہوئی ابوبکر نے کچھ آدمیوں کو مارا۔ مگر محمد شاہ کا بیٹا ہمایوں خاں خوب جم کر لڑا جس سے ابوبکر اور بہادر ناہر ناکام ہو کر قلعہ کوٹلہ میں واپس گئے محمد شاہ نے قلعہ کوٹلہ کو گھیر لیا ناچار ابوبکر اور بہادر ناہر صلح کرنے پر مجبور ہوئے محمد شاہ نے بہادر ناہر کو تو خلعت و انعام دیکر رخصت کر دیا۔ اور وہ قلعہ کوٹلہ میں واپس آ گیا لیکن ابوبکر کو اپنے ہمراہ لیکر قلعہ میرٹھ میں قید کر دیا چنانچہ وہ اسی قید میں مر گیا۔

ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ

در ماہ رمضان سن مذکورہ مبشر چپ و بعضے از بندگان فیروز شاہی بسبب از اسباب از ابوبکر رنجیدہ بودند۔ پنہانی خطوط بہ محمد شاہ نوشتہ اورا استدعا نمودہ۔ و ابوبکر شاہ بعد از وقوف براں حال بے دست و پا شدہ، بہ تقریب استمداد از بہادر ناہر روئے بجانب کوٹلہ میوات نہاد۔ و بعد ازیں حادثہ کمر متوانست بست۔ و ہم دریں کوٹلہ بود۔ تا آنکہ بکوچ متواتر محمد شاہ بر سر ابوبکر رفت۔ و بہادر ناہر میواتی و ابوبکر شاہ کہ پناہ بہ او بردہ بودند بعد از جنگ بسیار امان خواستہ محمد شاہ را دیدند۔ و بہادر ناہر خلعت و نوازش یافت و ابوبکر شاہ را در قلعہ میرٹھ محبوس ساختند۔ تا بہماں حبس از حبس خانہ دنیا رست)

دیکھو منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۶۱۔

چونکہ بار بار ابوبکر شاہ کو مدد دینے اور بغاوت و سرکشی اختیار کرنے سے محمد شاہ بادشاہ بہادر ناہر خاں سے ناراض ہو رہا تھا اس وجہ سے ماہ شوال ۷۹۵ھ میں پھر اس نے میوات میں آکر اسے تاراج و برباد کیا اور وہاں سے جالیسر جاکر بیمار پڑ گیا۔

لیکن جب اس نے پھر یہ خبر سنی کہ بہادر ناہر پھر باغی بن بیٹھا ہے اور دہلی کے گردو نواح کے بہت سے مواضعات کو لوٹ کھسوٹ کر غارت و برباد کر دیا ہے اور وہ دہلی کے نزدیک ہی غارتگری میں مشغول ہے تو ناچار وہ اسی بیماری کی حالت میں پھر میوات کی طرف آیا جب کوٹلہ کے نزدیک پہونچا تو بہادر ناہر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا لیکن خونریز لڑائی کے بعد پھر قلعہ کوٹلہ میں واپس چلا گیا اور وہاں سے جھر کے پہاڑوں میں چلا گیا محمد شاہ مجبور ہو کر اور بیماری کے غلبہ کی وجہ سے دہلی کو واپس چلا گیا اور ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں مر گیا۔

ابوبکر اور محمد شاہ کے زمانہ میں یہ دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ ان دونوں بادشاہوں کے ہندو اور نو مسلم لوگ بڑے طرفدار اور ہوا خواہ تھے اور بڑی گرم جوشی سے انکی طرف سے لڑائیوں میں اپنی جانیں نثار کرتے تھے چنانچہ بہادر ناہر تو اپنی فوج کو لیکر ابوبکر کی طرف سے جان لڑاتا تھا اور رائے سرور وغیرہ ہندو رائے اور رانا محمد شاہ کا دم بھرتے تھے گویا مسلمان بادشاہوں کی سلطنت کو خانزادے اور ہندو لوگ تقویت دیتے تھے دوئم یہ کہ جب سے سلطنت ہند کا تعلق خاندان غور سے منقطع ہو کر خاندان تغلق سے وابستہ ہوا ہے اسی وقت سے خانزادوں کی قدر و منزلت شاہی درباروں میں برابر بڑھتی چڑھتی چلی گئی اور ان دونوں بادشاہوں کے زمانہ میں تو ان کا عروج بہت بڑھ گیا تھا۔

چند روز بعد بہادر ناہر نے ناصر الدین محمود سے ناراض ہو کر اپنے پوتے اقبال خاں عرف ملو خاں کو اپنے ساتھ ملاکر ناصر الدین محمود اور نصرت شاہ میں خانہ جنگی کرادی اور فیروز آباد اور دہلی میں الگ الگ دو بادشاہ پیدا کر دئے ان دونوں میں تین سال تک برابر خانہ جنگی ہوتی رہی۔ سلطان محمود نے بہادر ناہر کو بڑی جمعیت کے ساتھ دہلی کہنہ کے قلعہ میں حاکم مقرر کر دیا اور ملو خاں کو اقبال خاں کا خطاب دیکر قلعہ سیری سپرد کیا اور اپنا وزیر اعظم بنا لیا انہیں ایام میں سلطان محمود اور نصرت شاہ کی خانہ جنگیوں کی خبر سن کر امیر تیمور نے محرم ۸۰۱ھ میں دریائے سندھ سے عبور کر کے ہندوستان میں آیا اس نے ہندوستان کو اور شہر دہلی کو خوب لوٹا کھسوٹا جب واپس جانے لگا تو چلتے وقت فیروز آباد میں آیا اس نے وہاں سے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر کے پاس بھیجی

جس کا خیر مقدم ناہر بہادر نے اچھی طرح ادا کیا اور ایک عمدہ جواب لکھا اور جواب کے ساتھ ہی دو سفید رنگ کے طوطے جن کو کاکاتوا کہتے تھے اور وہ شاہان دہلی سے تعلق رکھتے تھے تحفہ کے طور پر میوات سے بھیج کر امیر تیمور کے ساتھ اخلاص و محبت کا اظہار کیا اس کے جواب میں امیر تیمور نے بھی اپنی طرف سے سید شمس الدین ترمذی اور علاء الدین نائب شیخا کھوکری کو بہادر ناہر کے پاس بھیجا۔ آخر یہ دونوں ۲۴ جمادی الاول ۸۰۱ھ بروز جمعہ بہادر ناہر کو معہ اس کے بیٹوں اور قلتاش خاں پوتے کے جس کو عام طور پر کلتاج خاں کہتے تھے اور وہ مغلوں کی زبان پر قلتاس خاں مشہور ہوا تھا معہ دوسرے سرداروں کے جو میوات میں پناہ گزین ہو گئے تھے پیش کش ہائے شائستہ کے ساتھ اپنے ساتھ لیجاکر امیر تیمور کی ملاقات کے لئے فیروز آباد دہلی لائے۔

عند الملاقات طرفین بہت محظوظ ہوئے بہادر ناہر خاں بیک شائستہ القاب و خطاب کے ساتھ سرفراز ہو کر سر بلند ہوا۔ کیونکہ امیر تیمور کو بہادر ناہر کے حالات دریافت کرنے پر یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ شخص فیروز شاہ باربک کے امرائے کبار میں سے ہے قلتاش خاں نبیرہ بہادر ناہر کو بوجہ اس کی شجاعت اور بہادری کے امیر تیمور اپنے ہمراہ قلعہ میرٹھ کی تسخیر کے لئے لے گیا تھا بعد فتح ہونے قلعہ مذکور کے امیر تیمور تو اپنی ولایت کو چلا گیا اور کلتاج خاں کو قلعہ میرٹھ کا انتظام سپرد کر گیا

مذکورہ بالا طوطوں کی نسبت جو بہادر ناہر خاں نے امیر تیمور کے سامنے تحفۃً پیش کئے تھے یہ روایت مشہور ہے کہ یہ طوطے تغلق شاہ بادشاہ کے وقت سے چلے آتے تھے اور ہمیشہ بادشاہوں کی مجلسوں میں شیریں گفتاری کیا کرتے تھے اور فیروز شاہ باربک نے خوش ہو کر یہ طوطے بہادر ناہر خاں کو بطور تحفہ عنایت کئے تھے اور بہادر ناہر نے بھی عمدہ تحفہ سمجھکر امیر تیمور کی خدمت میں پیش کئے تھے اس گرامی تحفہ کو دیکھکر امیر مذکور بہت خوش ہوا اور ان طوطوں کے لئے یہ حکم دیا کہ ہر روز پنجرے میں ڈال کر ان کو ہمارے روبرو لایا کرو تاکہ میں ان کی میٹھی بولیاں سنا کروں گا۔

جب بہادر ناہر پر پیری نے غلبہ کیا تو ان سیاسی کاموں سے کنارہ کش ہو گیا بہت سے مورخوں نے اور خود ناصر الدین محمود نے اس کے چال چلن اور رسم و رواج کا ذکر نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے"

آخر تیس ۳۰ سال سے کچھ اوپر پولٹیکل سٹیج پر نہایت دانشمندانہ پارٹ انجام دیکر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس نے اپنے مقبوضہ علاقہ کو اپنی حین حیات میں ہی اپنے نو بیٹوں تقسیم کر دیا تھا۔ تاکہ بعد میں حکومت کے لئے انکے اندر لڑائی جھگڑا نہ ہونے

پائے۔ اگرچہ بہادر ناہر نے اپنے نزدیک اس تقسیم سے بظاہر دانش مندی کا کام کیا تھا لیکن اس سے یہ نقصان ضرور پیدا ہو گیا کہ خانزادوں کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور جو کام وہ اپنی متفقہ طاقت سے لے سکتے تھے وہ اس علیحدگی کی صورت میں ہرگز نہ لے سکے بہادر ناہر کی تین شادیاں ہوئیں پہلی شادی ٹھاکر چھاموسنگھ چوہان متوطن موضع چھاموداس پرگنہ کشن گڑھ کی لڑکی رانی پہول کنوارے ہوئی تھی جسکے بطن سے بہادر خاں۔ شاہ محمد خاں ملک علاءالدین خاں اور شہاب خاں پیدا ہوئے دوسری رانی دوسہ بسوئے کے بڈگوجروں کی بیٹی تھی جس سے ملک ہرو عرف اڈو خاں سراج خاں اور ملک فتح اللہ خاں عرف فتح خاں پیدا ہوئے تیسری شادی کوٹہ بوندی کے ہاڈا راجپوتوں کی بیٹی سے ہوئی جس سے نور خاں اور نظام خاں پیدا ہوئے۔

بہادر ناہر کاتگ بدی دوج سمت ۱۳۴۴ بکرمی مطابق ۷۸۵ھ بروز شنبہ معہ اہل و عیال بطیب خاطر خود اسلام میں داخل ہوا تھا اس بات سے ٹھاکر چھاموسنگھ چوہان خسر بہادر ناہر خاں بہت ناراض تھا جب بہادر ناہر اپنے وطن میں رہنے لگا تو چھاموسنگھ کو اپنی پرانی عداوت یاد آئی اس کو خوف خدا اور دنیا کی ملامت کا خیال نہ کرتے ہوئے اور اپنی بربادی کو پیش نظر نہ رکھتے ہوئے بدلا لینے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ اس کے خیال میں بہادر ناہر نے اسلام اختیار کر کے گویا راجپوتوں کو داغ لگا دیا تھا اسی وجہ سے وہ اپنے داماد کا جانی دشمن بن گیا تھا اور اس کے قتل کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا آخر اس نے اس کام کے لئے بہادر ناہر کو بہانہ اور دھوکے سے بطور مہمان ملنے کے لئے اپنے یہاں بلایا وہ خوشی خوشی اپنے خسر سے ملنے چلا آیا۔

شعر

دد شے مے بر د آدمی را بز د ر

یکے آب و دا نہ د گر خاک گو ر

رانا مذکور اپنے داماد سے بہت اخلاص و پیار کی باتیں بناتا رہا اور ہر طرح کی خاطر و مدارات سے غافل بنا کر رات کے وقت اس بیشۂ شجاعت کے شیر کو بوقت خواب نہایت سنگدلی سے شمشیر و خنجر سے جام شہادت پلا دیا۔ اس کمبخت نے یہ نہ سمجھا کہ فلک شعبدہ باز جلد ہی اس بدی کا بدلا لیکر رہے گا۔

شعر

بہ نقض عہد دلیری مکن کہ چرخ فلک

نتیجۂ عملت زود در کنار نہند

رانا مذکور کی سنگدلی پر ہزار افسوس ہے جس نے ایسے میدان جنگ کے شیر کو جس نے اپنی عمر میں بہت سے بہادروں کو نیچا دکھایا تھا فریب کے آہنی قفس میں محبوس کر کے قتل کر ڈالا ایک شاعر نے بہادر ناہر کی وفات کا ایک قطعہ لکھا ہے ؎ شعر

تیغ ستم چو بر سر ناہر شدہ رواں ⁂ اقبال تیغ و دیگ ہمہ از جہاں برفت

ہاتف بگفت از سر افسوس ایں سخن ⁂ ناہر بخواب دائمی سوئے جناں برفت

جب بہادر ناہر کے قتل کی خبر تجارہ میں اس کے بیٹے ملک علاءالدین خاں کو معلوم ہوئی تو اس کی رگ حمیت جوش میں آئی اس وجہ سے وہ اپنے باپ کے خون کا بدلا لینے کے واسطے بہت سویرے اپنے رفیقوں اور عزیزوں کو ہمراہ لیکر برق و باد کی مانند جہاں موجود تھا پہونچکر رانا مذکور کو مکان کے اندر مع اس کے اہل وعیال کے قتل کر دیا اور اس کے تمام مکانوں میں آگ لگادی اور بدلا لینے کے بعد اپنے باپ کو کوہ بلونا متصل جہاں مودا اس پرگنہ تجارہ میں دفن کر کے صحیح وسلامت تجارہ واپس آیا اور اس طرح ایک لائق اور بہادر بیٹے نے اپنے باپ کے خون کا بدلا لیکر اپنی خودداری کا پورا ثبوت دیدیا۔

بہادر ناہر کے نو بیٹوں میں ان کا مقبوضہ علاقہ حسب تفصیل ذیل تقسیم کیا گیا تھا

نقشہ تقسیم پرگنہ جات اولاد بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ

نمبر شمار	نام پسر	تعداد پرگنہ جات	نام دارالریاست	نام پرگنہ جات و محالات
۱	شاہ محمد خاں	۲	ریواڑی	جھجر۔ ریواڑی۔
۲	بہادر خاں	۲۳	الور	حویلی الور۔ بہادر پور۔ بالیٹہ۔ ڈونگرپور۔ ڈھیکوہ۔ بہروز اسمٰعیل پور۔ کہلورہ۔ ہرکول۔ بیرامٹھ۔ تھانہ موج پور۔ ہرسانہ۔ حاجی پور۔ حسن پور۔ بڑودہ میو۔ بڑودہ فتح خاں۔ گھاٹ۔ سوانہ۔ مونگانہ۔ منڈاور۔ بھجیڑہ ہرسورہ
۳	ملک علاءالدین خاں	۱۴	تجارہ	حویلی تجارہ۔ رنگن۔ ہرسولی۔ بھسانہ۔ شاہ آباد۔ بہنڈوسی۔ سوراورس۔ کل گاؤں۔ موسے پوادپور

نمبر شمار	نام پسر	تعداد پرگنہ جات	نام دارالریاست	نام پرگنہ جات و محالات
۴	شہاب خاں پیر	۱۰	پہاڑی	بینگن ہیڑی۔ نصر پور۔ پاٹن۔ گوتوالی پہاڑی۔ ساکرس۔ بہادس۔ پنگوان۔ جھراوٹ۔ خانپور فیروزپور۔ کھوہ کلاں۔ گلی نگر عرف گھساولی
۵	ملک بہرود خاں عرف آڑدو خاں	۱۰	اندور	اندور۔ بہوڑہ۔ سیرالہ۔ تاوڑو۔ پاٹودی۔ سرولی۔ کوٹلہ دہولی پہاڑی۔ ماچھرولی۔ علمدیکا۔
۶	سراج خاں	۱	شہنہ	شہنہ
۷	نور خاں	۴	نوح	نوح۔ برزی۔ اوجینہ۔ اُومری۔ اومرہ۔ کرہیڑہ
۸	نظام خاں	۳	مانڈی کھیڑہ	مانڈی کھیڑہ۔ نگینہ۔ ساٹھاواڑی
۵	فتح خاں	۳	کلینجر	کلینجر۔ سونکھہ۔ سونکھری

شاہ محمد خاں پسر اول بہادر خاں جاگیردار

پرگنہ جھجر وریواڑی

شاہ محمد خاں عمر میں اپنے سب بھائیوں سے بڑے تھے باپ کی طرف سے جاگیر میں ان کو دو پرگنہ جھجراور ریواڑی ملے تھے۔ ریواڑی کو اپنی دارالریاست بنایا۔

کہتے ہیں ان کا رعب داب اپنے علاقہ میں ظلم کے درجہ کو پہونچا ہوا تھا۔ چنانچہ قصبہ ریواڑی کے رہنے والے بڑے بوڑھے لوگ آجتک بھی ان کے ظلموں کی داستانیں نہایت حسرت افسوس کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس ظلم کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ آج کل ریواڑی کے اندر خانزادوں کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ سنتے ہیں صرف ایک یا دو گھر باقی رہے ہیں اور وہ بھی بہت معمولی حالت میں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لاولد بھی تھے۔ سچ ہے ؎

جوکہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں ∴ سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں تلوار کا

شاہ محمد خاں کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا ناصر سلطان خاں بن بہادر خاں اس کی جگہ مسند نشین ہوا۔

بہادر خاں پسر دوم بہادر ناہر خاں والی میوات

اگرچہ یہ عمر میں شاہ محمد خاں سے چھوٹا تھا۔ لیکن بہادر ناہر خاں کی تمام اولاد میں سب سے زیادہ باقبال، معزز اور مشہور ہوا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد یہی میوات کی حکومت پر گدی نشین ہوا۔ موروثی جاگیر بھی اپنے دوسرے بھائیوں سے اس کو زیادہ ملی تھی قصبہ بہادر پور جو کوٹ قاسم سے ۴۲ میل شمال میں ہے اس نے خود ہی بسایا تھا۔ اور اسی کو اپنا دار الریاست مقرر کیا۔

میوات میں عام لوگ اس کو بلی بہادر خاں بھی کہتے ہیں اگرچہ ملک علاء الدین خاں تجارا میں اور شہاب خاں پہاڑی میں مسند نشین ہو کر جاگیردار اور معزز کہلاتے تھے لیکن باوجود اس دولت و ثروت کے اپنے بڑے بھائی بہادر خاں کے ہمیشہ فرمانبردار اور تابعدار رہے

سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں جو فیروز شاہ باربک کا پوتا تھا بڑی طوائف الملوکی اور ابتری پھیل گئی تھی جس سے اس کے تمام امیر وزیر برگشتہ ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ میں بلی بہادر خاں نے یہی قصبہ بہادر پور کو بسا کر اس کے اندر ایک قلعہ اور ایک بڑا محل تعمیر کرایا۔ اور اخیر عمر تک اسی قلعہ میں خدا کی عبادت کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا اور اسی قلعہ میں دفن ہوا۔ اس کی تاریخ وفات ایک شاعر نے یوں لکھی ہے۔

سر افسکر گریبان گیر گردید — کہ سال فوت او در خامہ آید

شدہ تا گہ مرا پیمانہ ہاتف — وفاتش از بہادر خاں برآید

اس قطعہ میں مادہ تاریخ لفظ بہادر خاں ہے جس سے آٹھ سو تریسٹھ (۸۶۳ھ) برآمد ہوتے ہیں۔ یہی سن وفات ہے گویا خود نام ہی مادہ تاریخ بن گیا۔

بہادر خاں اپنے باپ سے بھی زیادہ کثیر الاولاد ہوا ہے چنانچہ خانزادوں کی بہادری اور کثیر الاولادی کی بابت یہ قصہ مشہور ہو گیا تھا کہ خانزادہ قوم بڑی بہادر اور دلاور ہے جس میں نونا ہر اور بارہ بہادر پیدا ہوئے ہیں یعنی ناہر خاں کے نو بیٹے اور بہادر خاں کے بارہ بیٹے بڑے بہادر اور دلاور پیدا ہوئے ہیں۔

بھی کثیر الاولادی تھی جس کی بدولت اکیلے بہادر ناہر خاں کی اولاد سے ہزاروں گاؤں آباد ہو گئے جو میوات کے علاوہ صوبہ۔ یو۔ پی۔ بہار اور راجپوتانہ وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں اگر ان لوگوں میں اتفاق ہوتا تو آج میوات کا نقشہ کچھ اور ہی نظر آتا۔ لیکن افسوس انکی خانہ جنگیوں نے ان کو تباہ و برباد کر دیا ہے شعر

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے ۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کہتے ہیں خانزادوں کے چودہ سو چوراسی گاؤں اور قصبے تھے۔ لیکن آج ان کی آبادی شاید سالم چوراسی گاؤں میں بھی موجود نہ ہو۔ البتہ یو۔ پی۔ بہار اور راجپوتانہ میں اب بھی ایک بڑی تعداد خانزادوں کی موجود ہے جو دریائے گنگا اور جمنا کے میدانی دوآبہ میں بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ہیں۔

سنا جاتا ہے راجہ محمود آبادی بھی خانزادہ قوم میں سے ہے جس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے یہ لوگ بابر بادشاہ کے جلاوطن کرنے پر میوات سے وہاں چلے گئے تھے،،

اگرچہ اس جلاوطنی کے بعد سلطان چین تیمور حاکم میوات اور نواب بیرم خاں وزیر اعظم اکبر کی سفارش پر پھر خانزادوں کو میوات میں واپسی کی اجازت مل گئی تھی اور اس اجازت کے بعد کچھ لوگ یہاں واپس بھی آ گئے تھے لیکن پھر بھی ایک بڑی تعداد نے وہیں اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

بہادر خاں کی اولاد میں بڑے بڑے نامور اور مشہور آدمی پیدا ہوئے ہیں مثلاً قدو خاں جلال خاں۔ فیروز خاں۔ اقبال خاں۔ احمد خاں۔ ملک فخر الدین خاں حسن خاں وغیرہ جن کے بہادرانہ کارناموں سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہیں۔

خضر خاں بادشاہ دہلی سے بھی بہادر خاں کی چھیڑ چھاڑ رہی تھی چنانچہ ۸۱۶ھ میں جب خضر خاں ملکی انتظام کی خاطر رہتک کی طرف گیا۔ تو وہاں سے نارنول پہونچا۔ جو اس زمانے میں بہادر خاں کے قبضے میں تھا خضر خاں نے نارنول کو تباہ و برباد کر دیا اور دل کا بخار نکال کر واپس دہلی چلا گیا،،

بہادر خاں کی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی بیوی بجنڈیرہ ضلع بلند شہر کے بڑگوجروں کی بیٹی تھی جس سے سات بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں اکلیم خاں۔ فیروز خاں۔ قصو سلطان خاں۔ کلتاج خاں۔ اقبال خاں عرف ملو خاں۔ ہیم خاں۔ عماد خاں دوسری بیوی چوہانوں کی بیٹی تھی جس سے طرغے سلطان خاں بازنگ خاں۔ لشکر خاں۔ ملک فخر الدین خاں۔ منصور خاں۔ خلیل خاں پیدا ہوئے

بہادر خاں کے مرنے کے بعد اس کا مقبوضہ علاقہ حسب تفصیل ذیل اس کے بارہ بیٹوں میں تقسیم ہوا:-

(۱) اقلیم خاں۔ بہادر پور۔ الور۔ ڈڈیکر۔ ڈونگر۔ بہروز۔ نارنول۔ اسمٰعیل پور۔ کہلورہ۔ بڑودہ میو
بڑودہ فتح خاں۔ مادر۔ بجھیڑہ۔ دہولی دوب۔ بہٹ کول۔ بالٹیہ۔ پاٹن۔ موج پور۔ ہرسانہ
حسن پور۔

(۲) فیروز خاں۔ نوگانواں کلاں۔ فیروز پور جہرکہ۔ اندور۔ سانٹھاواڑی۔ کوٹلہ۔ ساکرس۔
نگینہ۔ کرہڑہ۔ جھمراوٹ۔ پنگوان۔ بسی خانزادہ۔ بسیرو۔

(۳) نصو سلطان خاں۔ اپنے تایا شاہ محمد خاں کی جگہ ریواڑی اور جھجر ملا تھا۔ اور سرہٹہ۔ کوٹ
قاسم۔ دہولیٹ۔ بڑسرہ۔ بوبکا ہیڑہ حصے میں آئے۔

(۴) کلتاج خاں۔ ادھینہ۔ کھوری کلاں۔ گھاگس

(۵) اقبال خاں عرف ملو خاں۔ گھرول۔ نانگل۔ سرولی۔

(۶) ہیم خاں۔ تہانہ کھوڑ۔ کھوہرہ۔ سبارک پور۔ مالپور۔ ملک پور۔ للاونڈی۔ برواڑہ

(۷) عماد خاں۔ سینتی۔ رکھورہ۔ سولکھر۔ بسوہ

(۸) ترغے سلطان یا ترنگ خاں۔ کھرلی متصل دوہا۔ ادلی۔ پاٹن۔ کھوری۔ نانگل

(۹) لشکر خاں۔ ٹاپن۔ ملک پور

(۱۰) ملک فخر الدین خاں۔ جھنجھو۔ گل پور متصل کوٹ۔ کلنجر۔ ملائی۔ ناہر بسادلی

(۱۱) منصور خاں۔ اونٹیلا۔ دہولی۔ سہری۔ لدھواڑی۔ بھونری۔ کٹھولی۔

(۱۲) خلیل خاں۔ آٹا متصل نہنہ۔ خلیل پور۔ میلاداس۔ ایسن پور۔ گھاسیڑہ

بہادر خاں کے بارہ بیٹوں میں سے بعض کا سیاسی حال

(۱) اقلیم خاں۔ یہ بہادر خاں کے سب سے بڑا بیٹا تھا باپ کی وفات کے بعد میوات کی حکومت اسی کو ملی اس لئے اور میں گدی نشین ہوا یہ تمام میوات کے خانزادوں کے سردار مانے جاتے تھے ان کے اخلاق حسنہ سے سب بھائی بندان سے خوش رہے اور رعایا بھی ان کے انصاف سے خوش رہی"

چونکہ اقلیم خاں اور سید خضر خاں دونو شاہان تغلق کے زمانہ میں ہمسر امرا تھے جب قسمت نے خاندان تغلق سے حکومت چھین کر خضر خاں کو سونپ دی۔ تو وہ دہلی کا بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اقلیم خاں بوجہ ہمعصر اور ہم ردیف ہونے کے خضر خاں کا کبھی اطاعت گزار اور فرمانبردار نہیں بنا اور ہمیشہ میوات پر خود مختارانہ حکومت کرتا رہا۔ باوجودیکہ خضر خاں بار بار خانزادوں سے لڑنے کے لئے میوات پر فوج کشی کرتا رہا۔ اور اسے لوٹ کھسوٹ کر ویران بناتا رہا تھا۔ ۸۲۱ھ میں خضر خاں نے نارنول کو جو اس وقت خانزادوں کی جاگیر میں تھا غارت و برباد کیا اور وہاں سے میوات کی طرف جاکر قصبہ تجارہ۔ سرہٹہ اور کھرول وغیرہ کو جو خانزادوں کے مسکن تھے لوٹتا ہوا واپس دہلی کو چلا گیا۔

خانزادوں کے ابتدائی زمانہ میں کل قوم نے اقلیم خاں اور اس کی اولاد کو اپنا راجہ بنا رکھا تھا اور سال بھر میں دو دفعہ ہولی اور دسہرہ پر اس راجہ کو سلام کرنے اور میں حاضر ہوتے تھے ایک دفعہ حسب دستور دسہرہ پر الور گئے تو وہاں کے خانزادوں نے بے پروائی برتی اور کچھ خاطر تواضع نہ کی اس بات سے جانے والے سردار اور والوں سے ناخوش ہو گئے۔ اور وہاں سے واپس آکر جلال خاں میں اندور کو اپنا راجہ بنا لیا۔ اور اس وقت سے یہ راجگی کا حق اندور والوں کے پاس آ گیا۔ اور الور والوں نے اپنے غرور کی بدولت اس سرداری کو کھو دیا۔

اقلیم خاں کے چھ بیٹے ناہر خاں۔ حسن خاں۔ احمد خاں۔ دلاور خاں۔ عظمت خاں اور عالم خاں پیدا ہوئے۔

شجرہ نسب الور والوں کا یہ ہے ۔ شمس خاں۔ بن معین خاں۔ بن کمال خاں بن عالم خاں۔ بن راجو خاں۔ بن رستم خاں بن معلے خاں بن عالم خاں بن احمد خاں بن اقلیم خاں بن بہادر خاں بن ناہر خاں مورث اعلے۔

عالم خاں :۔ اگرچہ عالم خاں سب بھائیوں میں چھوٹا تھا۔ لیکن نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص بڑا خدا پرست۔ صالح۔ رعیت پرور اور درویشوں کا معتقد تھا۔ حاجی علیم الدین صاحب نارنولی کے مریدوں میں تھا۔ جو گنبد محمد برگست اللہ نارنولی کے مزار پر بنا ہوا ہے اسی عالم خاں نے اپنے پیر کے حکم سے بنوایا تھا۔

یہ بھی سید خضر خاں بادشاہ دہلی کا ہم عصر تھا اور بہروڑ سے نارنول تک کا علاقہ اس کے قبضے میں تھا۔ لیکن جلال خاں فدو خاں ملک فخر الدین خاں وغیرہ خانزادگان کی مانند خضر خاں ومبارک شاہ وغیرہ شاہان دہلی کی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ صلح و آشتی

سے زندگی بسر کرتا تھا۔ سیدوں کے بعد جب سکندر شاہ لودھی ۱۴۸۸ء میں بادشاہ بنا تو اس کے زمانہ میں بجاڑہ کے پرگنے کا ایک گورنر بادشاہ کی طرف سے رہتا تھا اس گورنر کے نہایت معتمد اور مشہور و معروف افسروں میں سے ایک افسر یہ عالم خاں بھی تھا اس نے اپنی افسری کے زمانہ میں موضع مسیت علاقہ نادر دیہہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس ایک گنبد تعمیر کرایا تھا۔

عالم خاں کو عام لوگ میوات میں ڈھیلہ عالم خاں کہتے تھے۔ لیکن اس ڈھیلہ لفظ کی وجہ تسمیہ کسی تاریخ یا یادداشت وغیرہ میں نہیں پائی گئی۔ کہتے ہیں اس عالم خاں کے بائیس بیٹے پیدا ہوئے تھے جن میں سے مبارز خاں کو آبائی جاگیر اور گدی ملی

نواب مبارز خاں

جب عالم خاں نے وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا مبارز خاں پیرو زو نارنول کا جاگیردار مقرر ہوا۔ یہ شخص بھی خاندان میوات میں معروف و ممتاز گزرا ہے اور شیخ فضل اللہ بخاری بن شیخ ناصر الدین مخدوم جہانیاں سے بیعت رکھتا تھا۔ باوجود دولت و حشمت کے نہایت تقوے اور طہارت رکھتا تھا اور بغاوت و سرکشی و مخالفتِ شاہان دہلی سے الگ رہ کر محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں کے ساتھ آداب شاہی کا بہت لحاظ رکھتا تھا اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے بڑا لڑکا علیش محمد خاں اور دوسرا قادر خاں تھا۔

قادر خاں عرف قادر شاہ بن مبارز خاں

جب قادر خاں پیدا ہوا۔ تو شیخ فضل اللہ صاحب بخاری کے پاس اس کو لیگئے پیر ممدوح نے نہایت شفقت اور عنایت سے اس لڑکے کو اپنی فرزندی میں قبول فرما کر اس کا نام اپنے بیٹے شیخ عبد القادر کے نام پر قادر شاہ رکھا۔ قادر شاہ کی طبیعت میں درویشوں کی صحبت اور برکت سے ایام طفلی میں ہی کمال تقوے و طہارت پیدا ہوگئی تھی دیانت و شجاعت اور سخاوت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب سورما مشہور ہوگیا تھا چھوٹی عمر میں ہی شہادت کا درجہ بھی حاصل ہوگیا تھا آپ کا مزار قصبہ بھروڑ میں بنا ہوا ہے۔ جس کی زیارت کے لئے دور دور سے اہل حاجت آتے ہیں اور اپنی دلی مراد پاتے ہیں درگاہ میں آپ کے خاندان کے حالات کی ایک کتاب بھی رکھی ہوئی ہے۔

ابتدا سے ہی آپ کو عبادت کا شوق بہت پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس میں کچھ ایسا لطف آنے لگا کہ جس سے شب بیداری فرماتے تھے اور اکثر روزے رکھتے۔ ترک لذاتِ نفسانی کے سوا کوئی دوسرا کام نہ کرتے تھے یہاں تک کہ عین عالم شباب میں نکاح کی خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی چنانچہ ان کے والد مبارز خاں نے اپنے خدمت گاروں اور مصاحبوں کو اس امر کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ

انہیں سمجھا بجھا کر نکاح کے لئے جو سنت نبوی ہے آمادہ اور رضامند کریں،،

اتفاقاً ایک روز قادر شاہ کوہستان کی طرف شکار کھیلنے چلے گئے۔ جبکہ موضع گرھ دہولی واقع علاقہ بہروز میں پہونچے۔ تو گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے کوئیں پر گئے،، وہاں ایک بھینس کو دیکھا جو پانی پی کر بھاگی پھرتی ہے اور بڑے بڑے جوانمرد اور شہ زور آدمی اس کے پکڑنے سے عاجز ہیں۔ لیکن ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی جو کوئیں سے پانی بھر کر گھڑا سر پر رکھے ہوئے جا رہی تھی اس نے دلاوری اور پھرتی سے اس بھینس کا رسا پکڑ لیا۔ جس کی وجہ سے بھینس باوجود زور لگانے کے بھاگ نہ سکی اور وہیں کھڑی رہ گئی۔ قادر شاہ نے اس لڑکی کی اس ہمت و دلاوری کو ملاحظہ فرما کر اپنے مصاحبوں سے فرمایا۔ کہ اگر اس لڑکی کے بطن سے لڑکا پیدا ہو۔ تو وہ البتہ نہایت نامی۔ زور آور۔ بادشاہوں کی صحبت کے لائق اور جہاد کے قابل ہو سکتا ہے ملازموں میں سے ایک نے آپ کا دلی منشا معلوم کر کے اس لڑکی کے باپ کا نام و قوم و سکونت وغیرہ دریافت کر لی۔ جب قادر شاہ شکار سے گھر واپس آئے تو یہ تمام حالات ملازموں نے مبارز خاں کے سامنے بیان کر دیئے وہ اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا۔ اسی وقت ایک ملازم کو اس لڑکی کے والد مسمی تاج خاں کو بلانے کے واسطے گرھ دولی بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے اسکی لڑکی کی شادی کے واسطے کہا گیا۔ تاج خاں مذکور نے یہ عذر کیا۔ کہ حضور امیر الامرا اور میرے سردار ہیں اور میں ایک غریب اور حضور کا معمولی مزارع ہوں چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ میری یہ کہاں طاقت کہ اپنے مالک کے ساتھ قرابت مندی کا بوجھ اٹھا سکوں۔ مبارز خاں نے اس کو تسلی و تشفی دیکر کہا کہ میں کیا کروں میرے لڑکے کی خوشی اور خواہش یہی ہے۔ لیکن تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دونگا۔ الغرض تاج خاں مذکور نسبت قبول کر کے واپس چلا گیا اور اپنے بھائی بندوں سے حقیقت حال بیان کی سب نے اس رشتہ کو پسند اور قبول کر کے تاج خاں کو مبارکباد دی۔ آخر شادی کی تاریخ گیارہ ماہ رجب مقرر کی گئی۔

چونکہ یہ شادی مبارک نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے خانزادوں میں اب ہر مہینے کی گیارہویں تاریخ منحوس سمجھی جاتی ہے اسی لئے اس تاریخ کی شادی نہیں کی جاتیں۔ غرض جب قادر شاہ کی شادی ہو چکی۔ اور اس کے دوسرے دن جب برات والے لوگ رخصتی میں مصروف تھے کہ یکایک ایک طرف سے فریاد فریاد کی آواز آنے لگی۔ بعض لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب برات بیاہ کر واپس حویلی کی ڈیوڑھی پر پہونچی ہی تھی کہ یہ فریاد کی آواز اس وقت آئی تھی،،

آخر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سوداگر سلیح خاں نامی پٹھان متوطن شہر ناگور ہیں سوار

اور پیادہ کے ساتھ آکر دادخواہ ہوا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے خان اعظم اس علاقہ میں آپ کی شجاعت کا آوازہ سن کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ میری مدد فرما کر مشکل کو آسان فرمائیں گے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دیگا مبارز خاں نے اس کو اپنے پاس بلا کر اس کی مصیبت کی داستان سنی اس نے عرض کیا کہ میں ایک سوداگر ہوں۔ اور ہر جگہ سامان تجارت فروخت کرتا پھرتا ہوں۔

شہر سورت اور گجرات کی طرف سے تجارت کا مال خرید کر لاتا ہوں۔ اور پورب پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ میں بیجا کر فروخت کرتا ہوں۔ ایک موکل نامی جاگیردار شیخاواٹی نے نالہ دولہ کے متصل آکر میرے قافلہ پر شب خون مارا اور تقریباً ایک لاکھ کا روپیہ کا مال واسباب اس نے لوٹ لیا حتیٰ کہ میرے اہل عیال کو بھی قید کر کے لے گیا۔ اب بجز خدا کے کوئی میرا مددگار نظر نہیں آتا۔ اس لئے حضور کی پناہ میں آکر دادخواہ ہوا ہوں۔ جب مبارز خاں نے یہ حال سنا تو اس کے حال زار پر بہت رحم آیا۔ عیش محمد خاں اپنے بڑے لڑکے سے فرمایا کہ اے لخت جگر سلیح خاں سوداگر تباہ و برباد ہو کر ہماری پناہ میں آیا ہے اس مظلوم کی دست گیری اور مدد ہم پر لازم ہے۔ عیش محمد خاں نے عرض کیا کہ میں دہلی جا رہا ہوں بادشاہ نے طلب فرمایا ہے اور تاکیدی حکم آیا ہے ایسی حالت میں بھلا یہ کمترین سلیح خاں کی مدد کس طرح کر سکتا ہے۔ البتہ وہاں سے واپسی پر اس کی مدد کر سکتا ہوں۔ اور راؤ موکل کو قرار واقعی سزا دے سکتا ہوں اور اس کا مال واسباب واپس دلا سکتا ہوں مبارز خاں نے کہا۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مار گزیدہ مردہ بود۔ اس طویل عرصے میں تو یہ بیچارہ بے موت ہی مر جائے گا۔ قادر شاہ اس بات کو سن کر رہ نہ سکا۔ دست بستہ عرض کیا کہ غریب اور مظلوم آدمی فریادی بن کر آیا ہے۔ اب اگر ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ کر مدد کرنے سے انکار کر دیں تو یہ بات مروت اور اخلاق اور شیوہ مردانگی سے کوسوں دور ہے اس لئے اگر حکم عالی پاؤں تو سلیح خاں کے ساتھ جا کر راؤ موکل کو تنبیہ و تدارک کر دوں باپ نے یہ بات سن کر تامل کیا۔ مگر قادر شاہ نے اصرار کیا۔ ناچار اس کو جانے کی اجازت دی گئی اور ان کے غلام میاں نصر اللہ کو بھی ان کی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا۔ قادر شاہ نے ایک بڑی سپاہ لیکر شیخاواٹی کی طرف کوچ کیا۔ اور مبارز خاں گڑھ دہلی سے دلہن کو رخصت کرا کر بہروز پور واپس آگیا۔ جب راؤ موکل نے قادر شاہ کے آنے کی یہ خبر سنی کہ وہ سلیح خاں کی مدد کو آرہا ہے تو وہ غرور میں مخمور ہو کر کچھ خیال میں نہ لایا۔ اور لڑائی کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آخر دونوں لشکروں کے درمیان بمقام شاہ پور متصل سوہر بوہ علاقہ شیخاواٹی ایک زبردست لڑائی ہوائی۔ جس میں ہزاروں راجپوت اور مسلمان کشتہ اور شہید ہوئے راؤ موکل بھاگ گیا۔ جس سے قادر شاہ

کے طرفداروں میں فتح کی خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ لیکن قادر شاہ کی گردن پر بھی کاری زخم لگا تھا جس سے وہ بھی شہید ہو گئے۔ کہتے ہیں سر کٹ گئے ہوئے بھی تلوار چلاتے رہے۔ لیکن کچھ دیر بعد جسم سے بہت سا خون نکل جانے کی وجہ سے بدن سرد پڑ گیا اور زمین پر گر پڑے ان کے ساتھی ان کی نعش کو بہروز میں لے آئے ان کے والدین نعش کو گود میں لیکر زار زار رونے لگے لوگوں نے انہیں بہت سمجھایا کہ قادر شاہ نے راہ خدا میں ایسا کام کیا ہے جیسا کہ میراں سید حسین خنگ سوار نے کیا تھا۔ غرض شہید کی لاش کو دفن کر دیا گیا اور مزار پر ایک عالیشان گنبد محمد معروف لاہوری معمار سے تعمیر کرایا گیا۔ آپ کے مزار کا کتبہ یہ ہے:

"بماہ شہر رجب ۸۴۶ھ در عہد سلطان السلاطین محمد شاہ بن فرید خان بن خضر خان مقبرہ سلطان الزمان الخان الکریم العادل قادر شاہ بن مبارز خان بن عالم خان بن الیم خان بن بہادر خان بن ناہر خان تعمیر گردید"

شیخ فضل اللہ بخاری اور محمد حامد قاضی کو مزار کی تعمیر کی خدمت سپرد کی گئی۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے سر کو بہروز میں لے آئے اور دھڑ کو وہیں دفن کر آئے اسی وجہ سے ان کی قبریں دو جگہ بتلائی جاتی ہیں۔

ان کی دلہن بھی جس کو اپنے خاوند کا منہ بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد اپنے خاوند کے رنج و غم میں گھل گھل کر مر گئی۔ ان کی قبر بھی وہیں قادر شاہ کی درگاہ کی موری کے نیچے بنا دی گئی ہے"

چونکہ یہ لڑائی بے کس اور بے بس عورتوں اور بچوں کو بچانے اور ظالم کو سزا دینے کے لئے ہندوؤں کے ساتھ ہوئی تھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ قادر شاہ نے شہادت کا درجہ حاصل کیا ہے اب ہر سال ان کے مزار پر عرس کی رسومات ادا کرنے اور فاتحہ خوانی کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک بڑا میلہ بھرتا ہے جس میں دور دور سے خلقت آکر شامل ہوتی ہے اور مزار پر نذر و نیاز چڑھاتی ہے۔

کہتے ہیں جس زمانہ میں قادر شاہ کا مزار بنایا گیا تھا اور عرس شروع ہوا تھا اس وقت درگاہ میں تین سو ساٹھ نقارے رکھے گئے تھے جو عرس کے موقعہ پر بجائے جاتے تھے اور یہاں بہت سا چڑھاوا بھی آتا تھا مگر آج کل چڑھاوا تو برائے نام ہے جسے بہروز والے خانزادے باہم تقسیم کر لیتے ہیں اور کچھ حصہ درگاہ کے محافظ کو بھی دے دیتے ہیں۔ لیکن نقارے اب صرف دس پانچ ہی باقی رہ گئے ہیں۔

نادر شاہ کے شہید ہونے کی خبر ایک خاص شتر سوار کے ذریعہ عیش محمد خاں کے پاس دہلی روانہ کی گئی تھی۔ عیش محمد خاں اپنے بھائی کے اس حادثہ جانکاہ کو سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور بہت سی شاہی فوج کی مدد لیکر دہلی سے میوات میں واپس آیا۔ اور فوراً راؤ موکل سے لڑنے کے لئے پہنچا وارد ہو گیا۔ راؤ موکل حملے کی تاب نہ لایا۔ اور اپنے امراء اور بھائی بندوں سے مشورہ کرنے لگا انہوں نے کہا اس وقت بہتری کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو بھاگ کر مارواڑ چلے جائیں یا مبارز خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کریں۔

آخر باتفاق رائے یہی صلاح ٹھیری۔ کہ سلیح خاں کا کل مال واسباب مبارز خاں کی خدمت میں بھیجکر پیش کر دیں۔ غرض کل سامان لیکر راؤ موکل حاضر ہوا۔ اور اپنی گستاخی کی معافی مانگی آخر قصور معاف کیا گیا اور راؤ موکل نے سلیح خاں کا کل سامان تار تار حوالہ کر دیا سلیح خاں اپنا سامان وصول کر کے مبارز خاں کی خدمت میں آداب بجالایا اور اپنے گھر کو واپس گیا ؏

رستم رہا زمین پہ نہ سام رہ گیا مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

عیش محمد خاں بن مبارز خاں اور اس کی اولاد

جب مبارز خاں نے اس دنیا سے کوچ کیا۔ تو اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا عیش محمد خاں عرف ویش خاں اپنی جاگیر پر گدی نشین ہوا اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عالی خاں جانشین ہوا عالی خاں کے مرنے کے بعد چونکہ یہ لاولد فوت ہوا تھا۔ اس لئے اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی ہمایوں ہمایوں خاں گدی نشین ہوا۔ ہمایوں خاں کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تاج خاں حاکم جاگیر ہوا۔ اسی زمانہ میں حسن خاں بن علاول خاں والی میوات بڑا اولوالعزم اور صاحب ہمت و شوکت ہوا ہے جس کا مفصل حال آگے آئے گا۔ غرض تاج خاں پسر ہمایوں خاں سے جو اپنی آبائی ریاست کی گدی پر بیٹھا تھا مسماۃ نور ملک بنت احمد خاں خانزادہ زوجہ عالی خاں برادر ہمایوں خاں نے نا اتفاقی اور بغاوت کر کے اور ریاست کی دعویدار بن کر یوں ظاہر کیا کہ ریاست بھروز کی مالک میں ہوں۔ میں اپنے دشمن تاج خاں کو ہرگز ریاست نہ لینے دونگی۔ تاج خاں سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے اپنی چچی کی یہ حق تلفی کی باتیں سن کر دو چار معتبر آدمیوں کو اپنے ساتھ لیجا کر نور ملکہ کے پاس گیا اور فساد کو ٹالنے کے لئے اس طرح عذر کیا کہ اے والدہ بزرگوار تم کو میں بجائے عالی خاں اور ہمایوں خاں کے سمجھتا

ہوں۔ اسی واسطے ریاست کا کام آپ کی نیابت میں آپ کا ماتحت بن کر کر رہا ہوں بس آپ کسی طرح کا خیال میری غداری اور بیوفائی کا اپنے دل میں ہرگز نہ لائیں۔ مگر نور ملکہ نے کوئی عذر نہ سنا تب تاج خاں نے لاچار ہو کر عرض کیا کہ اے والدۂ مکرمہ یہ ریاست امیر مبارز خاں کی ہے جس پر میرا بھی حق آپ ہی کے برابر ہے اس لئے بغیر لڑے بھڑے میں اسے ہرگز نہ دونگا نور ملکہ نے یہ تمام حال حسن خاں بن علاول خاں حاکم میوات اپنے پوتے کو لکھ بھیجا۔ حسن خاں نے پانچہزار سوار اور پیادے نور ملکہ کی مدد کے واسطے اور سے بھیج دیئے طرفین میں دس بارہ روز تک لڑائی ہوتی رہی جسمیں کہ دونو طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے آخر تاج خاں جنگ کی تاب نہ لا کر راتوں رات معہ اہل وعیال نارنول کی طرف چلا گیا اور نور ملکہ ریاست کا کام کرنے لگی

چونکہ یہ ملکہ لاولد تھی اس لئے اس نے چوہان راجپوت کے ایک لڑکے کو گود لیکر پرورش کیا۔ اور اس کا نام ملک محمد رکھا۔ مگر ایک سال بعد نور ملکہ مرگئی اس کا مقبرہ حضرت نادرشاہ کے مزار کے پاس ہی تعمیر کیا گیا ہے جو آج تک زنانہ گنبد کے نام سے مشہور ہے۔

تاج خاں جب نارنول پہونچا تو راجہ قائم علی خاں رئیس فتیور جھنجھنو نے یہ خبر سن کر اس کو اپنے بلا لیا اور بڑی عزت سے پیش آیا اور ایک مکان علیحدہ اس کے رہنے کے لئے تجویز کر دیا اور خرچ اخراجات کے لئے ایک ٹھیکہ دار مہاجن مقرر کر دیا۔ تاج خاں راجہ مذکور کا یہ حسن سلوک دیکھکر بہت خوش ہوا لیکن چندماہ بعد ہی تپ دق میں مبتلا ہو گیا ہر چند علاج کیا۔ مگر آرام نہ ہوا اور بیماری جان لیکر ٹلی۔ راجہ مذکور کے باغ میں اس کو دفن کیا گیا۔ لیکن چہلم کے روز مرحوم کی بیوی کے لڑکا پیدا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد خاں رکھا گیا جب تاج خاں کے مرنے کی خبر ملک محمد بیٹے نور ملکہ کو معلوم ہوئی تو اس نے بھی حسن خاں بن علاول خاں والی میوات کو جو اس وقت قلعہ الور کی تیاری میں مصروف تھا۔ جاکر اطلاع دی اور حسن خاں کو اپنے ہمراہ بہروز میں لایا جس نے بہروز میں ایک قلعہ نجیت پہاڑ کی ایسی جگہ بنوا کر حفاظت کر دی کہ جہاں پر آمد و رفت کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اس قلعہ میں ملک محمد کو مضبوط کر کے خود الور چلا گیا۔

محمد خاں پسر تاج خاں جو کہ فتح پور میں پیدا ہوا تھا جب جوان ہوا تو راجہ قائم علی خاں کی برادری میں بیاہا گیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام علیم خاں رکھا گیا ایک عرصے تک محمد خاں وہیں رہا۔ جب بابر کی لڑائی میں حسن خاں مذکور کے مارے جانے کی اور قوم خانزادہ کے میوات سے جلاوطن ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو محمد خاں نے اپنی آبائی ریاست کو

لینے کی خواہش کی۔ اور راجہ قائم علی خاں سے اجازت طلب کی راجہ مذکور نے لڑائی کا سامان اور ایک ہزار سوار و دیگر بہروز روانہ کر دیا۔ جب ملک محمد کو جو بائیس سال سے بہروز پر قابض تھا خبر لگی تو لڑنے کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ چند روز لڑائی ہوتی رہی خانزادگان اور بہادر پور و بجارہ نے بھی مل کر محمد خاں کی مدد کی۔ جس سے ملک محمد گھبرا کر بھاگ گیا اور محمد خاں نے فتح پائی۔ ناچار ملک محمد نے حاضر ہو کر محمد خاں سے معافی مانگی آخر لوگوں کی صلاح و مشورہ سے سو بیگھہ اراضی ملک محمد کو دیدی گئی۔

اس کے بعد محمد خاں نواب بیرم خاں خان خاناں کی سفارش سے نارنول کا فوجدار مقرر ہو گیا اور بائیس سال تک اس عہدہ پر مقرر رہا اس نے بہروز کی رعیت کو بہت آرام سے رکھا اخیر عمر میں ایک سخت عارضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اس کے بعد سلیم خاں پسر محمد خاں جو بنت حسن خاں بن علاول خاں سے تھا قصبہ بہروز میں مسند نشین ہوا۔ اس بات پر علیم خاں اور سلیم خاں دونوں بھائیوں میں ترکہ پدری کے لیے جھگڑا پیدا ہوا۔ لیکن پھر خانزادگان بہادر پور و اور و بجارہ اور شرفائے بہروز نے علیم خاں کو سو بیگھہ زمین اور سوئم حصہ آمدنی درگاہ قادر شاہ کا دلوا کر باہم فیصلہ کرا دیا

شجرہ نسب بہروز والوں کا یہ ہے۔

(۱) **اولاد سلیم خاں** عیش محمد خاں عرف دلشیر خاں۔ ہمایوں خاں۔ تاج خاں۔ محمد خاں۔ سلیم خاں۔ ناہر خاں۔ بلی بہادر خاں۔ اقلیم خاں۔ ڈھیلیہ عالم خاں۔ امیر مبارز خاں۔ ناہر خاں۔ عالم خاں۔ عظمت خاں۔ مبارز خاں۔ امانت خاں۔ شجاعت خاں۔ سعادت خاں۔ مہابت خاں۔ ہدایت خاں۔ بہادر خاں۔ اچھو خاں۔ مست خاں۔

(۲) **اولاد علیم خاں** کمال خاں۔ دلمیر خاں۔ دلاور خاں۔ نور خاں۔ مجاہد خاں۔ میواتی خاں۔ شکر اللہ خاں۔ باقر خاں۔ جمال خاں۔ لطیف خاں۔ عنایت خاں۔ مجید خاں۔ اختیار خاں۔ لعل خاں۔ شجاعت علی خاں۔ جیون خاں عرف سوداگر۔ زوراور خاں۔ عمر خاں۔ دریا خاں۔ نصیر خاں۔ پیر خاں۔ منصور خاں۔ شیر خاں۔ صورت خاں۔ زندہ شہاب خاں۔ روشن خاں۔

فیروز خاں بن بہادر خاں والی میوات

اقلیم خاں کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی نواب فیروز خاں اس کی جگہ مسند نشین ہوا۔ اس نے قصبہ فیروز پور کی آبادی کی بنیاد ڈال کر اپنے نام پہ اس کا نام فیروز پور رکھا اور چونکہ اس قصبہ کے پاس ہی پہاڑ میں سے پانی جھرتا ہے اس سبب سے اسے فیروز پور جھرکا کہتے ہیں۔ فیروز خاں کا نصیبہ ایسا یاور و مددگار ہوا کہ وہ اپنے سب اہل عصر سے زیادہ نامور اور مشہور ہو گیا۔

جب سید خضر خاں بادشاہ دہلی نے ۸۲۳ھ میں نواب فیروز خاں والیٔ میوات کی سرکشی و بغاوت کی خبر سنی تو وہ بہت سا لشکر لیکر میوات پر چڑھ آیا۔ اور اس کو غارت و برباد کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر میوات کے خانزادے اپنی ولایت خالی کر کے قلعہ کوٹلہ میں قلعہ بند ہو بیٹھے۔ اور مدافعت کا پورا انتظام کر لیا بادشاہ نے بھی محاصرہ ڈال دیا ایک عرصے تک لڑائی ہوتی رہی۔ قلعہ والوں کو رسد کی تکلیف ہونے لگی۔ آخر وہ لڑتے بھڑتے قلعہ سے نکل کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ خضر خاں واپس دہلی آ گیا۔ لیکن ادھر بادشاہ نے پیٹھ موڑی اور ادھر خانزادے پھر میوات میں آموجود ہوئے۔ اور حسب سابق اپنا عمل دخل جما لیا۔

نواب صاحب کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ قدو خاں یا قدوخاں۔ جلال خاں ملک فخر الدین خاں۔ محمد خاں۔ عالی خاں۔ نخ خاں۔

فیروز خاں کی وفات کے بعد ان کی جگہ پران کا بیٹا راجہ جلال خاں حاکم میوات ہوا۔

قدون خاں یا خدو خاں

قدو خاں قصبہ جھمراوٹ پرگنہ فیروز پور جھرکہ میں اپنی جاگیر میں رہتے تھے نہایت نڈر۔ بے پرواہ اور مغرور تھے۔ طبیعت میں ضد اس قدر تھی کہ خدا کی پناہ۔ اسی ضد نے ان کی جان کھوئی۔

کہتے ہیں قدو خاں نے اپنے مکان کے دروازہ پہ اپنا جوتا رکھ چھوڑا تھا۔ اور ملازم کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جو شخص ہمارے سلام کے لئے حاضر ہو اس سے کہدو کہ اس جوتے کو سلام کر جائے ان کی اس قسم کی باتوں سے لوگ سخت ناراض اور متنفر تھے مگر ان سے ڈرتے ہی تھے چونکہ مبارک شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں طوائف الملوکی کثرت سے پیدا ہو گئی تھی ہر ایک جاگیردار اور سردار اپنی اپنی جگہ پہ خود مختار بنا بیٹھا تھا۔ ایسی حالت میں خانزادے بھی میو

کے اندر ۸۲۹ھ مطابق ۱۴۲۵ء میں بادشاہ مذکور سے باغی بن بیٹھے۔ اور جلال خاں قدو خاں ملک فخرالدین خاں پسران فیروز خاں میوات کا محصول دبا بیٹھے۔ انہوں نے کوہستان اندور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ جب شاہی لشکر ان کو سزا دینے کے لئے میوات میں آیا۔ تو خانزادے لوگ قلعہ اندور میں بیٹھکر مقابلہ پر جم گئے اور شاہی فوج سے جنگ شروع کر دی۔ ایک عرصے تک لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن جب مقابلہ سخت دیکھا۔ تو قلعہ اندور سے نکل کر کوہستان الور میں چلے گئے۔ شاہی لشکر وہاں بھی پہونچا۔ اور مورچہ بندی کر کے جنگ کا انتظام کیا۔ پھر تو ادھر ادھر سے توپیں چلنی شروع ہوئیں اور آتش نبرد فریقین میں مشتعل ہوئی اسی طرح ایک عرصے تک بازار جدال و قتال گرم رہا۔ لیکن قدو خاں وغیرہ کی رسد اور سامان جنگ ختم ہو جانے سے انہوں نے امان طلب کی بعد عہد و پیمان بادشاہ دہلی چلا گیا انہیں ایام میں ابراہیم شاہ شرقی سے مبارک شاہ بادشاہ کی لڑائی چھڑ گئی۔ قدو خاں نے محمد خاں اوحدی حاکم بیانہ کو مبارک شاہ کے برخلاف جنگ پر آمادہ کرایا۔ اور خود بھی ابراہیم شاہ شرقی کا مددگار بن گیا ان دونوں لڑائیوں کے ایک ہی ساتھ ہو جانے سے مبارک شاہ کے لئے بڑی مصیبت پیدا ہو گئی۔ جب خدا خدا کر کے بادشاہ کا ان خرخشوں سے پیچھا چھوٹا۔ تو وہ قدو خاں کا سخت دشمن بن گیا۔ لیکن شاہ شرقی کی دوستی سے وہ اسے ایک دم قابو میں بھی نہ لا سکتا تھا۔ آخر تالیف قلوب کے بہانہ سے قدو خاں کو بلوانا چاہا۔ مگر قدو خاں کے دشمن بادشاہ کو بھڑکا کر اسے سزا دلوانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے قاصد کو ایسی پٹی پڑھا دی۔ جس کے ذریعہ انہوں نے بادشاہ کی خفگی اور عتاب ظاہر کیا اور یہ کہا کہ وہاں جانے پر بادشاہ آپ کو ذلیل بنائے گا اس لئے نہ جاؤ بہتر ہے یہ سن کر قدو خاں سخت ناراض ہوئے اور بادشاہ کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ قاصدوں نے یہاں آکر قدو خاں کی بغاوت اور سرکشی کے بہت سے فرضی قصے بادشاہ کے گوش گزار کر دئے۔ غرض دشمنوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے بادشاہ کو قدو خاں کی طرف سے سخت برہم بنا دیا۔ اور جو شک و شبہ بادشاہ کو قدو خاں کی طرف سے پہلے موجود تھا وہ اب یقین کے درجہ کو پہونچ گیا۔

اگرچہ بادشاہ ایسے جوانمرد اور بہادر آدمی کو شاید قتل کرنے پر تیار نہ ہوتا اور قدو خاں کے معافی مانگنے پر وہ ضرور معاف بھی کر دیتا۔ لیکن عدول حکمی کے سبب سے اس نے قدو خاں کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور ساتھ ہی گرفتار کنندگان کو انعام کا لالچ بھی دیا غرض قدو خاں کو گرفتار کر کے دربار میں لے جانا چاہا تو اس کے بعض بہی خواہوں نے اس کو

ایک کھڑکی کی راہ سے بادشاہ کے روبرو پیش کرنا چاہا۔ اور ہدایت کی کہ آداب شاہی کا پورا لحاظ رکھے۔ لیکن قدد خاں کے دماغ میں غرور و نخوت بھرا ہوا تھا اس نے بے ساختگی سے کہا کہ بادشاہ کے ہاتھ میں اس وقت میری جان ہے مگر میں اپنی عزت اور خودداری کو ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ آج تک میرا یہ سر کسی کے آگے نہیں جھکا ہے اور نہ جیتے جی کبھی جھکیگا۔ جب عمال شاہی اس کو کھڑکی سے لے چلے تو قدد خاں نے پہلے کھڑکی میں قدم رکھے اور سر پیچھے کی طرف جھکا کر تنا رہا اسی طرح اندر داخل ہو گیا اور بادشاہ کو سلام نہیں کیا۔ بادشاہ نے اس گستاخی پر برہم ہو کر اس کو ۱۴۲۷ء میں قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ بعض مقامی روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بادشاہ نے اس کو دیوار میں زندہ چنوا دینے کا حکم دیا تھا۔ لیکن قدد خاں اس حکم کو سنکر مطلق نہ گھبرایا اگرچہ دوستوں نے ہر چند سمجھایا کہ اب بھی معافی مانگ لی جائے۔ لیکن زمین جنبد۔ نہ جنبد گل محمد کے مطابق اس نے معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور اپنی ضد پر برابر قائم رہا۔

کہتے ہیں۔ دیوار میں چننے کے وقت بھی آپ نہایت مستقل مزاجی سے کھڑے رہے جب چنائی سے صرف سر ہی باہر رہ گیا۔ اور تمام جسم دیوار کے اندر چنا جا چکا۔ تو راج مزدوروں نے از راہ ہمدردی بڑی منت و سماجت سے عرض کیا۔ کہ خاں صاحب اب بھی اس ضد کو چھوڑ دیں اور معافی مانگ کر اپنی جان بچا اور اپنے بال بچوں پر رحم فرمائیں لیکن اس ضدی شخص نے ان کی بھی ایک نہ مانی۔ بلکہ ناراض ہو کر کہا کہ تم اس معاملہ میں ہرگز دخل نہ دو۔ اور اپنا کام کئے جاؤ۔ آخر وہ۔ وفادار۔ بہادر اور ضدی شخص اسیطرح دیوار کے اندر زندہ چنوا دیا گیا اور اپنی مستقل مزاجی کی بدولت ان تک نہ کی۔

قدد خاں کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ اول نور خاں جس نے پنگواں آباد کر کے وہاں اپنی سکونت اختیار کی پنگواں کے خانزادے اسی نور خاں کی اولاد ہیں دوئم نصیر خاں جس نے لسی خانزادہ آباد کر کے وہاں اپنی سکونت اختیار کی ان کی اولاد لسی خانزادہ میں آباد ہے۔ سوئم حامد خاں۔ جس کی اولاد جھمراوٹ میں آباد ہے

نور خاں نے ۱۴۵۴ھ ہجری میں پنگواں کو آباد کیا تھا۔ پہلے پنگواں کی جگہ پر ایک موضع چھیتم کی آبادی تھا جو راجہ آسکرن کے ماتحت تھا ایک تیتر کے شکار پر نور خاں اور آسکرن کا باہم جھگڑا ہو گیا۔ اور جنگ و جدل کی نوبت پہونچ گئی۔ نور خاں نے اس کو شکست دیکر اس کا کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور اس کے مکانات اور محل وغیرہ کو منہدم کر کے اور

شجرہ ننگواں میں کہیں تاتار خاں اور فیض اللہ خان کا ذکر نہیں ہے
عبدل خان کے دو بیٹوں لاڈو خاں اور نعمت اللہ خاں ہیں لاڈو خاں سے حاجی کامدار ولیسین خاں
جبکہ نعمت اللہ خاں سے انعام دار و نمبردار الٰہی بخش خان ہیں ... 15.8 سرفراز خانزادہ
ہمارا ساتھی

اس کا کل سامان جمع کر کے اس سے پنگواں آباد کیا۔

آبادی کے لئے جگہ تلاش کر کے بنیاد رکھتے وقت نور خاں مذکور کے ایک ملازم نے پان کا بیڑا ان کو کھانے کے لئے دیا تھا۔ اتفاقاً وہ پان ہاتھ سے زمین پر گر پڑا جس جگہ یہ پان گرا تھا وہیں نور خاں نے اپنی برچھی گاڑ دی اور آبادی کی بنیاد رکھ دی۔ اور بطور نیک شگون کے اس آبادی کا نام پان گنواں رکھا گیا پھر کثرت استعمال سے پنگواں مشہور ہو گیا اس کے بیان کے لئے دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۵۲۔

قدو خاں کی اولاد کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے

ناہر خاں ۔ بہادر خاں ۔ فیروز خاں ۔ قدو خاں یا خدو خاں

- نور خاں بانی پنگواں
  - اس کی پانچویں پشت میں
  - ؟؟ تاتار خاں پیدا ہوا
    - عبدل خاں
      - اسکی اولاد سے حاجی کامدار خاں وغیرہ ہیں
    - فیض اللہ خاں
      - اسکی اولاد سے چودھری الٰہی بخش وغیرہ ہیں
    - ؟؟؟
- نصیر خاں بانی بی بی خانزادہ
  - اجمیری خاں
  - کالے خاں
  - ابراہیم خاں
  - شہادت خاں
  - امانت خاں
  - محمد خاں
  - رسول خاں
  - ثابت خاں
  - حسید خاں
    - حسن خاں
      - اس کی اولاد سے صوبہ دار عبدالرحمن خاں وغیرہ ہیں
    - کمال خاں
      - اسکی اولاد سے شمس الدین خاں نمبردار وغیرہ ہیں
    - لاڈ خاں
      - اسکی اولاد سے کالو خاں وغیرہ ہیں
- حامد خاں
  - اس نے بھرادٹ آباد کیا۔
  - شجرہ نسب معلوم نہ ہو سکا

راجہ جلال خاں بن فیروز خاں والیٔ میوات

نواب فیروز خاں کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خاں میوات کی حکومت پر گدی نشین ہوا جلال خاں اپنے بچپن کے زمانہ میں موضع ڈھاڈولی میں رہا کرتا تھا۔ لیکن جب قوم نے ان کو اپنا راجہ بنالیا۔ تو اس خطاب کو حاصل کرنے کے بعد قصبہ اندور میں آبسے۔

خانزادوں کے عہد حکومت میں اندور ایک جداگانہ پرگنہ کہلاتا تھا۔ جس کی جگہ اب پرگنہ نوح کرہ بن گیا ہے جیسا کہ کتاب آئین اکبری میں تحریر ہے۔

اگرچہ آجکل قصبہ اندور ایک کھنڈرات کا ڈھیر نظر آتا ہے۔ لیکن ایک زمانہ ایسا بھی تھا جبکہ یہ اندور میوات کی چند مشہور جگہوں میں شمار ہوتا تھا۔

واضح ہو کہ بہادر ناہر خاں کی وفات کے بعد اندور ہی میوات کا سب سے بڑا قلعہ بن گیا تھا۔ جسے راجہ جلال خاں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنوایا تھا اور قصبہ اندور کو ایک قصبہ کی شکل میں اسی راجہ نے تبدیل کر دیا تھا اور اپنی راجدھانی بنایا تھا۔

مدت تک اس کی اولاد وہاں پر حکومت کرتی رہی چنانچہ آجتک اس کی اولاد وہاں پر قابض اور بسوہ دار ہے۔

حشمت داد خاں ولد نجف خاں خانزادہ کا جرم بغاوت و چونکہ بماہ جون سنہ ۱۸۵۷ء بمقام کلکتہ بجرم بغاوت اور مقام سہنانہ کے دہابیوں کی تائید اور مدد دینے کے شبہ میں گرفتار ہو گیا تھا اسی راجہ جلال خاں کی اولاد میں سے ہوا ہے۔

قصبہ اندور سے تین بڑی بڑی سڑکیں پہاڑوں کے اوپر سے گزرتی ہوئیں بنائی گئی تھیں ایک سڑک گھرول کو جاتی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسری کوٹلے کے قلعہ کو آتی تھی۔ تیسری پہاڑ کے عین اوپر سے گزرتی ہوئی اس مقام تک جاتی تھی جسے عوام نوگاؤں کا ٹھیک کہتے ہیں یہی وہ سڑک ہے جس کے ذریعہ یہ لوگ شاہان دہلی کا دباؤ پڑنے پر پہاڑوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے اور جا پہونچتے تھے اور پھر بادشاہ کو تعاقب کرنا بڑا مشکل ہو جاتا تھا۔

جو تاریخی روایتیں جلال خاں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان سے یہ حال بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ جلال خاں اور ان کے آبا و اجداد کا خاندانی دعوے شاہان دہلی کی مخالفت تھا۔ کیونکہ وہ میوات

یہ صفحہ خالی ہے

پر ہمیشہ خود مختارانہ حکومت کرنی چاہتے تھے"

جلال خاں کو راجہ بنائے جانے کی روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ شروع میں خانزادوں کا یہ دستور تھا کہ سب سرداران قوم مکرانچی باہمی رضامندی اور اتفاق سے الور کے خانزادوں میں سے کسی ایک کو اپنا راجہ بنا لیتے تھے کیونکہ الور ہی خانزادوں کا دارالریاست تھا۔

اس لئے سال بھر میں دو دفعہ ہولی اور دسہرہ پر الور جاکر اپنے اس راجہ کو سلام کرنے اور نذریں گزراننے کو حاضر ہوا کرتے تھے ایک دفعہ جب یہ لوگ حسب دستور دسہرہ پر الور گئے تو وہاں کے خانزادوں نے ان سرداران قوم کے ساتھ بے پروائی برتی۔ اور کچھ خاطر و مدارات نہیں کی جس کی وجہ سے یہ سردار لوگ الورو الوں سے ناخوش ہوگئے۔ اور ایک علیحدہ جگہ میں بیٹھکر بعد مشورہ بہت جلد جلال خاں کو جو اپنے سب بھائیوں میں ہوشیار اور عقلمند تھا راجہ بنالیا اور شگون کے طور پر کڑھی کا ذرا سا ٹیکہ جو کھانا کھانے وقت وہاں موجود تھی جلال خاں کے ماتھے پر بطور تلک جو ایک ہندوانی رسم ہے لگا دیا۔ اور چتر شاہی کے بجائے ایک بانس کی ٹوکری کا جو اس وقت وہاں موجود تھی چتر لگا دیا۔ تاکہ راجگی کے نشانات خالی نہ جائیں اس تنگ موقعہ پر ان شگونوں کا منشا صرف یہ تھا کہ ہم نے آج سے جلال خاں کو الورو الوں کے بجائے راجہ بنالیا ہے۔

اگرچہ میوات کی حکومت کا حق بڑے بھائی کا تھا مگر قوم کی رضامندی سے باپ کی وفات کے بعد سب نے انہیں کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا اور اندور کا راجہ کہنے لگے اور پھر حسب دستور سرداران قوم الور کی بجائے دسہرہ اور دیوالی کے موقعوں پر سلام کرنے اور نذریں گزراننے کے لئے اندور میں جانے لگے اسی وقت سے خانزادوں میں یہ کہاوت مشہور ہو گئی کہ حق کی ڈھاڈولی اور ناحق کی اندور۔ یعنی ڈھاڈولی پر تو ان کا حق تھا لیکن اندور پر ان کا پہلے حق نہ تھا وہ سرداران قوم نے دیدیا۔ اور اس طرح قومی گدی الوروالوں سے چھین کر جلال خاں کو دیدی گئی۔

سیاسی حالات

خانزادوں کی جو لڑائیاں بادشاہوں سے ہوتی رہی ہیں انکی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں صوبوں کے حاکم اور جاگیردار ہر طرح سے اپنے اپنے علاقوں میں خودمختارانہ حکومت کرتے تھے چنانچہ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بھی اس مختاری کا حال اسطرح لکھتے ہیں کہ:۔

صوبوں کی حکومتوں میں امراء لوگ اور جاگیردار لوگ اپنے اپنے علاقوں میں بالکل خودمختار بادشاہ ہوتے تھے اور دہلی کا بادشاہ ان کا شاہنشاہ کہلاتا تھا جو صوبوں اور جاگیرداں کے تبدّل

انتظام میں مطلق دخل نہ دیتا تھا۔

تاریخ ہند جلد پنجم صفحہ ۳ و جلد دوم صفحہ ۳۲۱۔

چونکہ خانزادے بھی میوات کے اندر خود مختارانہ حکومت کرتے تھے لیکن جب کبھی شاہنشاہ دہلی اپنے اختیار سے بڑھکر قدم مارنا چاہتا تھا اور ان کے اندرونی انتظام میں دخل دیکر ان کی خودمختاری کو ملیامیٹ کر کے ان کو ناجائز طور پر دبانا چاہتا تھا تو یہ بھی فوراً مقابلہ پر آمادہ ہوجاتے تھے۔ چنانچہ جب سید مبارک شاہ ۱۴۲۱ء ۸۲۴ھ میں اپنے باپ خضر خاں کے بعد بادشاہ بنا۔ تو اس کے زمانہ میں راجہ جلال خاں حاکم میوات تھا یہ اپنے باپ فیروز خاں کے وقت میں بھی باپ کے ساتھ رہ کر لڑائیوں میں حصہ لیتا تھا۔

جب سنہ ۱۴۲۲ء مطابق ۸۲۶ھ میں جلال خاں کی طرف سے جس کا قبضہ قلعہ اندور کوٹلہ اور فیروزپور جھرکہ پر ہو رہا تھا سرکشی کی خبر لگی تو بادشاہ نے فوراً میوات پر فوج کشی کر دی جلال خاں معہ اپنے ساتھیوں کے اپنی ولایت کو خالی کر کے کوہ جھر میں جو تجارہ کی پہاڑیوں میں واقعہ ہے چلا گیا۔ یہ پہاڑیاں ایسی ہیں کہ بادشاہ کو اکثر بار ان کو فتح کئے بغیر ہی دہلی کو واپس جانا پڑتا تھا۔ غرض بادشاہ نے میوات کو خوب لوٹا کھسوٹا۔

چونکہ اس وقت میں غلہ اور گھاس کی بہت کمی تھی۔ اور جس جگہ لشکر ٹھہرا ہوا تھا وہ بھی اچھی نہیں تھی۔ اور بادشاہ بھی بیمار ہوگیا تھا۔ اس وجہ سے وہ دہلی کو واپس لوٹ گیا۔

لیکن اس کے ایک سال بعد پھر ۸۲۹ھ مطابق ۱۴۲۵ء میں بادشاہ میوات کی طرف آیا تو جلال خاں معہ اپنے بھائی بیٹوں۔ یار دوستوں اور مددگاروں کے اپنے علاقے کو پہلے کی طرح ویران و برباد کر کے قلعہ اندور میں محفوظ ہو بیٹھا۔ یہ اندور کا قلعہ کوٹلے کے قلعہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے، کچھ عرصے تک بادشاہ کے ساتھ یہ لوگ مقابلہ کرتے رہے لشکر شاہی نے بھی محاصرہ ڈالے رکھا۔ جس کی وجہ سے قلعہ والے وہاں سے نکل کر پہاڑی سڑک کے ذریعہ کوہستان الور میں چلے گئے۔ جہاں انہوں نے بادشاہی لشکر کا خوب جم کر مقابلہ کیا اور مورچہ بندی کر کے مستعدی سے لڑتے رہے اور شاہی لشکر کو دامن کوہ تک نہ گھسنے دیا۔ بادشاہ نے بھی وہاں جنیے ڈیرے ڈال دیے ایک عرصے تک لڑائی ہوتی رہی دونو طرف سے روزانہ توپیں چلتی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ زیادہ عرصے تک جنگ جاری رہنے کی وجہ سے جلال خاں کا سامان رسد ختم ہوگیا۔ اسوجہ سے الور کے باشندوں کو بھی فاقہ کی نوبت پہنچی ناچار صلح کی درخواست کی

گئی۔ بادشاہ بھی اس لمبی جنگ سے تنگ ہو رہا تھا اس نے غنیمت سمجھکر فوراً درخواست منظور کرلی اور دہلی کو چلا گیا۔ لیکن جلال خاں نے اس صلح کے بعد ہی پھر بغاوت کر دی۔ بادشاہ کو جب یہ خبر لگی تو پھر باہم عہد و پیمان مضبوط کئے گئے۔

چونکہ اس اثناء میں میوات کے اندر قحط بھی پڑ گیا تھا۔ مجبوراً بادشاہ دہلی کو واپس چلا گیا جلال خاں کچھ عرصے بعد اپنے وعدہ وعید پر قائم نہ رہا۔ کیونکہ باوجود بادشاہ کے متواتر حملوں کے خانزادوں کی ہمت اور حوصلے میں مطلق فرق نہ آیا تھا۔ جب بادشاہ نے پھر اس بغاوت کی خبر سنی تو پہلے واقعہ کے چار ماہ بعد یعنی محرم ۸۳۰ھ میں پھر اس کو میوات پر فوج کشی کرنی پڑی ان فوجوں نے میوات میں جگہ جگہ آگ لگا دی اور خوب دل کھولکر قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ اور میوات کے سرکش اور سرفروش خانزادوں کے ملک کو لوٹ کھسوٹ کر ستیاناس کر دیا اور بیانہ کی طرف چلا گیا کیونکہ محمد خاں اوحدی حاکم بیانہ نے بھی انہیں دنوں میں میوات کے خانزادوں سے مدد لیکر بادشاہ سے بغاوت اختیار کر لی تھی۔ بادشاہ نے محمد خاں مذکور کا تعاقب کیا۔ لیکن وہ قلعہ بند ہو بیٹھا۔ لیکن پھر بادشاہ سے امان طلب کی بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر کے بیانہ کی حکومت اسی کو واپس دیدی اور خود گوالیر کی طرف چلا گیا۔

چونکہ قدو خاں برادر جلال خاں نے بادشاہ کے دشمن ابراہیم شاہ شرقی کو مدد دی تھی اس وجہ سے ماہ شوال ۸۳۱ھ میں بادشاہ پھر میوات میں آیا۔ اور قدو خاں کو گرفتار کر کے دیوا میں زندہ چنوا دیا گیا یا قتل کرا دیا گیا اور اپنے وزیر ملک سرور الملک کو میوات کے انتظام کے لئے یہاں چھوڑ گیا۔ اور خود دہلی چلا گیا۔

سرور الملک نے بھی خانزادوں سے جنگ شروع کر دی میوات کے لوگ اپنے اسی پرانے قاعدہ کے بموجب اپنے گھروں کو خالی اور ویران کر کے پہاڑوں میں چلے گئے اور جلال خاں ملک فخر الدین خاں اور احمد خاں خانزادگان میوات معہ اپنے اقرباء اور سوار و پیادوں کے تلواڑہ میں آکر جمع ہو گئے اور ایسی دلاوری اور بہادری سے لڑے۔ کہ سرور الملک کو محروم واپس لوٹنا پڑا لیکن پھر ماہ محرم ۸۳۲ھ میں بادشاہ نے جلال خاں کی سرکشی و بغاوت کی خبر سنی۔ تو وہ پھر میوات میں آیا۔

اس دفعہ راؤ گوبند سنگھ چوہان ساکن منڈاور اور جلال خاں دونوں نے میوات کی مالگزاری ادا کر دی بادشاہ دہلی کو واپس چلا گیا۔ لیکن ادھر بادشاہ نے پیٹھ موڑی اور ادھر جلال خاں

پھر باغی بن بیٹھا۔ اور خراج کی ایک پائی ادا نہیں کی بادشاہ پھر ماہ ربیع الاول ۸۳۲ھ میں میوات آیا اور قصبہ تاوڑو میں مقام کیا۔ جب جلال خاں نے بادشاہ کی آمد کی خبر سنی تو وہ بہت سی سپاہ لیکر قلعہ اندور میں محفوظ ہو بیٹھا۔ دوسرے روز بادشاہ نے بھی وہاں پہونچکر حملے کی تیاری کی۔ مگر ابھی فوج پہنچی بھی نہ تھی کہ جلال خاں نے قلعہ میں آگ لگادی۔ اور خود وہاں سے نکل کر قلعہ کوٹلہ میں چلا گیا اور تمام مال و اسباب اور غلے کے ذخیروں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ مجبور بادشاہ وہاں سے چل کر تجارہ میں پہونچا اور میوات کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ اور دہلی کو واپس چلا گیا۔

اس کے بعد ۸۳۶ھ میں ملک محمود حسن کو بادشاہ نے میوات کی تنبیہ اور خراج کی وصولی کے لئے بھیجا۔ جلال خاں مع اپنے ہمراہیوں کے اپنے پرانے طریقے کے مطابق پہاڑوں میں جا گھسا۔ محمود حسن میوات کے اکثر حصوں کو لوٹ کھسوٹ کر واپس چلا گیا۔ غرض مبارک شاہ اپنے عہد سلطنت میں اسی طرح ملک میوات میں آتا رہا اور اس کو لوٹتا کھسوٹتا رہا اور جلال خاں سے لڑ بھڑ کر میوات کا خراج وصول کرنے کی کوشش کرتا رہا کبھی وصول ہو جاتا تھا اور کبھی محروم ہوتا تھا۔

جب ۸۳۷ھ میں بادشاہ کو ایک شخص سدپال نامی نے قتل کر دیا۔ تو اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد شاہ بادشاہ بنا۔ اس کے وقت میں ۸۴۰ھ میں جلال خاں وغیرہ خانزادگان میوات نے سلطان محمود خلجی کو دہلی کی سلطنت کے واسطے مالوہ سے بلایا تھا چنانچہ وہ ۸۴۴ھ میں دہلی آگیا۔

محمد قاسم فرشتہ بھی لکھتا ہے کہ

۸۴۴ھ میں امرائے میوات نے متواتر عرضیاں دہلی کی سلطنت کے لئے سلطان محمود خلجی کے پاس بھیجیں۔ کیونکہ مبارک شاہ سلطنت کا انتظام نہیں کر سکتا تھا۔

دیکھو تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۵۹۔

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا علاء الدین تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں بھی سخت ابتری رہی اور خانزادے لوگ برابر خود مختار بنے رہے

جلال خاں کا مقبرہ قلعہ اندور کے جنوب میں واقعہ ہے اس جگہ پر چودہ پندرہ گنبد اور بھی خانزادہ سرداروں کے وہاں موجود ہیں۔

مسٹر ڈی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب گزیٹیر گڑگاوہ میں لکھتے ہیں کہ اندور کے موجودہ خانزادے اگرچہ اب غریب ہیں۔ مگر وہ ابھی مالک زمین ہیں۔ ان کے پاس اس وقت کے ریکارڈ موجود ہیں جبکہ ان کا زمانہ بہت اچھا تھا۔ ایک نوشتہ جو ان کے پاس موجود ہے اور اس پر اکبر بادشاہ کی

مہر لگی ہوئی ہے اور جو سات ربیع الاول سنہ ۹۷ھ کا لکھا ہوا ہے اس میں تحریر ہے کہ سرکار اندور کے قانونگوئے چودھری۔ اور مقدموں کو چاہیے کہ ان چند شریف خانزادگان کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں جو اندور کے خاندان سے ہیں اور جن کو ہم ... پنشن دیا ہے۔

راجہ جلال خاں کی اولاد بن اندر ... سانٹھاواڑی۔ فیروز پور جھرکا۔ اور نوگانوہ کلاں کے خانزادے ہیں۔

مسمی شہاب خاں بن جلال خاں قلعہ اندور سے سنہ ۱۴۹ ہجری میں آکر سانٹھاواڑی میں آباد ہوا تھا۔ جس کا حال آگے آئے گا۔

احمد خاں عرف گگو رکھ بن راجہ جلال خاں والئ میوات

چونکہ سلطان علاء الدین اکثر بدایوں میں رہا کرتا تھا اس وجہ سے اس کے تمام سرداروں نے مختلف علاقوں میں اپنا اپنا قبضہ جما لیا تھا اسی لیے احمد خاں خانزادہ نے بھی علاوہ ملک میوات کے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سنہ ۸۴۴ھ میں مہرولی سے لاڈو سرائے متصل دہلی تک پر اپنا قبضہ جما لیا تھا اس حکومت کو حاصل کر کے وہ بڑا باوقار اور خود مختار حاکم بن گیا تھا اور اپنے بزرگوں سے بھی زیادہ نامور اور مشہور ہو گیا۔ لیکن باوجود اس ثروت و حکومت کے اس نے سررشتہ انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ ہمیشہ دادگستری اور رعایا پروری سے اپنی رعایا کو خوش رکھا اور اپنے اہل خاندان کی اور یار دوستوں کی آبرو اور عزت بڑھاتا رہا اور ہر ایک فرد بشر کو اس کی لیاقت اور قابلیت کے مطابق مناصب و جاگیر وغیرہ دیکر پرورش کرتا رہا اور نہایت دبدبے اور شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔

جب بہلول لودھی دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ تو اس نے اپنے ہم عصروں کو دبانے اور اپنی حکومت کی حفاظت اور انتظام کے لیے دورہ کا ارادہ کیا اس مطلب کے لیے وہ سب سے پہلے میوات کی طرف آیا۔ یہاں احمد خاں سے اس کا مقابلہ ہو گیا۔

کہتے ہیں بہلول لودھی نے احمد خاں کی حکومت میں سے سات پرگنہ الگ کر لیے ان پرگنوں میں اس نے اپنی طرف سے حاکم مقرر کر دیئے تھے۔ چنانچہ تجارہ میں تاتار خاں خانزادہ حاکم بنا تھا جو وہیں مر گیا اس کا مقبرہ بھی تجارہ میں ہی گنبد رکن عالم شاہ صاحب شہید کی درگاہ کے

قریب موجود بتلایا جاتا ہے۔"

جب بہلول لودھی نے یہ سنا کہ سلطان حسین شاہ شرقی فوج لیکر دہلی پر چڑھکر آتا ہے تو اس نے موضع جھند واڑہ میں پہونچکر اس سے جنگ شروع کر دی۔ سات روز تک برابر لڑائی ہوتی رہی۔ اسی عرصہ میں احمد خاں حاکم میوات اور رستم خاں حاکم کول حسین شاہ شرقی سے جا ملے کیونکہ احمد خاں اپنے سات پرگنوں کی بیدخلی سے بہلول لودھی سے ناراض ہو رہا تھا اور اس ناراضی کو اپنے دل میں چھپائے بیٹھا تھا اور کسی اچھے موقعہ کا منتظر تھا۔ چنانچہ اب وہ موقعہ بھی اس کو ہاتھ لگ گیا تھا۔ لہٰذا وہ اپنا بدلہ لینے کی غرض سے رستم خاں حاکم کول کو اپنا ساتھی بنا کر حسین شاہ شرقی سے جا ملا۔ اس طریقے سے بہلول لودھی کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور لڑائی نے طول کھینچا۔ آخر امرا کے مشورہ سے یہ بات قرار پائی۔ کہ دونوں بادشاہ تین سال تک اپنی اپنی ولایت میں صبر کر کے بیٹھے رہیں۔ لیکن تین سال بعد حسین شاہ شرقی نے احمد خاں حاکم میوات اور رستم خاں حاکم کول کی مدد سے اٹاوہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اور وہاں کے حاکم کو جو بہلول کی طرف سے رہتا تھا۔ نکال دیا۔

چونکہ احمد خاں حسین شاہ شرقی کا مددگار رہتا تھا اس وجہ سے بہلول احمد خاں سے لڑنے کے لئے دوبارہ میوات میں آیا۔ لیکن ایک خان خاناں نامی لودھی نے جو کہ بہلول بادشاہ کے امرا کبار میں سے تھا۔ درمیان میں پڑ کر احمد خاں کو سمجھا بجھا کر صلح کرا دی۔ چونکہ بہلول بھی جنگ سے تنگ آ رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ واپس دہلی چلا گیا۔ اس کے بعد احمد خاں نے اپنے چچا مبارک خاں کو اس امر کے لئے دہلی میں مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ ہمیشہ بطور مشیر میوات کی طرف سے بادشاہ کے مصاحبین میں شامل رہا کرے۔ اس کے بعد جب احمد خاں کی رشتہ داری بہلول لودھی سے ہو گئی۔ تو پھر کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ احمد خاں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں فیروز پور جھرکہ کی دارالریاست کو چھوڑ کر الور کو بہتر سمجھکر اپنی راجدھانی بنایا اور وہاں پر اپنے رہنے کے لئے نہایت عمدہ عمدہ محل اور مکانات تعمیر کرائے جو کہ دہلی دروازے کی طرف جہاں آجکل قصاب رہتے ہیں آجتک موجود پائے جاتے ہیں۔

شیخ محمد مخدوم صاحب مرقع الور میں لکھتے ہیں کہ احمد خاں نے اپنی جدید تعمیرات سے شہر الور کو رشک گلزار بنا دیا تھا اس کے شوق کو دیکھکر اس کے امرا اور وزرا نے بھی الور میں عمدہ عمدہ مکانات۔ حویلیاں اور محل تعمیر کرائے ان مکانات میں سے بہت سے اب کھنڈر بن گئے ہیں

اور بہت سے آج تک رئیس اور کے کام میں آ رہے ہیں احمد خاں کے بعد اس کا بیٹا ذکریا خاں مسند نشین میوات ہوا۔ اس نے اپنے زمانہ میں بہلول لودھی لودھی سے ہمیشہ صلح صفائی رکھی اور بغاوت کا خیال تک دل میں نہ لایا۔

نواب علاؤالدین عرف علاول خان بن ذکریا خان والیٔ میوات

نواب ذکریا خاں کے بعد اس کا بیٹا نواب علاول خاں میوات کی حکومت پہ قابض ہوا (مظم) ہمایوں خاں شروانی افغان جو بہلول لودھی کے دربار میں بڑا امیر کبیر سردار تھا اور بادشاہ مذکور کی طرف سے کالپی کا حاکم بھی تھا اس کی دو لڑکیاں نہایت حسین، نوعمر اور صاحب جمال تھیں ایک تو ان میں سے بہلول لودھی کے بیٹے سکندر شاہ لودھی کو بیاہی تھی اور دوسری اس علاول خاں حاکم میوات کے نکاح میں آئی تھی اس رشتہ کی وجہ سے خانزادوں کے تعلقات دوستی اور رابطہ وضبط لودھی پٹھان بادشاہوں کے ساتھ نہایت گہرا اور مستحکم ہوگیا تھا،،

چونکہ شاہزادہ سکندر شاہ اور علاول خاں دونو ہم زلف بھائی تھے اس وجہ سے ان دونوں میں ہمیشہ یگانگت اور محبت قائم رہی چنانچہ سکندر شاہ کا بیٹا ابراہیم شاہ جس کی لڑائی بابر بادشاہ سے ہوئی تھی اور علاول خاں کا بیٹا حسن خاں انہیں دونو بہنوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

جب بہلول لودھی نے اپنے بیٹے سکندر شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو ساتھ ہی اس نے علاول خاں کو بھی ناگور کا صوبہ دار بنا دیا تھا اسی صوبہ داری کے زمانہ میں علاول خاں نے بالاتفاق خان خاناں لوحانی اور خواص خاں حاکم بیانہ کے اپنے ہم زلف بھائی سکندر شاہ کے حسب الحکم ۹۰۶ھ میں راجہ مانک دیو پر فوج کشی کی تھی اور قلعہ دھولپور باڑی پر قبضہ و دخل جمالیا تھا۔

جب ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۹ء میں بہلول لودھی مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا سکندر شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنے ہم زلف بھائی علاول خاں کو ۹۰۰ھ میں اپنے شاہی امراء میں داخل کر لیا اور رفتہ رفتہ یہاں تک اس کا اقتدار بڑھایا کہ ملک میوات کا خود مختار بادشاہ بنا دیا۔ جب سکندر شاہ کی وفات کے بعد ۹۲۳ھ میں ابراہیم شاہ بادشاہ

بنا. تو اس رشتہ کی بدولت علاول خاں اور اس کا بیٹا حسن خاں جو ابراہیم شاہ کا خالہ زاد بھائی تھا دونوں ابراہیم شاہ کی طرف امداد و مددگار بن کر بابر بادشاہ سے لڑے تھے اس لڑائی میں حسن خاں کا بیٹا ناہر خاں بابر کی قید میں جا پڑا تھا۔ جس کو بعد میں رانا سانگا کی لڑائی کے موقعہ پر بطور استمالت خلعت پہنا کر بابر نے حسن خاں کے پاس واپس بھیجدیا تھا۔ اسی لڑائی میں علاول خاں بھی رات کے وقت اپنے خیمے میں مردہ پایا گیا۔ جس پر یہ شبہ کیا گیا تھا کہ اس کو یا تو کسی دشمن نے زہر دیدیا ہے یا کسی گہری سازش کا شکار ہوا ہے۔ علاول خاں نے اپنے نام پر علاول پور نام کے دو موضع بسائے تھے ان میں سے ایک تو الور کے پاس بتایا جاتا ہے جس کے کھنڈرات الور کے پاس پہاڑ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرا موضع تجارہ کے مشرق کی طرف بسایا تھا۔ لیکن اس موضع کو شیخ محمد مخدوم صاحب نے کتاب ارژنگ تجارہ میں سلطان علاءالدین کا بسایا ہوا لکھا ہے۔ نیز قصبہ تجارہ میں سلطان مذکور کا مقبرہ بھی تعمیر ہوا لکھا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں قطعی غلط اور بے ثبوت ہیں

خانزادوں کے زمانہ میں سلطان علاءالدین نام کے دو شخص ہوئے ہیں ایک خاندان سادات کا بادشاہ تھا۔ لیکن یہ بادشاہ اپنی عمر بھر کبھی تجارہ نہیں آیا۔ بلکہ ہمیشہ بدایوں میں رہا اور وہیں مر گیا اور وہیں پر اس کی قبر ہے۔ پھر بھلا اس کا موضع بسانا اور تجارہ میں مقبرہ ہونا۔ کس طرح درست ہوسکتا ہے دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاءاللہ دہلوی جلد دوئم صفحہ ۲۳۰۔

دوسرا علاءالدین نام کا بادشاہ خاندان لودھی میں تھا جس کو شیخ جی نے یہ لکھا ہے کہ سکندر شاہ لودھی نے اپنے بھائی عالم خاں عرف سلطان علاءالدین کو حاکم میوات بنایا تھا۔ شیخ جی کا یہ قول بھی مندرجہ ذیل دلائل سے قطعی غلط ثابت ہو رہا ہے۔

اول یہ کہ بہلول لودھی نے اپنی حین حیات میں ہی اپنا ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا چنانچہ کڑہ مانک پور اس علاءالدین کے حصہ میں آیا تھا اور وہ وہاں چلا گیا اور دوسرے بیٹے سکندر شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاءاللہ جلد دوئم صفحہ ۳۴۶

دوئم یہ کہ بہلول کے مرنے پر جب سکندر شاہ بادشاہ بنا۔ تو سلطان علاءالدین مذکور نے دعویدار سلطنت بن کر جھگڑا کیا تھا اور وہ بہادر شاہ گجراتی کے پاس مدد کے لئے گیا تھا لیکن بدقسمتی سے آخر عمر تک اس کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ دیکھو کارنامہ راجپوتان ہند صفحہ ۴۵

سوم یہ کہ سکندر شاہ بادشاہ اور علاول خاں خانزادہ والیٔ میوات ہم زلف بھائی تھے ان کے درمیان کبھی مخالفت نہیں ہوئی۔ جس کی وجہ سے حکومت میوات علاول خاں خانزادہ

چھین کر سلطان علاء الدین کو دی گئی ہو۔

چہارم یہ کہ سنہ ۹۲۴ھ میں سکندر شاہ نے تجارہ میں جو اپنا نائب بھیجا تھا اور جس کا معتمد خاص عالم خاں خانزادہ بھی تھا جو کہ اقلیم خاں کا بیٹا تھا۔ یہ تجارہ میں رہا کرتا تھا شاید اسی کو شیخ جی نے عالم خاں عرف علاء الدین لکھ دیا ہو۔

پنجم یہ کہ علاول خاں خانزادہ حاکم میوات کا بھی اصلی نام علاء الدین ہی تھا جو کہ سکندر شاہ کا ہم زلف بھائی بھی تھا اور سلطان علاء الدین بادشاہ مذکور کا حقیقی بھائی تھا۔ ان دونوں ناموں کے یکساں ہونے سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جی نے سہواً مغالطہ کھایا ہے۔ کیونکہ علاول خاں بھی بھائی ہی تھا۔

ششم یہ کہ سکندر شاہ اور علاء الدین میں ہمیشہ ناموافقت رہی اسی وجہ سے وہ بہادر شاہ گجراتی کے پاس مدد کو گیا تھا اگر اس کو میوات کی حکومت سکندر شاہ دیدیتا۔ تو وہ مارا مارا کیوں پھرتا۔

ہفتم یہ کہ سنہ ۸۰۰ھ سے سنہ ۹۳۴ھ تک مسلسل و متواتر میوات پر خانزادوں کی حکومت رہی ہے۔ ان کے زمانہ میں کسی دوسرے کی حکومت میوات پر کسی بھی تاریخ کے اندر نہیں لکھی گئی اس لئے شیخ جی کا لکھنا قطعی غلط ہے۔

ہشتم یہ کہ سکندر شاہ نے اپنے زمانہ میں اپنے بھائی علاء الدین کو قلعہ چہند واڑہ میں محصور کر دیا تھا اور پھر وہ بادشاہ کے ڈر سے وہاں سے بھاگ کر عیسے خاں کے پاس پٹیالی میں چلا گیا۔ لیکن سات مہینے بعد بادشاہ نے اس کو ولایت۔ اٹاوہ دیدی۔ دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوئم صفحہ ۲۰۳۔ اس حوالہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ علاء الدین کو سکندر شاہ نے کبھی میوات کا حاکم نہیں بنایا تھا۔ علاول خاں نے اپنے زمانہ میں بھرتری کا گنبد اپنے سرکاری رکن گیلا تھا جن سا کن تجارہ کی معرفت تیار کرایا تھا جس کا مفصل ذکر گنبدوں کے بیان میں کر دیا گیا ہے

علاول خاں کے گھر میں دو بیویاں تھیں ایک اعظم ہمایوں خاں شروانی افغان کی بیٹی تھی جس سے چار لڑکے حسن خاں۔ کبیر خاں۔ ابراہیم خاں دولت خاں پیدا ہوئے۔ جن کی اولاد میں منفصلہ ذیل اشخاص پیدا ہوئے ہیں۔

محمود خاں۔ تاتار خاں۔ نظام خاں۔ احمد خاں۔ محمد خاں۔ دلاور خاں۔ میواتی خاں۔ جہاں خاں۔ ثمر خاں۔ جلال خاں وغیرہ۔

دوسری بیوی عالم خاں بن اقلیم خاں خانزادہ کی بیٹی تھی۔ جس کا نام لاڈو بیگم تھا اس سے بھی چار بیٹے پیدا ہوئے۔ اسد خاں۔ قطب خاں۔ حسین خاں۔ ماکھو خاں۔

کہتے ہیں اوپر کا قلعہ پہلے کورے پتھروں کا ڈھیر تھا۔ جسے نکوموں نے بنایا تھا۔ نکوم لوگ اس میں بیٹھکر تمام میوات میں رہزنی اور لوٹ مار کرتے تھے جس سے مخلوق خدا ان کے ظلموں سے بہت تنگ تھی۔ اس وجہ سے سمت ۱۵۴۹ ہجری میں اس قلعہ کو پختہ طور پر حسن خاں نے اپنے باپ علاول خاں کے نام پر بنوایا تھا جس کا ذکر قلعوں کے بیان میں مفصل آچکا ہے۔

علاول خاں کا ایک سرکاری رکن یا وکیل گیلا تھا جو ساکن تجارہ بھی تھا چنانچہ اس کی بات آجتک یہ نقل مشہور ہے کہ مال علاول کا اور دھن گیلا کا کہتے ہیں اسی گیلا تھا جن کی سرکردگی میں علاول نے موضع علاول پور بسایا تھا۔

راجہ حسن خاں بن علاول خاں شاہ میوات

11 **راجگی کا خطاب** راجہ حسن خاں خانزادوں کے اندر بڑا نامور۔ اولوالعزم اور مشہور سردار گزرا ہے۔ بابر بادشاہ نے بھی اس کو اپنی توزک میں راجہ حسن خاں لکھا ہے خانزادہ مسلم جادو بنسیوں میں اور قائم خانیوں میں راجہ کا خطاب اسلام لانے کے بعد تک بھی برابر قائم رہا۔ بھٹنڈہ کے ہندو راجاؤں نے بھی فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں اسلام اختیار کرکے اپنا لقب (راجہ) ہی برقرار رکھا تھا۔

راجہ حسن خاں کے زمانہ میں خانزادوں کا عروج

حسن خاں کے زمانہ میں خانزادوں کا اقبال ملک میوات کے اندر بڑے عروج پر تھا۔ ہمارے قومی مورخ میاں محمد حسین صاحب مہناس تحریر فرماتے ہیں کہ شیر شاہ سوری۔ مہابت خاں سے نگرا۔ حسن خاں میواتی معاون رانا سانگا اور بیرم خاں خان خانان وزیر اعظم اکبر ان چاروں شہ سواروں کے کارنامے تاریخ ہند میں نہایت وضاحت کے ساتھ لکھے گئے ہیں یہ چاروں اشخاص نہایت اعلیٰ پایہ کے سردار گزرے ہیں ان شجاعان عالی شان میں سے حسن خاں میواتی سلطان

رانا سانگا کے حالات ہم نے رسالہ مسلم راجپوت امرتسر میں بھی تحریر کئے ہیں شوقین اصحاب ان جاں نثار اور بہادر سردار کے حالات وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں دیکھو رسالہ مسلم راجپوت امرتسر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۵

چونکہ سلطان ابراہیم لودھی اور راجہ حسن خاں دونوں حقیقی خالہ زاد بھائی تھے اس لئے جب سلطان ابراہیم ۹۲۳ھ میں دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے اس رشتہ کی وجہ سے حسن خاں کا وہ اقتدار بڑھایا۔ جس کی وجہ سے وہ میوات میں خود مختارانہ حکومت کرتا تھا۔ اور میوات کے جو سات پرگنے بہلول لودھی نے احمد خاں کے زمانہ میں چھین لئے تھے وہ بھی ابراہیم شاہ نے حسن خاں کو واپس دے دیئے تھے۔ اسی لحاظ سے حسن خاں کو شاہ میوات ہی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ملک کے اندرونی انتظام میں شاہنشاہ دہلی کا ماتحت نہیں رہا تھا۔ لیکن افسوس خانزادوں کے اس اقبال و عروج کو جلدی ادبار نے آگھیرا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے بعد جب بابر بادشاہ ہندوستان میں آیا۔ تو اس نے یہاں کی حکومت ۱۵۲۶ء میں ابراہیم شاہ کو قتل کر کے چھین لی تو اس ناگہانی تغیر سے خانزادوں کی حکومت پر بھی زبردست اثر پڑا۔ کیونکہ جب ان کے رشتہ دار اور قدردان ابراہیم لودھی کے پاس سے حکومت جاتی رہی تو پھر خانزادوں کے اقتدار میں بھی فرق آ جانا لازمی امر تھا۔

اگرچہ بابر بادشاہ نے حسن خاں کے ساتھ اپنی توزک کی تحریر کے مطابق شروع میں شریفانہ برتاؤ کیا تھا جس کی وجہ خواہ مصلحت وقت ہو یا اس کی طبیعت کا خاصہ ہو۔ لیکن اس سے بابر کا منشا صرف یہ تھا کہ حسن خاں میرا تابعدار اور اطاعت گزار بن کر رہے۔ لیکن حسن خاں کی خودداری اور چھتری پن نے یہ امر ہرگز گوارا نہ کیا کیونکہ خانزادوں کا ہمیشہ سے ہی طریقہ رہا ہے کہ اس کو مٹ جانا تو منظور ہے لیکن کسی کی تابعداری اور اطاعت منظور نہیں ہوتی۔ گویا یہ قوم ایک خشک لکڑی کی مانند ہے کہ جو بیرونی دباؤ پڑنے پر بیشک ٹوٹ تو جاتی ہے لیکن مڑتی یا جھکتی نہیں۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز پر اس قوم کو عمل کرنا نہیں آتا۔ آخر اسی رعونت کی بدولت آج خانزادے لوگ اپنی ڈھائی سو سال کی حکومت سے محروم ہو گئے ہیں،،

حسن خاں کے برخلاف بابر کے الزامات

بابر بادشاہ اپنی توزک میں راجہ حسن خاں کا اس طرح رونا روتا ہے کہ جب میں آگرہ گیا



راجہ حسن خان میواتی شاہ میوات



قلعہ تعمیر کردہ راجہ حسن خان شاہ میوات

آیا۔ تو دہلی اور آگرہ کے سوا باقی سب جگہ کے سرداروں نے میری اطاعت سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سنہ ۹۳۲ھ میں راجہ حسن خاں نے بھی دوسرے سرداروں کی مانند علم بغاوت کھڑا کر دیا اور مضبوطی کے ساتھ الور کے قلعہ میں محفوظ ہو بیٹھا۔ یہی مردود سب شروں اور فسادوں کی جڑ تھا۔ اس کا لڑکا ناہر خاں ابراہیم لودہی کی لڑائی میں میرے پاس بطور ادل ضمانت میں دیا ہوا آدمی موجود تھا۔ اس سبب سے ظاہر میں حسن خاں میرے پاس آمد و رفت رکھتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے بیٹے کو طلب کرتا رہتا تھا۔ میرے بعض امراء کے دل میں یہ آیا۔ کہ حسن خاں کی استمالت (اپنی طرف کسی کو راضی و راغب کرنا) کے لئے اگر میں اس کے بیٹے کو بھیج دوں تو وہ خوش ہو کر میری اطاعت بجا لائیگا چنانچہ امراء کی سفارش پر میں نے ناہر خاں کو خلعت فاخرہ پہنا کر اور انعام و اکرام دیکر اور اس کے باپ سے وعدہ کر کے رخصت کر دیا۔

جونہی حسن خان نے اپنے بیٹے کے رخصت ہونے کی خبر سنی۔ تو وہ فوراً الور سے نکل کر بارہ ہزار اور بقول بعض دس ہزار سوار اپنے ساتھ لیکر رانا سانگا سے جا ملا۔ افسوس اس وقت اس کے بیٹے کا رخصت کرنا نہایت بے موقعہ ثابت ہوا۔ میں نے پہلے بادشاہوں کی طرح حسن خاں پر مروت و مہربانی کی نظر رکھی۔ مگر وہ احسان فراموش ثابت ہوا اور جگہ جگہ فتنہ و فساد کی آگ میرے برخلاف بھڑکانے لگا۔ میوات کا ملک دہلی کے قریب واقعہ ہے اور بہت زرخیز ہے اس کی آمدنی چار کروڑ تنکہ نقرئی سالانہ تھی۔ حسن خاں کو یہاں کی حکومت وراثت میں ملی تھی۔ اس کے خاندان میں دو سو برس سے زیادہ حکومت چلی آتی تھی اور وہ شاہان دہلی کا برائے نام ہی مطیع تھا۔ جب میں نے ہندوستان فتح کیا تو سلاطین سابق کی طرح حسن خاں پر بھی میں نے عنایت کی تھی۔ مگر اس کافر نعمت احسان فراموش نے میری اس مروت اور عنایت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا کیونکہ اس کا دل ہندوؤں کی طرف راغب تھا جتنے فساد برپا ہوئے ان سب کا بانی مبانی وہی تھا۔ اسی نے رانا سانگا سے سازش کر کے سلطان سکندر شاہ لودہی کے بیٹے سلطان محمود کو مالوہ سے دہلی کی سلطنت کے لئے بلوایا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

ان الزامات کے برخلاف نہ معلوم راجپوت لوگ اور حسن خاں کے طرفدار بھی متقدمین اور بابر کو کیا کہتے ہونگے۔ البتہ ان تمام شکایات کو پڑھ کر ہر شخص یہی خیال کرے گا کہ واقعی حسن خاں نے بابر کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا لیکن جب غور سے دیکھا جائیگا تو بابر کی یہ شکایات بیجا معلوم ہونگی۔،،

درحقیقت اس وقت بابر حسن خاں سے بہت خائف تھا۔ اور اپنا سب سے بڑا دشمن اس نے اسی کو خیال کر رکھا تھا کیونکہ حسن خاں کا ملک میوات دار الخلافہ دہلی سے نزدیک ہے اس سبب سے حسن خاں بابر کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا کہ ایسا نہ ہو حسن خاں دہلی یا آگرہ پر حملہ کر دیئے حسن خاں کی زبردست طاقت کے متعلق مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب یہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں حسن خاں کی پولیٹیکل طاقت اور پوزیشن بڑی زبردست تھی۔ اس وجہ سے جو کچھ گڑبڑ وہ چاہتا تھا کر سکتا تھا بابر بھی یہی لکھتا ہے کہ حسن خاں کے علاقہ کی موجودگی نے جو کہ دہلی کے ساتھ ملحق تھا میری مخالفت کو بہت کافی خطرناک بنا دیا تھا اس وجہ سے میں نے سب سے پہلے روز یک شنبہ ۱۲ رجمادی الاول ۹۳۲ھ میں شیخ جمالی کو بھیجا تھا کہ وہ دوآب اور دہلی کے ترکش بندوں میں سے جس قدر آدمی جمع کر سکے۔ ہمراہ لے کر مواضعات میوات کو تاخت و تاراج کرے اور جب تک اس طرف کوئی ذخیرہ باقی رہے لوٹ مار سے ہاتھ نہ اٹھائیں ملا ترک علی بھی اسی وقت کابل سے آیا تھا۔ اس کو بھی فرمان بھیجا گیا کہ وہ بھی شیخ جمالی کے ہمراہ ہو کر بہت جلد میوات کو ویران کرنے میں تقصیر نہ کرے۔

بابر کی یہ تحریر ظاہر کرتی ہے کہ اس کو رانا سانگا سے زیادہ حسن خاں کا خوف تھا اسی واسطے اس نے اپنا پہلا فرض میوات کا برباد کرنا قرار دیا تھا۔

بابر اپنی سراسیمگی بے قراری۔ اور بے بسی کا حال خود بھی اپنی تزک میں اس طرح لکھتا ہے کہ میرے آدمیوں اور ہندوستانیوں میں عجیب مغائرت و منافرت تھی یہ لوگ میرے آدمیوں کی آواز سے بھی بھاگتے تھے سوائے دہلی اور آگرہ کے سب جگہ کے قلعہ داروں نے اپنے قلعوں کو مضبوط کر کے اور میری اطاعت سے منہ موڑ کر مخالفت پر کمر باندھ لی تھی۔ سپاہیوں کو کھانے پینے کی بھی تکلیف تھی۔ گھوڑوں کو دانہ گھاس نہ ملتا تھا لوٹ مار سے راستے بند تھے گرمی شدت سے پڑنے لگی۔ کئی سپاہی اور سردار لوؤں سے مر گئے۔ اچھے اچھے امراء اور نوجوانوں کے دل چھوٹ گئے اور وہ ہندوستان سے واپس جانے پر تیار ہو گئے۔ چھوٹے درجے کے آدمی بھی طنز آمیز گفتگو کرنے لگے غرض ایک بھیڑ چال تھی جو ایک نے کہا دوسرے نے اس کا اعادہ کیا۔ ہر ایک امیر اپنے عہدوں سے پھر گیا۔ لشکر کے چھوٹے بڑے گھبرا کر عالم تحیر میں ڈوب گئے سارے لشکر میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جس کے منہ سے کوئی بات مردانہ اور کوئی رائے دلیرانہ سننے میں آئی (تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد سوم صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲)

بابر کو اسی نازک موقع نے مجبور کیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے جہاد کا وعظ سنا کر اپنے امرا کو ٹھیرایا تھا اور قرآن شریف درمیان میں لیکر اور قول و قسم دلا کر لڑائی پر آمادہ کیا تھا۔ ایک انگریزی کی مثال ہے (ٹائم از اے گریٹ ریفارمر)

Time is a great reformer.

ترجمہ (زمانہ بہت بڑا درستگی اور اصلاح کرنے والا ہے"

جب بابر پر ایسی مصیبتیں پڑیں تو اسے خدا یاد آیا اس نے ڈاڑھی رکھی مسلمانوں کو تمغہ معاف کیا۔ راہداری کا محصول موقوف کیا شراب سے خود بھی توبہ کی اور امرا سے بھی کرائی اور شراب میں نمک ڈالکر سرکہ بنا کر بہا دیا گیا۔

دیکھئے وہ بابر جو یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

نوروز و نو بہار و مے دلبر باخوش است

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

آج وہی بابر توبۃ النصوح پر عمل کر رہا ہے۔ سچ ہے انسان کو مصیبت ہی میں خدا یاد آتا ہے چنانچہ اسی مجبوری کی حالت میں اس نے حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں کو خلعت فاخرہ پہنا کر اس کے باپ کے پاس بھیج دیا تھا۔ تاکہ حسن خاں رضامند اور خوش ہو کر میری مدد کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ لیکن افسوس بابر کی یہ امید پوری نہ ہو سکی۔ کیونکہ حسن خاں نے اس کی اس کوشش کو نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم لودھی کے مارے جانے کے بعد حسن خاں دہلی کی سلطنت کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ دوئم اس کا خالہ زاد بھائی ابراہیم لودھی مارا گیا تھا اس وجہ سے حسن خاں کے دل میں بابر کی طرف سے بغض و عداوت پیدا ہو گئی تھی اس عداوت سے حسن خاں نے بابر کے ان قاصدوں کو بھی جو اس نے حسن خاں کو اپنی طرف ملانے کے لئے اس کے پاس روانہ کئے تھے قتل کر دینے کی دھمکی دی تھی اور رانا سانگا کو بھی بھڑکا کر جنگ کے لئے آمادہ کیا تھا۔

حسن خاں کے اس انکار سے بابر کو مایوس ہو کر یہ کہنا پڑا کہ میں نے بے فائدہ حسن خاں کے ساتھ موافقت کرنی چاہی کیونکہ اس کی تمام محبت ہندوؤں کے ساتھ ہی اب یہ امر کا ماننا ہے یہ کہنا کہ حسن خاں راضی ہو کر اطاعت بجا لائیگا ایک تعجب خیز اور بے معنی جملہ ہے بہرحال ایسے موقعہ پر جب کہ دونوں طرف برابر کی ٹکر موجود تھی اور فتح و شکست کا اندازہ بھی نہ تھی"

ہندوستان کے کل سردار بابر سے باغی بن چکے تھے یار دوست ساتھ چھوڑ کر ولایت کو واپس بھاگ رہے تھے محمد شریف منجم نے بھی اپنی پیشین گوئی سنا کر مردوں پر سو درے دل کا کام دیا تھا غرض ایسی ناموافق حالت میں اپنے دشمن سے اطاعت کا خیال کیسے ہو سکتا تھا رانا سانگا اور بابر نے حسن خاں کو اپنی اپنی طرف ملانے کے لئے جو کوششیں کیں ان کا حال مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی نے بھی اس طرح لکھا ہے کہ۔

میوات کے راجہ حسن خاں کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے فریقین نے بڑی بڑی کوششیں کیں اس راجہ کے نام سے صاف یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک نومسلم راجپوت راجہ تھا اور ملک میوات اس کا وہ پہاڑی خطہ تھا جو دہلی سے پچیس میل کے فاصلہ پر جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے اور اسی خطے میں وہ ریاست بھی شامل تھی جو آجکل ماچیڑی یا الور کے نام سے مشہور ہے۔

اس راجہ کا بیٹا ناہر خاں جو بابر کے پاس بطور اول ضمانت میں دیا ہوا آدمی تھا۔ بابر نے اس نظر سے اس کو اس کے باپ کے پاس بھیج دیا کہ وہ حامی بلکہ جی جان سے میرا شریک ہو جائے مگر بابر کی اس جوانمردی سے وہ مطلب حاصل نہ ہوا جو اس نے چاہا تھا اس لئے کہ جوں ہی حسن خاں کو اپنے بیٹے کی طرف سے طمانیت حاصل ہوئی۔ ووں ہی وہ رانا سانگا سے کھلم کھلا جا کر مل گیا۔ اور رانا سانگا۔ حسن خاں اپنے رفیق کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لئے جلد آگے بڑھ گیا۔ اور بیانہ میں پہونچا۔ جو آگرہ سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے

چنانچہ بابر کی اس فوج کو نقصان پہونچا کر اندرون
قلعہ بھگا دیا جو اس جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے پڑی تھی
وہاں سب لوگوں کی ہمتیں پست کر دیں اس کے
بعد بابر نے دشمن کی دیکھ بھال کے لئے فوج روانہ کی
اور پیچھے سے خود بھی اپنی تمام فوج کو لیکر چلا اور
فتحپور سیکری میں داخل ہوا جو آگرہ سے بیس
میل کے فاصلہ پر ہے۔

وہاں اس نے اپنے کو حسن خاں وغیرہ کی فوج کے قریب پایا انہوں نے بابر کی فوج کے اگلے حصے پر ترت پھرت حملہ کیا۔ جس سے بابر کو شکست فاش ہوئی یہ واقعہ ۲۰ و ۲۹ فروری ۱۵۲۷ء کا ہے اس شکست سے بابر کی فوج کے دل مر گئے سانگا رانا اسی

وقت میں اپنے مددگار حسن خاں وغیرہ کے دباؤ اگر دیتا تو وہ ضرور کمال آسانی سے کامل فتح پاتا مگر یہ لوگ اس کامیابی کے بعد اپنی لشکرگاہ کو واپس چلے گئے اور بابر کو جگہ پکڑنے اور لشکر کو مضبوط بنانے کے لئے اتنی بڑی فرصت ہاتھ آگئی کہ بعد اس کے ان کو حملہ کرنا بہت دشوار ہو گیا اس لڑائی کا حال بابر نے اپنی توزک میں خود نہیں لکھا تھا بلکہ اپنے میر منشی سے لکھوایا تھا جس نے بہت مبالغے کے ساتھ اور بنا بنا کر لکھا ہے اور بہت سے ورق کالے کئے ہیں اس لڑائی میں سانگا بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اور راجہ حسن خاں میواتی اور دوسرے ساتھی سردار جوانمردی کے ساتھ لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے۔

دیکھو اردو ترجمہ تاریخ ہندوستان الفنسٹن صاحب مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ صفحہ ۲۰۰ ، ۱۸۶۶ء گورنر صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حسن خاں کو اپنا مددگار بنانے کے لئے رانا سانگا اور بابر دونوں برابر کوششیں کیں۔ لیکن وہ بابر کو چھوڑ کر سانگا سے جا ملا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسن خاں کو مسلمان ہونے کے لحاظ سے سانگا کی بجائے بابر کی مدد کرنی چاہیئے تھی لیکن ایسا سوال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا واسطہ سیاست اور حکومت سے نہیں پڑا ہے اور تاریخوں میں بھی سیاسی معاملات کو نہیں پڑھا ہے وہ اس اہم اور پیچیدہ معاملہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔

البتہ عملی دنیا میں رہنے والے اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں۔ اگر حکومت کے معاملے میں یہ نظریہ درست ہوتا تو مسلمان بادشاہ ہوئے ہیں باہم کبھی جنگ نہ ہوتی لیکن حکومت کے معاملے میں تو باپ بیٹے اور بھائی بھائی بھی جانی دشمن ہو جاتے ہیں اسی حکومت کے طفیل شیعہ اور سنی کے تفرقے پیدا ہو گئے ہیں جو قیامت تک نہ مٹ سکیں گے الا ماشاء اللہ

اورنگ زیب نے بھی باوجود متقی اور متشرع بادشاہ ہونے کے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ وہ کچھ کیا تھا جسے سکول کا ہر بچہ جانتا ہے پھر حسن خاں نے جو کچھ اپنے دشمن بابر کے ساتھ کیا اس پر ہم اس کو مورد الزام قرار نہیں دے سکتے۔

بابر تو ہزاروں کوس دور کا اور غیر متعلق شخص تھا اگر حسن خاں کو اپنے بھائی کی طرف سے بھی ایسا ہی خیال ہوتا تو وہ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتا جو بابر کے ساتھ کیا تھا اور ایسے موقعہ پر بزدلی اور نامردی کر کے بیٹھ رہنا اور محمد شاہ کی طرح اپنے فاتح کو دہلی بھی سپرد کر دینا کسی طرح پر شایان جوانمردی نہ تھا۔

چونکہ بابر ایک زبردست دشمن تھا اور حسن خاں اکیلا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس

کو رانا سانگا کی طرف جھکنا پڑا جو اس زمانہ میں شمالی ہندوستان کا زبردست راجہ بنا ہوا تھا۔

اگر سانگا کے ساتھیوں میں صرف اکیلا حسن خاں ہی مسلمان ہوتا۔ تب بھی بابر کا حسن خاں کے لئے کہنا کہ اس کا دل ہندوؤں کی طرف جھکا ہوا تھا کچھ قرین قیاس ہو سکتا تھا۔ لیکن حسن خاں کے علاوہ اور بھی چند مسلمان سردار ایسے تھے جو بابر کے برخلاف سانگا کے مددگار بن گئے تھے مثلاً صلاح الدین نامی ایک سردار نے بیس ہزار سواروں سے اور سلطان محمود بن سکندر شاہ لودھی نے دس ہزار سواروں سے بابر کے برخلاف سانگا کو مدد دی تھی ان کے علاوہ قائم خاں۔ نظام خاں۔ محمد زیتون۔ تاتار خاں۔ حسین خاں قطب خاں عالم خاں وغیرہ سب نے بابر سے بغاوت اختیار کر لی تھی بلکہ اس کے قومی امراء مثل خواجہ کلاں اور احمدی پروانچی وغیرہ بھی کابل کو واپس بھاگ گئے تھے۔ کیا ان سب مسلمان سرداروں کے دل بھی سانگا کی طرف جھکے ہوئے تھے ہرگز نہیں۔ بلکہ بات صرف وہی تھی کہ یہ سب سردار اپنا اپنا مفاد چاہتے تھے اور اس مفاد کے حصول کا واحد ذریعہ انہوں نے یہی خیال کیا تھا کہ بابر کے برخلاف رانا سانگا کی حمایت میں متحدہ محاذ جنگ قائم کر لیا جائے چنانچہ اسی امید پر وہ سب بلا تفریق مذہب وملت رانا سانگا کی طرف جھک گئے تھے"

بابر نے حسن خاں کو جو کافر نعمت اور احسان فراموش لکھا ہے یہ بھی اس کی ہٹ دھرمی ہے اگر واقعی حسن خاں بابر کو ہندوستان کا شاہنشاہ تسلیم کر لینے کے بعد پھر بغاوت اختیار کرتا تب تو بابر کا ایسا کہنا کچھ درست بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن ابھی تک بابر کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ جس میں کے آمدی ہی کے پیر سندی والا معاملہ تھا۔ شہر دہلی اور آگرہ کے سوا ابھی بابر کے پاس دھرا ہی کیا تھا تمام سردار باغی ہو رہے تھے حکومت نے ہنوز استقلال حاصل ہی نہیں کیا تھا۔ پس ایسی مذبذب حالت میں کسے یقین ہو سکتا تھا کہ بابر ایک دن ضرور۔ ہندوستان کا شاہنشاہ بن جائے گا۔ اور سب کو اس کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اسی واسطے رانا سانگا اور حسن خاں نے مل کر سلطان محمود بن سکندر شاہ لودھی کو دہلی کا بادشاہ بنا کر اس کی مدد کی تھی کیونکہ ہندوستان کی حکومت کا وہی اصلی وارث تھا۔ لیکن مشیت ایزدی سے سلطنت ہند۔ خاندان لودھی سے منہ موڑ چکی تھی اس وجہ سے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی اور بابر تمام شمالی ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا ؎

یہ اپنا اپنا مقدر ہے کیا گلہ اس کا
کوئی فقیر کوئی شہر یار ہوتا ہے

اس موقعہ پر حسن خاں کا یہی فرض تھا کہ وہ اپنے پرانے آقاؤں کی جن کی بدولت اس کو

پہ عروج حاصل ہوا تھا ہر طرح سے مدد کرے۔

چونکہ ہندوستان کی حکومت ایک عرصے سے پٹھانوں کے قبضے میں چلی آ رہی تھی اس لئے شاہنشاہی حقوق بابر کی آمد کے وقت سلطان ابراہیم لودھی کو اور اس کے بعد سلطان محمود بن سکندر لودھی کو حاصل تھے جن کی شاہنشاہی کے ماتحت رانا سانگا اور حسن خان وغیرہ سردار اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہ بنے ہوئے تھے اگر یہ لوگ سلاطین مذکورہ بالا سے بغاوت کرتے تب تو ان کی طرف سے حسن خاں کے لئے کافر نعمت اور احسان فراموش وغیرہ کے الفاظ درست مانے جا سکتے تھے۔ نہ کہ بابر کی طرف سے جس کا ابھی تک کوئی حق قائم ہی نہیں ہوا تھا۔ اگر جہاد کا خیال کیا جائے تب بھی بابر کسی طرح حق پر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ بابر کے حملے کے وقت ہندوستان دارالاسلام تھا نہ کہ دار الحرب۔ جس میں سلطان ابراہیم لودھی مسلمان بادشاہ موجود تھا اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر بلا وجہ صرف ملک گیری کی ہوس میں حملہ کر دینا شرعاً ناجائز ہے اور اس میں طرفین کے مسلمانوں کی خوں ریزی کا عذاب حملہ آور کی گردن پر عاید ہوتا ہے دوسرے یہ کہ بابر بادشاہ محمود غزنوی اور محمد غوری کی طرح صرف اسلام کی اشاعت کے لئے بھی ہندوستان نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کے پاس اس کے آباؤ اجداد کے ملک میں سے ازبکوں کے سردار شیبانی خاں نے ایک بالشت زمین ہی نہیں چھوڑی تھی اور ناچار یہ اپنی بہن خانزادہ بیگم کو شیبانی خاں کے نکاح میں دیکر اور اس سے رہائی حاصل کر کے ننگے سر ننگے پاؤں معہ اپنے حرم سرا کے آدھی رات کے وقت سمرقند سے ہندوستان کی طرف بھاگا تھا۔ اور یہاں آکر ایک مسلمان بادشاہ پر جس کے گھرانے میں پشتوں سے حکومت چلی آتی تھی حملہ کر دیا ان وجوہات سے وہ غازی کہلانے کا بھی مستحق نہیں تھا۔ البتہ غاصب سلطنت ضرور کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس نے ہندوستان پر اچانک لٹیروں کی طرح چھاپہ مارا تھا۔ حالانکہ اس طرح حکومت حاصل کرنے کا اخلاقاً۔ نہ تھا اور قانوناً اس کو کوئی بھی حق حاصل نہ تھا۔ اور یہ سب کچھ اس کی کارروائی غاصبانہ تھی اسی وجہ سے حسن خاں وغیرہ نے ملکر جوانمردی سے اس کا مقابلہ کیا۔ اور نامردوں اور کم ہمتوں کی طرح ملک اس کے حوالہ نہیں کر دیا تھا۔ البتہ فتح و شکست خدا کے اختیار ہے وہ جس کو چاہے دے لیکن اس سے جو کچھ بن پڑا اپنے ملک کی حفاظت کے لئے وہ کیا۔ شعر

فتح و شکست مقدر پہ ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

افغانوں کے حق موروثیت کے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بھی لکھتے ہیں کہ خاندان تیموریہ کے خوشامدی مورخ ناحق شیر شاہ کو کافر نعمت اور غاصب سلطنت لکھتے ہیں وہ افغان تھا جن کی سلطنت عرصے سے ہندوستان میں چلی آرہی تھی اور ہمایوں کی نسبت وہی مستحق تھا۔ دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۳۲۳۔

البتہ فتح کے بعد بابر کی بن پڑی اس لئے وہ جو چاہے لکھدے اس کے ہاتھ میں قلم تھی اس لئے اس نے دلیکن قلم در کف دشمن است پر عمل کر کے جو چاہا اپنی تزک میں لکھدیا یا لکھوادیا رانا سانگا پر فتح حاصل کرنے کے بعد بھی میوات کی طرف سے بابر کے دل پر خوف چھایا ہوا تھا اس لئے اس نے دوبارہ میوات کو برباد کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں بابر خود بھی اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ فتحپور سیکری کی فتح کے بعد میں نے ہندوؤں کا ملک چھوڑ کر سب سے پہلے میوات کا نظم و نسق ضروری سمجھا۔ اسی لئے میں نے وہاں سے چلکر اور متواتر چار پانچ کوچ کر کے الور سے چھ کوس پر آکر ڈیرے ڈال دیئے اور چند سرداروں کو حکم دیا کہ میوات کے بدمعاشوں اور باغی خانزادوں کو قرار واقعی سزا دیں اور وہاں کا معقول انتظام کر دیں۔ تاکہ آئندہ کے لئے کوئی خرخشہ باقی نہ رہے فتح کے بعد میں نے تجارہ میں چین تیمور سلطان کو حاکم مقرر کیا اور پھر میں ماہ رجب میں الور گیا وہاں ایک روز ٹھہر کر تمام خزانے شاہزادے ہمایوں کے حوالے کئے اور الہ وردی خاں کو وہاں حاکم مقرر کیا غرض میں نے میوات کا انتظام سابق سے اچھا کر دیا چونکہ بابر کو ہر وقت میوات کی طرف سے یہ کھٹکا تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی دوسرا حسن خاں جیسا نکل کھڑا ہو اس لئے اس نے اس موقعہ پر میوات کے خانزادوں کو جلا وطن کرنے میں کوئی کمی نہیں کی چنانچہ صوبہ بہار دیوبلی اور راجپوتانہ میں جو خانزادے اب آباد ہیں ان میں سے زیادہ تعداد اسی زمانہ کی نقل مکان کئے ہوئے ہے،،

یہ بابر کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے زمانہ میں کوئی اصلی یا نقلی حسن خاں پیدا نہیں ہوا البتہ خاندان سور کے زمانہ میں ایک نقلی حسن خاں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ جس کو ملا عبد القادر بدایونی اور بیرم خاں خانخاناں نے بھی دیکھا تھا۔

اس نقلی حسن خاں کے پیدا ہونے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ حسن خاں کو کتنا بڑا بہادر۔ جوانمرد اور جانباز سردار مانتے تھے اسی وجہ سے فرضی یا نقلی حسن خاں بن کر ہی اپنی توقیر بڑھانا چاہتے تھے اور یہ سب کچھ اس اصلی حسن خاں کے رعب و داب کا اعجاز ہے جس کو بابر مردود۔ ملحد کافر نعمت۔ احسان فراموش وغیرہ لکھتا ہے سے

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

(۴) جنگ فتح پور سیکری

۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء میں ہندوستان کے اندر ایک نئی طاقت کا ظہور ہوا یعنی بابر کی لڑائی ابراہیم لودھی سے ہوئی۔ جس میں سلطان ابراہیم کے مددگاروں میں حسن خاں میواتی بھی معہ اپنے دو بیٹوں اور مذہب کے تھا لیکن اس لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست ہو گئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔

چونکہ بابر کو اپنے بھائیوں اور اہل ملک سے کچھ بہتری کی امید نہ تھی اس لئے اس نے اپنے آباؤ اجداد کی مانند ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد واپس جانا نہیں چاہا۔ کیونکہ اپنے ملک میں اس کے پاس دھرا ہی کیا تھا۔ پس اس کے اس ارادے کو دیکھ کر ہندوستان کے تمام سردار بلا تمیز مذہب و ملت بابر کے برخلاف رانا سانگا کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حسن خاں نے بھی بارہ ہزار سواروں سے اور سلطان محمود بن سکندر شاہ نے دس ہزار سواروں سے اور صلاح الدین نے بیس ہزار سواروں سے سانگا کی مدد کی تھی ان مسلمان سرداروں کے علاوہ بہت سے ہندو راجے اور راناؤں نے بڑی بڑی فوجیں بھیجیں۔ آخر ۹۳۳ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۵۲۷ء کو رانا سانگا دو لاکھ آدمیوں کا لشکر لیکر بابر کے مقابلہ پر آیا۔ مقام کاماں علاقہ بیانہ پر جو فتح پور سیکری سے آٹھ میل پرے ہے دو نو فوجوں کا مقابلہ ہوا یہ وہ وقت تھا جب کہ ہندو مسلمان سرداروں نے مل کر آخری کوشش اپنی آزادی کے واسطے کی تھی۔ مہارانا سانگانے یہ کچھ کر حسن خاں کو دعوت دی تھی۔ کہ وہ اس قوم کی مدد کرے جس میں سے وہ خود پیدا ہوا ہے تاکہ مسلمان کی طاقت کو جو شمال کی طرف سے بڑھی ہے روکا جا سکے چونکہ حسن خاں کی طاقت اس زمانہ میں بہت زبردست تھی بابر خود یہ جو کچھ سوزش و بغاوت اور فتنہ فساد پیدا کرنا چاہتا تھا وہ کر سکتا تھا ہم نے اس کو اپنی جانب ملانے میں بے فائدہ کوشش کی کیونکہ اس تمام محبت ہندؤں کے ساتھ تھی۔ اور اس کے علاقہ کی موجودگی نے جو کہ دہلی کے ساتھ ملحق تھا میری مخالفت کو بہت کافی خطرناک بنا دیا تھا سلطان محمود بن سکندر شاہ اس وجہ سے بابر کا مخالف تھا کہ اس کو اپنے بھائی ابراہیم لودھی کے جوش خون کی وجہ سے اور لودھی خاندان سے سلطنت جاتے رہنے سے سخت رنج تھا۔

حسن خاں فقیروں کا بھی معتقد تھا۔ سید جمال صاحب بہادر پوری سے بیعت رکھتا تھا اسی لئے اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر لڑائی کی اجازت طلب کی اور مریدانہ پیش کش

پیش کرکے فتح کی دعا کے لئے طالب ہوا۔

کہتے ہیں سید جمال صاحب مرد باکمال تھے انہوں نے حسن خاں کو بابر کے ساتھ لڑنے سے منع فرمایا تھا اور یہ کہا تھا کہ بابر دیندار بادشاہ ہے اس پر فتح پانا دشوار ہے لیکن خدا کی مرضی یہی تھی۔ حسن خاں نے اپنے پیر کے حکم کو بھی ٹال دیا اور بہادر پور سے واپس ہو کر اندر کے قلعہ میں پہونچا۔ اور وہاں سے فوج لیکر بہت جلد رانا کی مدد کے لئے آگرہ جا پہونچا۔ آخر طرفین میں بڑے زور کی خونریز جنگ واقعہ ہوئی۔ صبح سے عصر تک لڑائی ہوتی رہی ٹاڈ صاحب اپنی تاریخ میں اس لڑائی کی شکست کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ:-

> سانگا کے طرفداروں کو دو وجہ سے شکست ہوگئی۔ اول یہ کہ بابر کے پاس توپخانہ تھا جس کے گولوں سے ہندوستانیوں کے پرے کے پرے صاف اڑ گئے۔ دوسرا سبب یہ کہ تلوار سے تلوار بج رہی تھی تیر پر تیر برس رہے تھے۔ گولے پر گولا پڑ رہا تھا لڑائی کے دونو پلے برابر تھے کسی کو خبر نہ تھی کہ فتح کا رخ کدھر ہے کہ اس حالت میں ایک تنور قوم کے سردار نے رانا سانگا کے ساتھ دغا کی یہ نمک حرام مقدم لشکر تھا۔ ہراول فوج کی باگ اسی کے ہاتھ میں تھی۔ جب ایسا سپہ سالار دفعۃً دشمن سے ملجائے۔ اور اپنی ہی تلوار اپنی گردن پر وار کرنے لگے تو کیونکر دل اوچھا نہ ہو۔
>
> دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۴۷۵

اگرچہ ہندوستانی سرداروں نے بڑھ بڑھکر حملے کئے لیکن چونکہ ان کے پاس توپخانہ نہ تھا بلکہ تیر و کمان اور تلوار تھی۔ بھلا توپ کے سامنے تیر و تلوار کیا کام دے سکتی ہے بابر کے توپ خانہ نے ہر ایک آگے بڑھنے والے سردار کی فوج کو بھون ڈالا اور فوجوں کے پرے کے پرے اڑا دیئے جس سے بابر کو فتح ہوگئی اور رانا سانگا میدان جنگ سے اپنی جان لیکر بھاگ گیا اور اپنے ہمراہیوں سے غداری کرکے ان کو وہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا چھوڑ گیا اور چتوڑ کے راناؤں کے نام کو بٹہ لگ گیا۔ البتہ حسن خاں میواتی جوانمردی کے ساتھ وہیں لڑتا رہا اور بابر جیسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر بنا رہا حسن خاں کے دوسرے مسلمان ہمراہی سردار سلطان محمود نے بھی رانا سانگا کی رفاقت میں اپنی جان قربان کردی۔

واقعی بہادری اسی کا نام ہے باوجودیکہ ہندوؤں میں سے ہی سلہدی نامی رئیس

ہمالیسین باغی ہو کر بابر سے مل گیا تھا جس سے ان لوگوں کو یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا اگر یہ مسلمان سردار بابر سے مل جاتے تو چنداں تعجب نہ تھا۔ لیکن یہ سب کے سب وفا کے پتلے نکلے۔

اثنا رجنگ میں حسن خاں کا گھوڑا نشیب میں اگر ٹھوکر کھا گیا جس سے حسن خاں گھوڑے کی پیٹھ سے گر گیا۔ بابر کی فوج نے پہچان کر اسے قتل کر ڈالا اور ایک زبردست دشمن کے مارے جانے پر اس کی تمام سپاہ میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے تھے ؎

رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

افسوس حسن خاں کی عمر نے وفا نہ کی۔ ورنہ اس نے اپنے دل میں یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ بغیر فتح کئے ہوئے الور میں واپس نہ آؤنگا اور بیشک اگر وہ مارا نہ جاتا۔ تو ضرور اپنے ارادے کو پورا کر کے چھوڑتا یا کوئی اس کا وارث ہی ایسا صاحب ہمت اور دور اندیش ہوتا تو بابر کی اولاد کو ہندوستان کی سلطنت کبھی میسر نہ ہوتی۔

اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں ناہر خاں پسر حسن خاں اور جمال خاں و فتح جنگ خاں چچا زاد بھائی حسن خاں کے اور حسین خاں برادر حقیقی حسن خاں نے بجز اطاعت کوئی چارہ نہ دیکھا اس لئے یہ سب بابر کے پاس حاضر ہو گئے اور متوفی کی لاش کو اپنے وطن الور میں لیجانے کی درخواست کی بابر نے درخواست منظور کر لی کیونکہ یہ سب لوگ درخواست کرنے والے بڑے پایہ کے سردار تھے اور ساتھ ہی حسن خاں کے قریبی رشتہ دار تھے۔

الغرض برادران حسن خاں نے اس کی لاش کو میدان جنگ سے لاکر الور کی آبادی کی شمالی جانب دفن کر دیا۔ اور اس کی قبر پر ایک بڑا گنبد تعمیر کرا کر اس جگہ کا نام حسن کی رکھدیا چنانچہ وہ جگہ آجتک اسی نام سے مشہور ہے ::

اس لڑائی کا سن وقوع ایک ہندی دوہے سے یوں عیاں ہوتا ہے ؎

پندرہ سو چوراسی پڑا
حسن خاں جب بابر سے لڑا

اور بابر والوں کی طرف سے فارسی تاریخ "فتح بادشاہ اسلام" نکالی گئی

چین تیمور نے حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں کو یہاں کا قدیمی جاگیردار اور اقبال وادبار کو من جانب اللہ خیال کر کے باپ سے ناہر خاں کا قصور معاف کرا دیا اور ایک معقول جاگیر دلا دی جس کی آمدنی سات لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

خانزادوں کا تنزل

بابر لکھتا ہے کہ راجہ حسن خاں کے سرداروں میں ایک شخص کرم چند نامی ہندو سردار بھی تھا۔ وہ اس وقت بھی آگرے میں میرے پاس آیا تھا جبکہ حسن خاں کا بیٹا ناہر خاں میرے پاس موجود تھا اور اب پھر دوبارہ بھی حسن خاں کے مارے جانے اور حکومت میرے قبضے میں آجانے کے بعد بھی میرے پاس آیا اور ناہر خاں کی طرف سے مراحم خسروانہ کی مجھ سے درخواست کی۔ میں نے اس کے ساتھ اپنا ایک سردار عبدالرحیم بھیج دیا۔ اور خطوط لکھ دیے تاکہ انکو پڑھکر ناہر خاں کے دل کو اطمینان ہوجائے۔ اور اس کے دل سے خوف جاتا رہے وہ میری اس مہربانی کو دیکھکر میرے پاس چلا آیا۔ میں نے اس پر عنایت کی اور اسکو سات لاکھ ٹنکہ نقرئی سالانہ کا ایک پرگنہ بطور جاگیر اس کے گزارے کے لیے دے دیا۔

حسن خاں کے مارے جانے کے بعد خانزادے سرداروں کی ڈھائی سو سال کی حکومت جاتی رہی اور ان کی پولٹیکل طاقت بالکل درہم برہم ہوگئی اس کے بعد پھر کبھی خانزادہ قوم کے اندر بہادر ناہر خاں راجہ جلال خاں۔ اقبال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں جیسے اولوالعزم بہادر سردار دکھائی نہیں دیتے جوکہ کبھی شاہان دہلی کے موافق نظر آتے تھے۔ اور کبھی مخالفت بجاتے تھے اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے کے خانزادوں کی مقامی حیثیت پھر بھی بڑی زبردست اور شاندار رہی تھی جوکہ پچھلی صدی تک قائم رہی

حسن خاں کی حکومت کی وسعت

جس ملک پر خانزادوں نے حکومت کی تھی اسکی وسعت مسلمان مورخوں کی کتابوں۔ مقامی روایتوں اور ان عمارات کے کھنڈروں سے جوکہ انہوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنائے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ریواڑی۔ جھجر۔ تھنہ۔ اندور۔ چھوکرہ۔ تاوڑو۔ فیروزپور جھرکا۔ گوڑگانوہ۔ بادشاہپور۔ بھونڈسی۔ سجارہ۔ کشن گڑھ۔ الور۔ ڈھیکرہ۔ بہادرپور۔ رام گڑھ۔ پہاڑی۔ کاماں۔ کھوہ کلاں گھساولی عرف گوبند گڑھ وغیرہ پرگنے جن میں سے ہر ایک کے ماتحت انتظامی طور پر کئی کئی سو مواضعات لگائے ہوئے تھے وہ سب کے سب خانزادوں کے قبضے ودخل میں تھے بہت سے گنبد۔ مسجد۔ عیدگاہیں۔ سرائیں۔ سڑکیں مقبرے۔ قلعے آبادیاں وغیرہ جو آجتک موجود پائی جاتی ہیں انہیں

بسائے ہوئے اور بنائے ہوئے ثابت ہوتے ہیں،،

حسن خاں نے اپنے زمانہ میں اپنے استحکام اور حفاظت کے واسطے کوہ الور پر ایک بڑا مضبوط پختہ قلعہ تعمیر کرایا تھا جو آجتک موجود ہے پہلا حافظ جو نکوموں کے زمانہ میں صرف ایک بغیر چونے کا کوٹ پتھروں کا ڈھیر تھا۔ اس کو دور کرا کر وہاں پہنے سرے سے قلعہ بنوایا جس کی تیاری کے لئے بہت بڑی رقم خرچ کے لئے منظور کی تھی ۹۲۸ھ میں اس قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی اس کی تعمیر کی تاریخ زبنا رخیر نہادہ سے نکالی گئی جس کے عدد ۹۲۸ ہوتے ہیں۔ اس قلعہ کے چار دروازے پچیس۔ برج۔ اور تین ہزار کنگروں سے اس کی چار دیواری بنائی گئی تھی قلعہ کا محیط آٹھ ہزار گز حسب پیمائش رکھا گیا ہے چار دیواری کی بلندی اٹھارہ ہاتھ ہے۔ فصیل بھی بہت چوڑی رکھی گئی ہے قلعہ کے اندر متعدد مکانات اور باوڑی اور کوٹھیں تعمیر کرائے گئے ہیں۔

حسن خاں کی عادات و اطوار

حسن خاں بڑا مہمان نواز تھا۔ ایک دفعہ جب ۹۳۱ھ میں شہزادہ بہادر خاں ولد مظفر خاں گجراتی خواجہ معین الدین صاحب اجمیری کے مزار کی زیارت کرکے واپس جانے لگا تو وہ حسن خاں میواتی کی تعریف سنکر اس سے ملنے کے لئے میوات میں آیا حسن خاں نے اس کی آمد کی خبر سن کر چند منزل آگے بڑھکر اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اور بڑی دھوم دھام سے ضیافت و مہمانداری کا حق ادا کیا۔

حسن خاں شجاعت و بہادری میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ فتحپور سیکری کی لڑائی میں رانا سانگا بھی اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ مگر حسن خاں آخر وقت تک جوانمردی اور ثابت قدمی کے ساتھ بابر جیسے زبردست دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر بنا رہا اور وہیں جان دیدی لیکن پیٹھ نہ دکھائی۔

حسن خاں شاعر بھی تھا اس کا دل تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کی طرف بہت راغب تھا چنانچہ وہ اپنے زمانہ کے شاعروں میں شعر و سخن کا استاد مانا جاتا تھا یہ رباعی خود اسی کی طبعزاد ہے

شب تاریک و رہ باریک منزل دور راہے نے ٭ دو چشم کور بے ہمرہ بجز ایزد پناہے نے
کنند ہر دم حسن خاں ایں ثنائے ذات پاک حق ٭ کہ او شاہ است بر شاہاں دبر قدر ایچ شاہے نے

حسن خاں کی عادات وغیرہ اور علمی لیاقت کے متعلق ملا عبدالقادر بدایونی نے جو عبارت منتخب التواریخ میں اپنی حسب عادت حسن خاں کو ہندی نژاد ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کی فہرست میں داخل کرکے لکھی ہے اس میں بیساختہ طور پر اس کی قلم سے ایسے الفاظ بھی نکل گئے ہیں جن سے حسن خاں کی سراسر تعریف و توصیف پائی جاتی ہے ہم اس اصل عبارت کو معہ ترجمہ یہاں پر بجنسہ نقل کرتے ہیں،،

در جنگ بابر تیرے بر پیشانی حسن خاں میواتی کہ او کافر کلمہ گو بود رسید۔
بعد از مرگ مردم او را در چاہے انداختند۔ ودر بیقراری نہادند و او در چاہ جہنم مے افتد
اگرچہ شخصے میواتی در سنہ نہصد و شصت بعد از فوت سلیم شاہ افغان سور در میوات خروج کردہ خود را حسن خاں مے گفت۔ و بعضے از نشانہائے پنہانی بہ میواتیاں مے گفت۔ و جمعے او را قبول کردہ بودند۔ و جامع ایں منتخب نیز در سنہ نہصد و شصت و پنج در آگرہ او را دیدہ بود۔ آثار نجابت و سرداری از شکل و روئے او ہیچ معلوم نمے شد۔ و خان خاناں بیرم خاں مرحوم مے گفت کہ حسن خاں مذکور مرد صاحب جمعیت و بادشاہ نشانے بودہ۔ و طبعے نظمے داشت و ابیات او میان مردم مشہور است و ایں مرد کہ خود بگو اسمے ماند صورت او تمام مسخ شدہ مے نماید۔ حاشا و کلا ایں آں حسن خاں باشد۔ و بعد از چند گاہ بعضے از خانزادہائے میواتی بنا بر حمیت و غیرت او را بقتل رسانیدند)

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ ۱۸۶۸ء کلکتہ کالج پریس "

اردو ترجمہ۔ بابر کی لڑائی میں حسن خاں میواتی کی پیشانی پر کہ وہ کافر کلمہ پڑھنے والا تھا ایک ایک تیر لگا اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کو ایک کوئیں میں ڈال دیا اور خود بھاگ گئے اور اب حسن خاں دوزخ میں پڑا ہوا ہے "

اگرچہ ایک میواتی آدمی سن نوسو ساٹھ ہجری میں سلیم شاہ سوری پٹھان کے مرنے کے بعد میوات میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو حسن خاں کہتا تھا اور کچھ پوشیدہ نشانیاں بھی میوات کے رہنے والے لوگوں کو وہ کہتا تھا۔ اور بہت سے لوگوں نے اس کے کہنے کا اعتبار بھی کر لیا۔ اور اس تاریخ کے لکھنے والے نے یعنی خود ملا صاحب نے بھی سن نوسو پینسٹھ ہجری میں آگرہ میں اس کو دیکھا تھا۔ لیکن سرداری اور بزرگی کے نشانات اس کے چہرہ اور شکل سے کچھ معلوم نہیں ہوتے تھے اور بیرم خاں خاناں مرحوم بھی یہی کہتے تھے۔ کہ حسن خاں مذکور فوج ولشکر کا مالک اور بڑے رعب و داب والا اور بادشاہوں جیسی نشانیاں رکھنے والا تھا اور وہ شاعر بھی تھا چنانچہ اس کے شعر بھی لوگوں میں مشہور ہیں لیکن یہ تو کوئی گنوار معلوم ہوتا ہے اسکی تمام شکل بدلی ہوئی اور خراب معلوم ہوتی ہے یہ ہرگز وہ حسن خاں نہیں ہے چنانچہ میواتی خانزادوں نے اس کی شکل وصورت سے نفرت اور غیرت کھا کر اس کو قتل کر دیا۔

٭ **حسن خاں کی وفات** " اس کی وفات کے بارہ میں مورخوں کا اختلاف ہے شیخ محمد

مخدوم صاحب۔ مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرزا محمد قاسم ذر جمانہ مسٹر جمیز ٹاڈ صاحب، سید الطاف حسین صاحب وغیرہ تو اپنی اپنی تاریخوں میں حسن خاں کا میدان جنگ میں بندوق کی ضرب سے مارا جانا لکھتے ہیں اور مسٹر سی اے۔ ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں یہ لکھتے ہیں کہ حسن خاں یا تو لڑائی میں مارا گیا۔ یا لڑائی کے بعد ہی اس کے رشتے داروں کی سازش سے قتل کرا دیا گیا۔ چنانچہ اس کا مقبرہ الور میں موجود ہے اور ملا عبدالقادر بدایونی یہ لکھتے ہیں کہ اس کی پیشانی پر تیر لگا تھا جس سے وہ مر گیا۔ اور لوگوں نے اس کو کوئیں میں ڈال دیا۔

منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی اپنی تاریخ میں یہ لکھتے ہیں کہ حسن خاں کے بھائی بیٹوں نے اس کی لاش میدان جنگ سے اپنے وطن الور میں لا کر دفن کر دی اور اس پر مقبرہ بنا دیا۔ اس جگہ کا نام آج تک حسن کی مشہور چلا آتا ہے۔

نواب جمال خاں برادر حسن خاں جاگیردار الور

جمال خاں کو بعض مورخ حسن خاں کا حقیقی بھائی اور بعض چچا زاد بھائی لکھتے ہیں جب سکندر شاہ لودھی بادشاہ بنا۔ تو اس نے رشتے کے تعلق کی وجہ سے جمال خاں کو بھی اپنے امرا میں داخل کر کے جون پور کا حاکم بنا دیا تھا۔

جس وقت اکبر ہندوستان کا بادشاہ بنا تو اس نے اپنے باپ ہمایوں کی بدخلقی کو یاد کر کے ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اپنی رشتہ داریوں کی بنیاد ڈال کر ان کو اپنا یار و مددگار بنانا چاہا کیونکہ ہندوستان کی تسخیر کے لئے اس تدبیر سے بہتر کوئی تدبیر نہیں تھی۔ اسی وجہ سے اس نے بیرم خاں خان خانان کی صلاح و مشورہ سے جمال خاں چچا زاد بھائی حسن خاں سے رشتہ کا تعلق پیدا کیا تھا۔

چونکہ جمال خاں کے دو لڑکیاں تھیں جن میں سے بڑی لڑکی اکبر بادشاہ کو بیاہی گئی اور چھوٹی اس کے وزیر اعظم بیرم خاں کو جس سے اس کا بیٹا عبدالرحیم خاں خان خاناں پیدا ہوا تھا۔ جو کہ اکبری نورتنوں میں بڑا مشہور آدمی ہوا ہے جمال خاں کی بڑی لڑکی کی شادی میں جس کا نام شاد بانو تھا اور جس کے بطن سے اکبر کی دو لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں مورخوں کا اختلاف ہے چنانچہ تاریخ فرشتہ دربار اکبری۔ مرقع الور۔ تاریخ ضلع گوڑگانوہ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ وغیرہ میں تو یہ شادی اکبر بادشاہ کے ساتھ ہوئی بیان کی گئی ہے لیکن مآثر الامرا اور گزیٹیر الور میں ہمایوں بادشاہ کے

ساتھ عقد ہونا لکھا گیا ہے۔"

شادو بانو بیگم کی شادی سے پہلے اکبر کی پانچ شادیاں اور بھی ہو چکی تھیں۔ چھٹی بیوی یہ شادو بانو تھی۔ اس کے بعد اکبر کی دو شادیاں اور ہوئیں۔"

چونکہ جمال خاں کی بڑی لڑکی کی شادی میں یہ اختلاف ہے کہ وہ اکبر بادشاہ کے ساتھ ہوئی تھی یا ہمایوں کے ساتھ۔ اس لئے ہم ناظرین کی دل چسپی کے لئے تمام حوالوں کو تاریخوں سے اخذ کر کے یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) مولوی محمد حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ:۔

بیرم خاں کو تو ایک عالم جانتا ہے اب عبدالرحیم کی ماں کا خاندان بھی سن لو۔ کہ جمال خاں میواتی کی بیٹی اور حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی۔ بڑی بہن اکبر بادشاہ کے محل میں تھی اور چھوٹی وزیر کے حرم سرا میں۔ خاں بادشاہ نے خود عبدالرحیم نام رکھا۔ کتاب دربار اکبری صفحہ ۵۵۷

۲۔ شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

حسن خاں خانزادہ رئیس الور کا ایک بھائی جمال خاں تھا اس کی دو لڑکیاں تھیں ایک اکبر بادشاہ کے عقد میں آئی تھی اور دوسری بیرم خاں مدار المہام سلطنت کو بیاہی گئی جس سے عبدالرحیم خاں خاناں پیدا ہوا) کتاب اثر رنگ نجارہ صفحہ ۲۵

۳۔ سید الطاف حسین صاحب لکھتے ہیں کہ۔

جب ۹۶۸ھ میں بیرم خاں وزیر بدست مبارک خاں لوحانی مارا گیا۔ تو بیرم خاں کے ملازموں نے اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو معہ اس کی والدہ کے جو کہ دختر جمال خاں چچا زاد بھائی حسن خاں خانزادہ کی تھی احمد آباد گجرات میں پہونچا دیا۔ دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۱۴۱

۴۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ:۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور وغیرہ ملازمان بیرم خاں نے اس کے فرزند مرزا عبدالرحیم کو جو کہ ماہ صفر ۹۶۴ھ میں پیدا ہو کر اس وقت چار برس کا تھا اس کی والدہ کے ہمراہ جو کہ دختر جمال خاں چچیرے بھائی حسن خاں میواتی کی تھی۔ احمد آباد گجرات میں لے گئے۔ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۵۷

۵۔ مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب پولٹکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ۔

ہمایوں بادشاہ کی جو لڑائی سخت دہلی کو واپس لینے کے لئے شیر شاہ بادشاہ کے خاندان والوں سے ہوئی تھی اس میں خانزادوں نے مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ ہمایوں بادشاہ نے جمال خاں خانزادہ کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی یہ جمال خاں حسن خاں خانزادے کا جو کہ بابر بادشاہ کا حریف تھا چچا زاد بھائی تھا اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خاں خان خاناں سے ہوئی تھی جس سے عبدالرحیم پیدا ہوا تھا (ترجمہ گزیٹیر الور صفحہ ۱۷۱)

۶ میر عبدالرزاق صاحب لکھتے ہیں کہ امرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خان است والدہ اش از دختر خانزادہ ہائے میوات بود۔ چوں جنت آشیانی در سن نہصد و شصت و یک بدار الملک دہلی نزول اقبال نمودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شد برائے . . . . استمالت و تالیف زمینداران اطراف و جوانب لیلائے دولت را با فرزندان آں طبقہ نسبت می کرد جمال خاں عم زادہ حسن خاں میواتی کہ از زمینداران معتبر ہندوستان بود چوں ابلاغ نسبت رسید۔ دو صبیہ داشت۔ کلاں را پادشاہ در حبالہ عقد خود آورد۔ و دوم را بہ بیرم خاں تزویج فرمود (کتاب مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۶۹۳ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء)

(۷) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی تحریر کرتے ہیں کہ امیوات کے زمینداروں کی تسلی و تشفی کرنے کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں سے رشتے ناطے کرنے شروع کر دیئے حسن خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی اور دوسری کے ساتھ بیرم خاں وزیر کی شادی کرائی اس وقت یہ ناطے رشتے کرنا انتظام ملکی کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۲۶ ۔

۸ یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ (خان خاناں مرزا عبدالرحیم پسر بیرم خاں وزیر اعظم کی ماں جمال خاں برادر حسن خاں میواتی کی بیٹی تھی۔ تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۹۵)

ان تمام حوالوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ خانزادوں کے ناموافق زمانہ میں بھی جگہ میوات کی حکومت انکے پاس سے نکل کر ہمایوں اور اکبر کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی انکا مقامی اقتدار مسلمہ تھا اسی واسطے شاہان دہلی نے ان کے ساتھ ناطے رشتے کرنے انتظام ملکی کے لئے ضروری خیال کئے تھے تاکہ پھر سابقہ تلخ تجربہ کا اعادہ نہ ہونے پائے جیسے بابر بادشاہ اپنے زمانہ میں حسن خاں خانزادے کے ہاتھ کر اٹھا چکا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ تھا کہ مسلمان بادشاہ ہندوستانی امراء کے ساتھ ان ناطے رشتوں کو ہندوستان کی تسخیر کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے تھے اکبر نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ترکوں کے خون کو ہندی شرفاء و امراء کے

خالص خون کے ساتھ مخلوط کر دوں۔ تاکہ باہم ایسی محبت پیدا ہو جائے جس کی بدولت یہ لوگ میری اطاعت دل و جان سے کرنے لگیں۔ چنانچہ یہ خیال اس کا بالکل صحیح نکلا ہندی نژاد امرا کو بھی ان ناطے رشتوں سے یہ فائدہ ہوا کہ اسلامی درباروں میں یہ لوگ بہت معزز گردانے جاتے تھے اور بڑے بڑے عہدے۔ جاگیریں خطابات اور انعامات حاصل کرنے لگے۔ جس زمانہ میں اکبر بادشاہ بیرم خاں سے ناراض ہو گیا تھا تو بیرم خاں نے اپنے متعلقین کو معہ اپنی بیوی دختر جمال خاں کے اس کے پاس اور میں برائے حفاظت بھیجد یا تھا جب وہ حج کو جانے لگا تو ۱۲ ماہ رجب ۹۶۷ھ کو اپنے متعلقین کو الور سے لا کر ساتھ لے گیا تھا۔

نوٹ:۔ اس موقعہ پر جو حوالہ جات ہم نے نقل کئے ہیں ان میں سے مآثر الامرا فارسی اور تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ کے اندر جمال خاں اور حسن خاں خانزادگان میوات کو ہندوستان کے بڑے معتبر اور عمدہ زمینداروں میں سے لکھا گیا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں تعلیم یافتہ طبقے کے اندر یہ زمیندار کا لفظ کچھ زیادہ شاندار نہیں سمجھا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان بادشاہ غیر مسلم حاکموں کو راجہ کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے اسی طرح انہوں نے ہندوستان کے ہندو اور مسلمان حاکموں کو یہاں کا عمدہ اور معتبر زمیندار بھی لکھا ہے

یہ زمیندار کا لفظ بہت معزز اور خود مختار حاکموں کے لئے بولا جاتا تھا جس کی چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔ جس سے اس لفظ کا معزز ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ شاہنشاہان دہلی اپنے زمانہ اوج و اقبال میں ہندوستانی تاجداروں کو عموماً زمیندار کہتے تھے اور یہ لفظ ہرگز تحقیر آمیز نہ تھا۔ بلکہ بھومیا راج کا ترجمہ ہے ہندوستان کے راجے لوگ بھومیا راج کہلواتے تھے چھتری راجپوتوں میں اس لفظ کی بڑی قدر ہے بڑے بڑے تاجداران ملک بھومیا راج یا زمیندار کا لفظ اپنے تئیں کہلوانا بہت پسند کرتے تھے پس اسی خیال کے مطابق مسلمان بادشاہوں نے بھی یہاں کے حاکموں کو زمیندار کہا ہے۔ دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۹۵ ایڈیشن پنجم مطبوعہ لاہور۔

۲۔ زمیندار اور بھومیا راج کا لفظ ہندوؤں میں اس زمانہ سے پہلے کا خطاب ہے جب اہل اسلام نے مالک زمین کے لئے زمیندار کا اصطلاحی لفظ جاری کیا تھا یہ زمیندار لوگ قدیم سے والیان ریاست کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے تئیں آزاد اور مالک اراضی جانتے ہیں۔ ان کی جاگیرات وغیرہ ضبطی یا واپسی سے بری ہوتی تھیں ایسی جاگیر کے لئے جاگیرداروں کی

راں نیکی بھی اٹاڈر اجستھان جلد اول صفحہ ۳۷۲

۳۔ مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری نے اپنی تاریخ کارنامہ راجپوتاں ہند کے صفحہ ۹۸ میں رانا امر سنگھ اور رانا پرتاپ سنگھ کو زمیندار لکھا ہے۔

۴۔ مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی نے تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۲۴ میں یوسف علی بادشاہ کشمیر کو اور اسی جلد کے صفحہ ۹۰۵ میں عادل خاں حاکم بیجاپور کو زمیندار لکھا ہے۔

۵۔ ابوالفضل نے رانا رتن سی والی چتوڑ کو زمیندار لکھا ہے دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۴۷۳۔

غرض یہ زمیندار کا لفظ بہت بڑے بڑے خود مختار راجاؤں اور بادشاہوں کے لئے لکھا جاتا تھا۔ اسی رسم قدیم کے موافق میوات کے خانزادوں کو بھی تاریخوں کے اندر ہندوستان کے معتبر اور عمدہ زمیندار اور خانان میوات لکھا گیا ہے۔

۶۔ انگلستان میں بھی زمیندار کا لفظ بڑا معزز سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہاں زمیندار کو لینڈ لورڈ یعنی نواب کہتے ہیں۔

۳۔ نصون سلطان خان بن بہادر خان جاگیردار گرہ جھجر و ریواڑی؟

چونکہ ان کو وراثت میں کوٹ قاسم۔ بڈسرہ۔ سرہٹہ۔ اور بوبکا ہیڑہ ملا تھا۔ لیکن شاہ محمد خاں ان کا تایا لاولد مر گیا تھا۔ اس لئے اس کو گود لینے کی وجہ سے ریواڑی اور جھجر بھی اسے مل گیا تھا نصون سلطان خاں کے چھ بیٹے پیدا ہوئے اول حسن خاں جس کی اولاد میں کوٹ قاسم کے خانزادے ہیں دوسرا حسین خاں جس کی نسل سے بوبکا ہیڑہ اور بڈسرہ کے خانزادے ہیں۔ تیسرا دولت خاں جس کو موضع بڑلولی ملا تھا۔ چوتھا کمال خاں جس کے حصے میں بیٹھوارہ آیا تھا پانچواں بہلول خاں جس کے حصے میں سرہٹہ آیا تھا چھٹا گدائی خاں جو خاص ریواڑی میں مسند نشین ہوا۔

کوٹ قاسم کے خانزادوں میں بڑے بڑے جاگیردار سردار گزرے ہیں۔ چنانچہ اس ناموافق زمانہ میں بھی ان کے پاس گردونواح میں چند مواضعات جاگیر میں تھے لیکن ان لوگوں نے اپنے امیرانہ ٹھاٹ باٹ اور فضول خرچی کی بدولت یہ گاؤں امیروں کے پاس گروی رکھ دیئے ہیں اور اگر یہی لیل و نہار رہیں تو آئندہ بیع کرنے کی بھی نوبت پہونچیگی۔

حسن خاں کی اولاد میں ایک شخص قاسم خاں پیدا ہوا ہے جس نے قصبہ کوٹ کو آباد کیا تھا اور اپنے نام پر اس کا نام کوٹ قاسم رکھا۔ قصبے کے گرد ایک خام فصیل بھی بنائی تھی جواب گر گئی ہے

کوٹ قاسم میں حضرت لاڈو خاں عرف لال محمد صاحب ایک باکمال ولی اللہ پیدا ہوئے تھے جن کی خوشہ چینی اور روحانی فیض کے طفیل بہت سے بزرگوار خدار سیدہ بن کر ان کے سجادہ نشین مقرر ہوتے رہے ہیں۔

حضرت لاڈو خاں صاحب کی ولادت اور سکونت کے سبب کوٹ قاسم دور دور تک مشہور ہو گیا ہے ان کے حالات زندگی ہمیں جناب حافظ مجید الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ شعیبیہ قصبہ بجارہ نے عطا فرمائے ہیں۔ جو امیر ابو العلا صاحب اکبر آبادی کے تصنیف کردہ اور شاہ ابو البرکات صاحب بجاروی کے ترجمہ کردہ ہیں اور آپ کا نسب نامہ جدی میرے ماموں صاحب قبلہ یوسف خاں صاحب متوطن کوٹ قاسم کا عطیہ ہے جو لاڈو خاں صاحب کے خاندان میں سے ہیں اور ان کی درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین بھی ہیں۔

حضرت لاڈو خاں صاحب بہادر خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں ہوئے ہیں۔ ان کے والد کا نام حسن خاں تھا۔ اصل نام مع لقب حضرت محرم جان لاڈو خاں عرف خواجہ لعل محمد شاہ چشتی۔ قادری العلائی ہے آپ مولانا ابو الخیر عثمانی بجاروی کے شاگرد رشید ہیں اور مولانا معین الدین صاحب سجادہ نشین اجمیری کے مرید اور میر عبد الواحد صاحب ناوسکی اکبر آبادی کے تربیت یافتہ اور شیخ محمد الیاس صاحب برہان پوری کے خرقہ یافتہ ہیں"

امیر ابو العلا صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ خواجہ لعل محمد کا مولد و مسکن و مدفن قصبہ کوٹ قاسم ریاست جیپور ہے جو کہ علاقہ میوات میں دہلی سے بتیس کوس بجانب جنوب واقع ہے۔ حضرت لاڈو خاں صاحب پہلے مولانا معین الدین صاحب سے بیعت تھے جو حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے سجادہ نشین تھے۔

آپ کا دل شروع میں لکھنے پڑھنے کی بجائے شکار، کھیلنے اور تیر چلانے کی طرف بہت مائل تھا تقریباً انیس ۱۹ سال کی عمر میں وطن سے چل کر قصبہ اندھی میں آئے اس جگہ پر سید عبد الواحد صاحب مسجد کے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے پاس جا کر لاڈو خاں صاحب نے قیام کیا۔ ایک دن لاڈو خاں صاحب نے جنگل کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اور وہاں بہت سے پھول توڑ کر جمع کئے اور باغ کی طرف دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ کیا اچھا ہو۔ جو میرا دل بھی باغ کی مانند ترو تازہ ہو جائے۔ اور

صفائی حاصل کرلے۔ کہتے ہیں یہ خیال آتے ہی دردِ الٰہی پیدا ہوا۔ جس سے آپ وجد میں آ گئے اور دیر تک زمین پر تڑپتے رہے ایک گھنٹہ بعد ہوش میں آئے جب یہ خبر سید عبدالواحد صاحب کو معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے مہربانی سے طریقۂ نادری تلقین فرمایا۔ چنانچہ سال بھر تک ان کی صحبت میں رہے اور کامل درد اور سوز حاصل کرکے وطن کو واپس تشریف لائے''

ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دل میں علمِ ظاہری حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اس کی تکمیل کے لئے بخارہ میں شیخ ابوالبرکات کی خدمت میں آئے۔ جو خواجہ شعیب صاحب کے اجداد میں تھے۔ ان سے پڑھنا شروع کیا۔ اکثر بار اثنائے تعلیم میں ہی جذبۂ الٰہی بے خود کر دیتا تھا جب افاقہ ہو جاتا اور ہوش میں آ جاتے پھر پڑھنے لگتے۔ اور یہ رباعی وردِ زبان رہتی تھی ؎

اے دل طالبِ کمال در مدرسہ چند   ؞   تکمیلِ اصول و حکمت و ہندسہ چند

ہر فکر کہ جز ذکرِ خدا۔ وسوسہ است   ؞   شرمے ز خدا بدار۔ ایں وسوسہ چند

ایک دن شیخ عبدالرفیع صاحب سے جو کہ ابوالبرکات سے ملنے کے لئے اکبر آباد سے بخارہ میں آئے تھے لاڈو خاں صاحب نے دریافت کیا کہ وہاں آپ کو کس بزرگ سے نسبت ہے شیخ صاحب نے امیر ابوالعلا صاحب نقش بندی کا نام لیا امیر موصوف کا نام سنتے ہی محرم جان کو ان سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ غرض چند روز بعد ایک بکری ابوالعلا صاحب کی نذر پیش کرنے کے لئے لیکر عبدالرفیع صاحب کے ہمراہ اکبر آباد تشریف لے گئے اور ماہ محرم ۱۰۹۱ھ کو عصر کے وقت امیر موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے قدم بوسی کے بعد آپ نے سر زمین پر رکھدیا۔ اور وہ بکری نظر میں پیش کی ابوالعلا صاحب نے نذر قبول فرماکر اندر چلے گئے۔ محرم جان صاحب شیخ داؤد خاں کے مکان پر آئے اور کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بعد ابوالعلا صاحب کے ہاں سے بھی کھانا آیا محرم جان نے اس میں سے بھی کچھ کھایا۔ آخر داؤد خاں صاحب کے پاس ہی رہنے لگے ایک روز محرم جان اپنے پیر کے آبِ دست کے پیالہ کو وضو کر پی گئے۔ اسی روز پیر نے فرمایا اب یہ شخص ہمارا بکلیہ بن گیا ہے اور ہم نے اس کو سب کچھ دیدیا ہے''

کچھ عرصے بعد ابوالعلا صاحب کی وفات کے دن قریب آ گئے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کس کو نسبت دینی چاہیئے ابوالعلا صاحب نے محرم جان کو مقرر فرمایا اپنے پیر کی وفات کے بعد آپ اپنے وطن کو واپس آ گئے اور پھر یہاں ہی مستقل سکونت اختیار کرلی۔ آپ کی وفات کی تاریخ ۱۷ ماہ رجب ۱۰۹۳ھ ہے آپ کا مقبرہ قصبے سے جانب شرق بنا ہوا ہے آپ کے چار فرزند پیدا

ہوئے ان میں سے تین کی قبریں آپ کے مزار کے پاس ہی بنی ہوئی ہیں اور مغرب کی جانب چوتھے فرزند کی قبر ہے آپ کا مزار اور اس پر گنبد میر عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین کے انتظام سے تعمیر ہوا ہے گنبد اور قبروں کے چاروں طرف ناگ پھنی کے درخت حفاظت کے واسطے لگے ہوئے ہیں نظم ذیل سے آپ کی وفات کی تاریخ اور سن معلوم ہوتا ہے ؎

بوالعلائی و غوثوی چشتی ✤ سہروردی و نقش بند ارشد
جب گئے خلد کو بتی سولہ رجب ✤ حضرت لاڈ خاں ولی امجد
تھی ہزار اور ترانوے ہجری ✤ دیکھو اعداد۔ شیخ لعل احمد

اس میں شیخ لعل احمد تاریخ کا مادہ ہے جس سے ۱۰۹۳ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت لاڈ خاں صاحب سے چار خانوادے جاری ہوئے ہیں۔

۱۔ مولانا برہان الدین صاحب خدانما (۲) سید جلال صاحب (۳) میر عبدالرحمٰن صاحب کوٹ قاسمی۔ جن سے تجارہ اور فیروز پور جھرکہ کے خاندان جاری ہوئے ہیں۔

۴۔ شیخ غلام نبی صاحب۔

چونکہ چاروں خاندانوں کے اندراج کی گنجائش ایک مختصر تاریخ نہیں رکھ سکتی ہے اسلئے صرف ایک خاندان قصبہ تجارہ والے کا شجرہ لکھا جاتا ہے اس شجرہ کے عطیہ پر ہم حافظ مجید الدین صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

شجرہ نسبی حسب ذیل ہے

۱۔ میر عبدالرحمٰن صاحب کوٹ قاسمی۔ ۲۔ سید جلال الدین صاحب دہلوی دہوجی ۳۔ مولانا برہان الدین صاحب۔
۴۔ شاہ عبدالحکیم صاحب۔ ۵۔ شاہ غلام نبی صاحب خاتم الخلفاء ۶۔ شاہ نور محمد صاحب۔
۷۔ شاہ کمال عبداللطیف صاحب ۸۔ شاہ رکن الدین صاحب۔ ۹۔ شاہ عبدالوہاب صاحب
۱۰۔ شاہ نوراللہ صاحب (۱۱) شاہ شعیب صاحب (۱۲) خواجہ احمد عرف شاہ یونس صاحب قبلہ نما
۱۳۔ خواجہ روح اللہ صاحب۔ ۱۴) خواجہ سلام اللہ صاحب تجاروی۔ ۱۵۔ حافظ محمد مجید الدین صاحب موجودہ سجادہ نشین۔

شجرۂ نسبی

بہادر ناہر خاں

بہادر خاں

لننو سلطان خاں

حسن خاں (شاخ اول)

طرغ سلطان یا ترکے سلطان

حسین خاں (شاخ دوم)

ان کی اولاد سے خانزادگان موضع بڈسرہ و بوبکا ہیڑہ ہیں

قاسم خاں

ان کی اولاد سے کوٹ قاسم کے دوسرے خاندان والے خانزادے ہیں

احمد خاں

حسن خاں

حضرت لاڈ خاں صاحب

داراب خاں گنبد والا

بوعلی

فیروز خاں

ہدایت خاں

حاجی خان زماں خاں حاجی خاں زمان خاں

سردار خاں۔ آپ کے اولاد نرینہ نہ تھی

فاطمہ بنت سردار خاں

شرف الدین احمد مولف تاریخ ہذا

محمدی خاں

احمد خاں

لاولد

ہوشدار خاں

محمد یوسف خاں

موجودہ سجادہ نشین خاندان لاڈ خاں صاحب

(نوٹ) حضرت لاڈ خاں صاحب کی آل ہیں ماں کی طرف سے شرف الدین احمد مولف تاریخ ہذا کا نسبی تعلق۔ کہتا ہے کیا عجب ہے، اس ولی کامل کے ساتھ یہ تعلق مولف کی بخشش کا وسیلہ بن جائے

گرچہ خیر دیم نسبتے است بزرگ ۔ ذرۂ آفتاب تا بانیم
شنیدم کہ در روز امید و بیم ۔ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(۱۴) نواب اقبال خاں عرف ملو خاں بن بہادر خاں وزیر اعظم سلطان محمود تغلق بادشاہ دہلی

یہ ایسی ممتاز، نامور، اور زبردست ہستی خانزادوں کے اندر پیدا ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے قوم بجا طور پر فخر و ناز کر سکتی ہے یہی وہ ہستی ہے جس نے خاندان تغلق اور سادات کے بادشاہوں کو ہمیشہ کٹ پتلی بنا کر نچایا تھا اور اپنی زندگی میں انہیں کبھی چین سے سلطنت کرنی نصیب نہ ہونے دی اس لحاظ سے اگر اس کا لقب بادشاہ گر رکھ دیا جائے تو کچھ مبالغہ نہیں ہے یہ وہ نامور شخص ہوا ہے جس نے بارہا دہلی کے تخت پر بیٹھ کر خود مختارانہ حکومت کی ہے۔ لیکن افسوس اخیر عمر میں اس کی شامت اعمال اور متواتر عہد شکنیوں نے اس کو تخت سے تختہ پر سلوا دیا۔

یہ شخص جیسا بہادر، دلاور، اور فاتح تھا۔ ویسا ہی اگر قول و قرار کا پابند بھی ہوتا اور شاہان دہلی سے بیوفائی نہ کرتا اور اپنے محسنوں کے ساتھ عمدہ سلوک رکھتا۔ تو آج ہم تاریخ ہند کے اندر شاہان دہلی کی فہرست میں خاندان تغلق کے بعد خاندان خانزادگان کا نام بھی موجود پاتے اور ان کو بھی شاہنشاہان ہند میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہو جاتا۔ لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔

تاریخوں کے اندر اقبال خاں کے حالات بہت مفصل لکھے گئے ہیں سید الطاف حسین صاحب نے بھی اپنی تاریخ ضلع گوڑگانوہ باب دوئم صفحہ ۲۷ میں اس کے حالات کا ذکر فرمایا ہے لیکن ہمیں اس شخص کے حالات تاریخ فرشتہ اور تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ میں مختصر سے ملے ہیں۔ جنہیں یہاں درج کیا جاتا ہے

جب ناصر الدین محمد کے بعد ۷۹۶ھ میں اس کا چھوٹا بیٹا ناصر الدین محمود بادشاہ بنا تو اس کے زمانہ میں تمام امیروں اور وزیروں نے سرکشی اختیار کر لی۔ جس سے سخت طوائف الملوکی پیدا ہو گئی بادشاہ نے میوات کی بغاوت کی خبر سن کر میوات و گوالیار و بیانہ کی طرف گیا جب گوالیار پہونچا۔ تو مبارک خاں اور اقبال خاں عرف ملو خاں خانزادگان نے سعادت خاں بادشاہی سردار کو مار ڈالنا چاہا۔ لیکن سعادت خاں نے یہ حال معلوم کر کے بے خبری میں مبارک خاں کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اقبال خاں بھاگ کر دہلی پہونچا اور مقرب خاں وکیل سلطنت کے پاس پناہ لے گیا۔ جب بادشاہ دہلی میں واپس آیا۔ تو مقرب خاں استقبال کو آیا۔ مگر اقبال خاں کو پناہ دینے کی وجہ سے بادشاہ کو ناراض پایا۔ مجبوراً مقرب خاں نے

میں واپس آکر حصاری ہوگیا۔ اور بادشاہ سے لڑنے لگا۔ تین مہینے تک لڑائی ہوتی رہی لیکن پھر بادشاہ نے مقرب خاں کا قصور معاف کر دیا۔ اور وہ ماہ محرم ۷۹۷ھ میں دہلی میں داخل ہوگیا۔ سعادت خاں نے چند امرا کے صلاح و مشورہ سے نصرت شاہ بن فتح خاں بن فیروز شاہ کو فیروز آباد میں بادشاہ بنالیا لیکن سلطنت کا کل کاروبار اپنے ہی ہاتھ میں رکھا نصرت شاہ صرف نام کا بادشاہ تھا۔ اب دہلی اور فیروز آباد میں دو بادشاہ بن گئے دہلی میں ناصر الدین محمود اور فیروز آباد میں نصرت شاہ تھا ان کے امرا اور وزرا بھی دو فریقوں میں تقسیم ہوگئے چنانچہ مقرب خاں۔ اقبال خاں اور بہادر ناہر خاں ناصر الدین محمود کے طرفدار بن گئے۔ بادشاہ نے بہادر ناہر خاں کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پرانی دہلی میں حاکم بنا دیا اور ملو خاں کو اقبال خاں کا خطاب دیکر سیری کا قلعہ سپرد کیا۔ نصرت شاہ کے پاس اضلاع دو آبہ و اقطاع سنبھل۔ پانی پت۔ جھجر اور رہتک تھے۔ اور سلطان محمود کے پاس سوائے دہلی اور سیری کے قلعوں کے اور کچھ نہ تھا۔ تین سال تک ان دونو بادشاہوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ بہادر ناہر خاں اور ملو خاں سلطان محمود کی طرف سے لڑتے رہے۔ لیکن ماہ شوال ۸۰۰ھ میں ملو خاں کسی بات پر مقرب خاں وزیر سے ناراض ہو کر سلطان محمود سے بھی ناراض ہوگیا۔ اور نصرت شاہ بادشاہ فیروز آباد سے جا ملا۔ آخر نصرت شاہ اقبال خاں عرف ملو خاں کے ساتھ ہو کر قلعہ سیری میں آگیا۔ اور اقبال خاں نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں قرآن مجید درمیان میں لیکر نصرت شاہ کی مدد کا پختہ وعدہ کر لیا تھا۔ اور نصرت شاہ کو معہ لشکر وغیرہ قلعہ جہاں پناہ کے اندر لے گیا۔ اب پرانی دہلی میں سلطان محمود۔ مقرب خاں اور بہادر ناہر خاں رہ گئے۔ تین روز بعد اقبال خاں نے نصرت شاہ سے بد عہدی کر کے قسم و حرم توڑ دی۔ اور قلعہ سیری سے اس پر حملہ آور ہوا۔ نصرت شاہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور فیروز آباد کو بھاگ گیا۔ لیکن اقبال خاں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور اس کے کل سامان کو اپنے قبضے میں کر لیا جس کی وجہ سے نصرت شاہ فیروز آباد میں بھی نہ ٹھیر سکا۔ اور معہ اہل و عیال بھاگ کر اپنے وزیر تاتار خاں کے پاس پانی پت چلا گیا۔ اقبال خاں مخفی ہو کر فیروز آباد میں تخت نشین ہو بیٹھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے محسن مقرب خاں کو دفعہ کرنا چاہا۔ چنانچہ دو ماہ تک مقرب خاں اور سلطان محمود کے ساتھ لڑائی ہوتی رہی آخر امرا اور وزرا درمیان میں پڑ گئے اور قصر جہاں پناہ میں ان دونو کے درمیان صلح کرا دی لیکن اقبال خاں اپنا عہد توڑ کر اور قلعہ سیری سے نکل کر اچانک مقرب خاں کے مکان پر دوڑ گیا اور اسے قتل کر دیا اب دہلی کی حکومت بھی اقبال خاں کے ہاتھ آگئی اگرچہ اقبال خاں صرف برائے نام سلطان محمود کا وزیر اعظم بنا ہوا تھا ورنہ سلطنت کے تمام اختیارات اقبال خاں کے ہاتھ میں تھے اور وہ جو کچھ چاہتا تھا سفید و سیاہ کرتا تھا سلطان محمود غریب دم نہ

مار سکتا تھا۔ اور صرف نام کا بادشاہ رہ گیا تھا۔

دہلی فیروز آباد کی دونو حکومتوں کو حاصل کرنے کے بعد ذی قعدہ ۸۰۲ھ میں اس نے قلعہ دہلی کو اپنے دوستوں کے اور ساتھیوں کے سپرد کر کے سلطان محمود کو اپنے ساتھ لیکر تاتار خاں پر پانی پت کی طرف دوڑ لے گیا۔ تاتار خاں اپنا سامان پانی پت چھوڑ کر دوسرے راستہ سے دہلی آیا۔ اور شہر کو گھیر لیا لیکن اقبال خاں نے تین دن میں قلعہ پانی پت کو فتح کر لیا اور تاتار خاں کے کل سامان کو دہلی لے آیا۔ مگر تاتار خاں سے قلعہ دہلی فتح نہ ہو سکا۔

اب اقبال خاں کا ایسا اقبال چمکا۔ کہ وہ دہلی اور فیروز آباد کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا جب امیر تیمور نے دہلی کی ان خانہ جنگیوں کی خبر سنی اور یہ بھی سنا کہ سلطان فیروز شاہ کے امراء میں سے دو بھائی ملو خاں اور سارنگ خاں بالکل سلطنت کے کاموں کا، اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اور فیروز شاہ کے پوتوں میں سے سلطان محمود کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت میں وہ خود ہی بادشاہ بن رہے ہیں۔ تو وہ ۸۰۱ھ میں ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے آیا اور جہاں پناہ کی سیر کرتا ہوا لڑائی کے میدان کے لیے موقعہ دیکھ رہا تھا کہ اسی عرصے میں امیر کے ملازم ایک شخص محمد لطیف نامی کو پکڑ لائے اس سے سلطان محمود اور ملو خاں کا سارا حال دریافت کر کے اسے قتل کر دیا اس کے تھوڑی دیر بعد جاسوس یہ خبر لائے کہ ملو خاں چار ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے اور ستائیس جنگی ہاتھی لیکر باغوں سے نکلا ہے اور شہر کے باہر جہاں نما کے قریب آ گیا ہے۔ اسی وقت چغتائی فوجیں ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئیں اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ جس سے ملو خاں اور سلطان محمود کے لشکر کو شکست ہو گئی۔

اور وہ دہلی کی طرف بھاگ گئے دوسرے دن سات ربیع الاول ۸۰۱ھ میں پھر لڑائی ہوئی امیر تیمور نے ہراول آگے بڑھایا۔ تاکہ دشمنوں کی خبر لائے اس سپاہ نے دشمنوں کا ایک آدمی گرفتار کر لیا اس کی زبانی معلوم ہوا کہ ملو خاں نے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ مرکز میں ملو خاں اور سلطان محمود کا لشکر ہو گا۔ میسرہ میں پیر علی کا۔ میمنہ میں میر معین الدین کا اور کل دس ہزار سوار، چالیس ہزار پیادے اور ایک سو پچیس جنگی ہاتھی ہونگے۔ آخر لڑائی شروع ہوئی۔ ہندوستانی فوج نے ہر چند بہادری سے کام لیا۔ لیکن آخر کو شکست کھا گئی۔ اور سلطان محمود اور ملو خاں بھاگ کر دہلی میں گھس گئے اور دروازے بند کر لئے اور رات کو سلطان محمود گجرات کی طرف اور ملو خاں مقام چندیرہ ضلع بلند شہر کو چلا گیا۔

واضح ہو کہ ملو خاں کی ماں مقام چندیرہ کے بڈگوجروں کی بیٹی تھی اس تقریب کی وجہ سے وہ اپنے نانا کے علاقہ میں پناہ گزین ہوا تھا امیر نے ان کے تعاقب میں فوجیں بھیجیں۔ ملو خاں تو ہاتھ

نہ آیا۔ مگر اس کے دو بیٹے خداداد خاں اور سیف الدین عرف ملک شرف الدین گرفتار ہو کر تیمور کے پاس لائے گئے پھر تیمور نے فتح کی خوشی میں عیدگاہ کے اندر جشن منایا۔ فضل اللہ بلخی جو ملو خاں کا نائب تھا اس نے تیمور سے امان مانگی۔ تیمور نے اس کو معاف کر دیا۔ آخر تیمور پندرہ روز تک لوٹ کھسوٹ کرنے کے بعد دہلی سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دو ماہ تک قلعہ سیری اور دہلی ویران پڑی رہی۔ قحط اور وبا بھی پھیل گئی۔ ان ایام میں نصرت شاہ اپنے مددگاروں سے فوجیں اور سامان جمع کر کے فیروز آباد میں آیا اور ویران دہلی پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے شہاب خاں کو ملو خاں کے دفعیہ کے لئے بلند شہر کی طرف بھیجا مگر وہاں کے بڈگوجر زمینداروں نے ملو خاں کے بہکانے سے شہاب خاں پر شب خون مار کر قتل کر دیا اور کل سامان لوٹ لیا اب پھر اقبال خاں کی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور نصرت شاہ کی گھٹتی جاتی تھی۔ آخر ماہ جمادی الاول سنہ ۸۰۴ھ میں ملو خاں دہلی آیا نصرت شاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر میوات کی طرف بھاگ گیا۔ اب دہلی دوبارہ ملو خاں کے قبضے میں آگئی۔

امیر تیمور کے خوف سے جو لوگ بھاگ گئے تھے ملو خان نے ان سب کو اپنے وطن میں آباد کرایا اور شہر سیری پھر سرسبز ہو گیا۔ البتہ پرانی دہلی اس وقت سے آج تک ویسی ہی ویران پڑی ہے نئی دہلی نیا دم آباد ہو گئی دار الخلافہ کے آس پاس کا کل علاقہ ملو خاں کے قبضے میں آگیا۔ لیکن جو علاقہ دہلی سے دور تھا اس میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ہر ایک علاقہ میں وہاں کے سردار خود مختار بن بیٹھے۔ اس حالت کو دیکھ کر ملو خاں نے ان تمام علاقوں کو بھی اپنے قبضے میں لانا چاہا تاکہ وہ کل ہندستان کا بادشاہ بن جائے چنانچہ سب سے پہلے ربیع الاول سنہ ۸۰۳ھ میں بیانہ گیا۔ اور شمس خاں وہاں کے حاکم کو زیر کر کے بیانہ پر قابض ہو گیا۔ وہاں سے گوالیار گیا اور راجہ نرسنگ کو شکست دیکر اس سے بہت سا نذرانہ وصول کیا۔ پھر ملو خاں نے جمادی الاول سنہ ۸۰۳ھ میں مبارک شاہ حاکم جونپور پر حملہ کیا اور شمس خاں حاکم بیانہ اور مبارک خاں اور بہادر ناہر خاں خانزادگان نے مل کر اس کی مدد کی۔ جب قلعہ پٹیالی میں جو گنگا کے کنارہ ہے پہونچا۔ تو وہاں راٹھور اور اس طرف کے تمام زمینداروں سے مقابلہ ہوا لیکن وہ سب ملو خاں سے شکست کھا کر بھاگ گئے پھر ملو خاں قنوج گیا مگر راستے میں مبارک شاہ شرقی سے لڑائی ہو گئی چونکہ دونوں فوجوں کے درمیان گنگا حائل تھا۔ اس وجہ سے عبور کی کسی کو مجال نہ ہوئی اور دو ماہ تک دونوں لشکر پڑے رہنے کے بعد واپس ہو گئے۔

پھر سنہ ۸۰۴ھ میں ملو خاں نے سلطان محمود کو مالوہ سے بلا لیا اس نے روٹی کپڑے پر صبر کر کے سلطنت میں کچھ دخل نہ دیا۔ اسی سال مبارک شاہ شرقی مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی ابراہیم شاہ

جونپور میں تخت نشین ہوا تھا اس پر ملّو خاں فوج لیکر چڑھ گیا سلطان محمود بھی اس حملے میں ساتھ تھا سلطان محمود نے ابراہیم شاہ کو اپنا پرانا غلام سمجھکر اس کے پاس جونپور میں شکار کے بہانے سے گیا لیکن ابراہیم شاہ برے سلوک سے پیش آیا۔ ناچار سلطان محمود واپس آگیا اور وہاں سے قنوج جاکر قبضہ کرلیا اور وہاں کے حاکم کو جو ابراہیم شاہ کی طرف سے رہتا تھا نکال دیا اس فتح کے بعد ملّو خاں واپس دہلی آگیا۔ پھر ماہ جمادی الاول ۸۰۵ھ میں قلعہ گوالیار کی طرف گیا۔ جہاں راجہ برم دیو پسر نر سنگھ دیو تھا۔ اس پر حملہ کیا۔ مگر وہاں کا قلعہ بہت مضبوط تھا اس لئے گرد و نواح میں لوٹ کھسوٹ کر کے واپس دہلی آگیا۔ تھوڑے دنوں بعد پھر اس قلعہ پر حملہ کیا۔ برم دیو لڑنے لگا۔ لیکن اول ہی حملہ میں شکست کھا کر قلعہ میں جا گھسا۔ ملّو خاں واپس دہلی آگیا۔

پھر ۸۰۶ھ میں اٹاوہ کی طرف گیا۔ رائے سمیر اور گوالیار والے اور رائے جہالا وغیرہ جو اٹاوہ میں جمع ہوئے تھے ان سے چار ماہ تک لڑا اور ان کو شکست دیکر بہت سا نذرانہ وصول کیا اس کے بعد کمال بے مروتی اور بے انصافی سے ماہ شوال ۸۰۶ھ میں قنوج پر لشکر کشی کی جہاں سلطان محمود قبضہ کئے ہوئے تھا۔ سلطان محمود بیچارہ قلعہ میں محفوظ ہو بیٹھا۔ ملّو خاں قلعہ کا محاصرہ کر کے ایک مدت تک سلطان محمود سے لڑتا رہا۔ لیکن قلعہ کی مضبوطی سے اس کی کچھ پیش نہ گئی ناچار ماہ محرم ۸۰۷ھ میں سمانہ کی طرف چلا گیا اور بہرام خاں ترک بچہ جو فیروز شاہی غلام تھا اور سمانہ کا حاکم تھا وہ سمانہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ملّو خاں نے اس کا تعاقب کیا۔ آخر حضرت علیم الدین نے درمیان میں پڑ کر صلح کرادی اور ملّو خاں بہرام خاں کو ساتھ لیکر ملتان کی طرف گیا۔ وہاں سید خضر خاں کو شکست دیکر خطبہ اور سکہ دہلی کا اپنے نام پر جاری کیا جس وقت تلونڈی میں پہونچا تو رائے داؤد اور رائے ہمو جو رائے رتی کا بیٹا تھا ان کو پکڑ کر ملّو خاں نے قید کر دیا اور پھر عہد شکنی کر کے بہرام خاں ترک بچہ کا پوست کھچوایا۔ وہاں سے چل کر مقام اجودہن میں پہونچا تو سید خضر خاں نے پنجاب دیپالپور وغیرہ کا بہت سا لشکر جمع کر کے جنگ کی آخر ۱۹ رجمادی الاول ۸۰۸ھ میں ملّو خاں کو شکست ہو گئی جس سے یہاں اس کو تمام بد عہدیوں کی سزا مل گئی

چونکہ متواتر عہد شکنیوں اور وعدہ خلافیوں کی وجہ سے شامت اعمال اس کے ساتھ تھی اس وجہ سے اس کا گھوڑا زخمی ہو کر میدان جنگ سے باہر نہ آسکا۔ آخر اسلام خاں لودھی نے اس کا سر کاٹ کر خضر خاں کے پاس بھیج دیا۔ خضر خاں نے وہ سر اس کے مکان پر بھیجوا کر لٹکوا دیا۔ جب یہ خبر دہلی پہونچی تو سلطان محمود کو قنوج سے بلا کر جمادی الاول ۸۰۸ھ میں

دوبارہ دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ اور تلوخاں کے اہل و عیال دہلی سے بلند شہر بھیج دیے گئے۔ اور کسی کو کچھ تکلیف نہیں دی گئی۔

۵ ملک ہیتم خاں بن بہادر خاں جاگیردار مبارک پور الور

ملک صاحب نے اپنی جائے سکونت مبارک پور میں اختیار کی تھی ان کے دو لڑکے حاجی خاں اور جلال خاں بڑے نامور ہوئے ہیں۔ حاجی خاں کی لڑائی آمیر (جے پور) کے کچھواہے راجپوتوں سے ہوئی تھی شاہان لودھی کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں احمد خاں خانزادہ والئی میوات بہلول لودھی کے دربار میں بہت معزز و ممتاز سردار شمار ہوتا تھا۔ اس نے بادشاہ کی طرف سے حاجی خاں کو آمیر کے قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک جرار لشکر لیکر قلعہ آمیر کو جا گھیرا۔ بہت سے کچھواہے راجپوت مقابلے کے لئے جمع ہو گئے انہوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔ جس سے بڑی خونریز جنگ واقعہ ہوئی۔

آخر کچھواہے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے حاجی خاں نے قلعہ مذکور پر قبضہ کر لیا کہتے ہیں اس لڑائی میں اتنے راجپوت مارے گئے تھے کہ کشتہ راجپوتوں کی لاشوں سے قلعہ کے دروازے بند کر دئے گئے۔

حاجی خاں آمیر کے مندر میں سے اس کے سنگھاسن کے تمام سامان کو مبارک پور میں لے آیا اور اس سے ایک بڑی شاندار مسجد بنوائی۔ جو کہ آج تک مبارک پور میں موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ جے سنگھ سوائی نے اپنے زمانہ میں اس مسجد میں اپنی رُوند کی گھاس بھروانی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ایک عرصے تک یہی عمل ہوتا رہا۔ لیکن ۱۹۳۲ء کی شورش کے زمانہ میں مہاراجہ مذکور نے خود بخود یہ مسجد خالی کر کے خانزادوں کے حوالے کر دی۔ جس کی انہوں نے از سر نو مرمت اور سفیدی کرا کر عبادت کے قابل بنا لی ہے اس مسجد کے کونے میں ایک کتبہ بھی موجود ہے۔

مبارک پور کے خانزادوں میں بڑے مشہور اور جاگیردار سردار گذرے ہیں جن میں سے ایک شخص بلند خاں نامی ہوا ہے اس کو شاہ عالم بادشاہ دہلی کی طرف سے جاگیر دنانکار اور خلعت عطا ہوا تھا جن فرمان کے ذریعہ یہ انعامات عطا ہوئے تھے اس کی نقل ہم نے دوسرے فرمانوں کے ساتھ نقل کر دی ہے۔

ہیتم خاں کی اولاد میں سے ایک شخص غازی خاں نامی خانزادہ متوطن مقام للاونڈی نے بادشاہی دربار میں اقتدار حاصل کر کے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اور اپنے وطن میں آکر بہت بڑا خرچ اٹھا کر ایک شاندار

ضیافت کل میوات کے رہنے والوں کو بلا تمیز مذہب وملت دی تھی۔ جس سے میوات میں یہ شخص بہت مشہور ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے خیراتی خاں نے بعہد نواب نجف خاں بہت بڑا رسوخ حاصل کر کے خطاب نواب خیرات علی خاں بہادر حاصل کیا تھا۔

اسی طرح کمیدان جہانگیر خاں خانزادہ متوطن قصبہ مبارک پور نے شاہ عالم بادشاہ دہلی کی طرف سے عہدہ رسالداری اور خلعت فاخرہ حاصل کیا تھا کیونکہ جہانگیر خاں مذکور نے سمت ۱۸۲۷ بکرمی میں بعد فوت راجہ جواہر سنگھ نواب نجف خاں سپہ سالار فوج شاہی کے ہمراہ ہو کر قلعہ ڈیگ کو فتح کیا تھا۔ جس کے صلے میں یہ خلعت وعہدہ ملا تھا۔

چودھری زبر خاں کے خاندان میں آج تک عہدہ چودھر سرکاری طور پر بادشاہی زمانہ سے متواتر چلا آتا ہے آجکل زبر خاں صاحب چودھری ہیں"

قصبہ مبارک پور خانزادوں کا بڑا خوش حال گاؤں ہے چنانچہ اس کی نسبت مسٹر سی۔ اے میکٹ صاحب اپنے گزیٹیر الور میں یہ لکھتے ہیں کہ مبارک پور جو کہ رام گڑھ کی تحصیل میں واقع ہے اور رام گڑھ سے آٹھ میل بجانب شمال مغرب ہے۔ خانزادوں کا تمام ریاست الور میں سب سے زیادہ آباد اور خوش حال گاؤں ہے۔ کہتے ہیں یہ گاؤں پہلے زمانہ میں پٹھانوں کے قبضے میں تھا مگر مغلیہ حکومت کے بعد اب سینکڑوں برسوں سے اس پر خانزادوں کا قبضہ و دخل ہے"

چونکہ اس قصبے میں آراضی زیادہ ہے جس میں آب پاشی کے لئے چاہات بکثرت ہیں اور رقبہ بھی پیداوار کے لئے نہایت موزوں ہے۔ لیکن مبارک پور کے خانزادوں سے کل رقبہ کی کاشت نہیں ہو سکتی ہے اس وجہ سے گرد و نواح کے لوگوں کو بٹائی یا پٹے پر دے کر کاشت کراتے ہیں۔

۷۰۔ ملک عماد خاں بن بہادر خاں جاگیر دار سینتلی (الور)

عماد خاں صاحب نے سینتلی کے اندر ہی سکونت رکھی تھی۔ تاریخ عالمگیری میں تحریر ہے کہ نواب صاحب کی اولاد میں ایک شخص نظام الدین خاں بن فتح خاں بن فیروز خاں عہد عالمگیری میں چار صدی منصب رکھتا تھا اور اپنے زمانہ میں قصبہ نظام نگر کو آباد کیا تھا۔

نظام الدین خاں ۱۶۷۹ء میں نواب بردل خاں پسر نواب فیروز خاں میواتی کے ساتھ رانا میواڑ کے علاقہ کو خراب و خستہ بنانے کے لئے شاہی حکم سے مامور ہوا تھا۔ جس نے علاقہ میواڑ کو فتح کر کے

اورنگ زیب کا مقبوضہ بنایا تھا۔

عالمگیر کی وفات کے بعد نواب مذکور کسی لڑائی میں مارا گیا۔

نواب بایزید خاں بن دریا خاں بن اسمٰعیل خاں نے جو اولادِ حضرت شہاب خاں شہید میں سے تھا نواب نظام الدین خاں مذکور کی وفات کی تاریخ یوں رقم فرمائی ہے ؎

فساد اندیشگاں را از تمرد ٭ خیالِ تیغ او سیکرد تہدید
نظام الدین کہ از خانانِ میوات ٭ فلک کس را بقدر او نہ سنجید
قوی عزم و ظفر صولت کہ دشمن ٭ کس از سرو پنجہ اش بر جستہ نشنید
جواں بخت و قوی طالع کہ امید ٭ از و سر تابیٔ مقصود کم دید
بوقتِ انبساطِ خوانِ جودش ٭ افاظت از ضیافت ہاش بالید
معزز بود تا بودش بقائے ٭ قضا نگہت بجائش کم پسندید
چو از وضعِ زمانہ دل گرفتش ٭ بسوئے جنت الماوے خرامید
نظامِ ملک با بود و است از اں رو ٭ رنظامِ ملک با تاریخ گر دید

اس میں مادہ تاریخ نظام ملک ملا ہے۔ جس کے اعداد ۱۱۲۲ ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ وفات ہے

ترگے سلطان خاں بن بہادر خاں

اس شخص کو الور کی آب و ہوا بہت پسند تھی۔ اس وجہ سے یہ زیادہ تر وہیں رہا کرتا تھا الور کے بازار کے بیچ میں جو مکان ترپولیہ مشہور ہے وہاں پر ترگے سلطان کا مزار بنایا گیا تھا جس کی نمود آج تک وہاں باقی ہے۔ مقبرہ کی تعمیر سے پہلے یہاں ایک تکیہ تھا جو املی کے درختوں کی کثرت کی وجہ سے املی والا تکیہ مشہور تھا۔ ترپولے کو جس میں ترگے سلطان خاں کا مقبرہ ہے نواب بیرم خاں خانخاناں وزیر اعظم اکبر نے بنوایا تھا۔

لشکر خاں بن بہادر خاں جاگیردار موضع نائیں گوڑگانوہ

لشکر خاں کی اولاد میں سمیان مراد خاں و عمر خاں خانزادگان موضع نائیں نے ریاست کوٹلہ

اندر بزمانہ مہاراجہ ظالم سنگھ جہالا عمدہ کارکردگی اور خیر خواہی کے صلے میں عروج پاکر بہت بڑا نام پیدا کرلیا تھا۔ اسی طرح کپتان ودھلے خاں صاحب ولد خاں محمد خاں بن عمر خاں مذکور ریاست الور میں بڑے معززین میں شمار ہوتے تھے۔

مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں لکھتے ہیں کہ خانزادوں میں جن لوگوں نے اپنی خاندانی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب تک بھی فوجی ملازمت کے شائق ہیں اور برطانیہ کی فوجوں کے علاوہ ریاست الور میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ جن میں سے ایک ڈ دھلے خاں بھی ہے جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ آفیسر ہے اور وہ بہت بڑا آدمی ہے اور دربار میں معزز عہدے کا حقدار ہے۔

ملک علاء الدین خان پسر سوم بہادر ناہر خان جاگیر دار پرگنہ تجارہ (الور)

ملک صاحب بڑے جری اور بہادر تھے۔ جب راجہ جہاموسنگھ رئیس جہاموں نے ان کے باپ بہادر ناہر خاں کو اپنے ہاں بلاکر دھوکے سے قتل کردیا تھا تو ملک صاحب نے جہاموسنگھ مذکور کو قتل کرکے اپنے باپ کا بدلا لیا تھا۔ ملک صاحب نے اپنی سکونت تجارہ میں اختیار کی تھی مدت تک یہاں حکومت کرتے رہے ان کی اولادیں بڑے معزز اور جاگیردار سردار گزرے ہیں۔ حسام خاں پسر ملک علاء الدین کے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے بیلے خاں کی اولاد قصبہ تجارہ میں اور محمود خاں کی قصبہ شاہ آباد میں آباد تھی ان ہی بیٹوں کی اولادیں گرد و نواح کے مواضعات یعنی بہنڈوسی۔ سورابا س۔ گل گاوں۔ موسے پور گوتولی اودے پور۔ بیگن ہیڑی۔ خضر پور۔ اور پاٹن وغیرہ میں آباد ہیں۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان ناصر الدین محمود بتقریب دورہ۔ تجارہ آئے تھے۔ جنگل میں ایسی جگہ خیمے گاڑے گئے جہاں ایک شیر رہتا تھا۔ رات کو اس کے ڈر کے مارے بادشاہ کی نیند حرام ہوگئی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کوئی ہے جو اس شیر کو اسی وقت مار ڈالے۔ ملک صاحب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ ملک صاحب نے اسی وقت جاکر شیر کا کام تمام کردیا۔ اس بہادری سے خوش ہوکر بادشاہ نے چار گاؤں بہوڑہ۔ ہرسولی۔ رنگن گوساۓ انعام میں عطا فرمائے"۔

شہر تجارہ کو راجہ تیجپال نے جو جادو نسل سے تھا آباد کیا تھا۔ جب اس کی اولاد سے حکومت

جاتی رہی۔ تو ملک صاحب نے اس کے محلوں اور مکانات وغیرہ پر اپنا قبضہ کر کے سکونت اختیار کر لی اگرچہ ملک صاحب کی اولاد میں قصبہ تجارہ۔ شاہ آباد۔ بھنڈوسی۔ سوراواس۔ کوتولی۔ خضرپور۔ سکواداس پاٹن وغیرہ کے باشندے پائے جاتے ہیں۔ لیکن جو رسوخ اور شہرت خانزادگان تجارہ و شاہ آباد نے حاصل کی ہے وہ دوسری جگہ والوں کو حاصل نہیں ہوئی قصبہ تجارہ اور شاہ آباد میں بڑے بڑے جاگیردار اور عہدہ دار آدمی گزرے ہیں۔

تجارہ والوں کے پاس جاگیر اور عہدۂ چودھر۔ قانونگوے کے عہدہ کے ساتھ ہی اکبر بادشاہ کے زمانہ سے آج تک برابر چلا آتا ہے جو کہ قانونگوے کے دفتر میں ریکارڈ کے طور پر موجود ہے اکبر بادشاہ کے زمانہ میں تجارہ کے چودھری کو پندرہ سو روپیہ بطور نانکار ملتے تھے۔ چودھری امیر خاں اور ننھے خاں اپنے وقت میں بڑے نامی آدمی گزرے ہیں یہ وہی امیر خاں صاحب ہیں جنہوں نے شیخ محمد مخدوم صاحب کو ان کی بدعنوانیوں کی وجہ سے تحصیل کے اندر سرزنش فرمائی تھی جس کی پاداش میں شیخ جی نے کتاب مرقع الور کے اندر خانزادوں کے برخلاف زہر اگلا ہے۔

عالمگیر بادشاہ کے زمانہ سے سلطنت مغلیہ کے آخیر بادشاہ تک چودھری لشکر خاں کو بروئے فرمان حق چودھر بدیں تفصیل ملتا رہا۔ نانکار لماضہ روپیہ۔ رسوم غلہ فی من نیم آثار۔ معاملہ زمین کل تحصیل پر ایک روپیہ فی صدی۔ ضابطانہ فی فصل دو روپیہ فی گاؤں مقرر تھا

ملک صاحب کی اولاد میں جو چند نامی گرامی سردار گزرے ہیں ان کے مختصر حالات یہاں پر درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ نواب فیروز خاں بن نور خاں جاگیردار قصبہ شاہ آباد (الور)

منشی محمد کاظم مؤلف تاریخ عالمگیری و شیخ محمد بقا سہارنپوری و صاحب سیر المتاخرین اپنی اپنی تاریخوں میں نواب فیروز خاں متوطن شاہ آباد کا حال اس طرح لکھتے ہیں کہ یہ شخص دارا شکوہ پسر شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں اس کے عمدہ سرداروں میں تھا۔ جب عالمگیر اور دارا شکوہ کی باہم لڑائی ہوئی تو فیروز خاں میدان میں اپنے آقا دارا شکوہ کی ہمرکابی میں تھا۔ اور فوج میمنہ کا سردار تھا دارا شکوہ کی مہربانی اس پر یہاں تک مبذول ہوئی۔ کہ شاہ جہاں بادشاہ سے اس کو ایک جاگیر مدد معاش کے

واسطے عطا کرائی اور رفتہ رفتہ اس کا رسوخ یہاں تک بڑھا۔ کہ اس کو شاہ جہاں نے نواب فیروز خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ اور عبدالنبی خاں فوجدار کی تبدیلی پر سرکار اٹاوہ کی فوجداری پر مقرر ہو گیا۔ شہر اٹاوہ میں جو محلہ میواتی کے نام سے مشہور ہے وہ نواب فیروز خاں کے وقت سے آباد ہوا ہے چنانچہ نواب موصوف کے لڑکے پُر دل خاں کا ایک کٹرہ بھی اس محلہ میں آجتک مشہور ہے۔

اس کے بعد دیپالپور کی فوجداری پر تبدیل ہوا۔ اور اپنی حسن کارگزاری سے روز بروز ترقی کرتا رہا۔ اس کے بعد جب دوسری لڑائی دارا شکوہ اور عالمگیر کے درمیان اجمیر کے میدان میں ہوئی۔ تو دارا شکوہ نے اجمیر کے پہاڑوں میں مورچہ بندی کرائی۔ جس میں ایک طرف مرتضیٰ خاں سید ابراہیم اور عسکری خاں تھے اور ان کے پہلو میں دوسری طرف فیروز خاں میواتی تھا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ جب دارا شکوہ نے ٹھہرنے کی تاب نہ دیکھی تو رات کے وقت موقع پاکر معہ فیروز خاں میواتی اور کسی قدر فوج کے بھاگا۔ باقی تمام امرا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بلکہ اس کے ساتھی راجپوتوں نے اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس شکست سے دارا شکوہ نے بڑی پریشانی اٹھائی۔ آخر وہ اپنے سرداروں کے بھروسے پر گجرات کی طرف چلا۔ فیروز خاں میواتی معہ تین ہزار سواروں کے برابر اس کے ساتھ رہا۔ چونکہ گجرات کے امرا اس کی شکست کا حال سن کر نا امید ہو گئے تھے اس وجہ سے وہ سب عالمگیر سے مل گئے۔ اور انہوں نے سید احمد بخاری کو جو دارا شکوہ کی طرف سے گجرات کا صوبہ دار تھا قید کر لیا۔ دارا شکوہ اس خبر کو سن کر گجرات سے واپس بھاگا اور ریاست کچھ میں پہونچا۔ وہاں کے راجہ نے بھی باوجودیکہ اس کی لڑکی دارا شکوہ کے لڑکے کو بیاہی تھی کچھ مدد نہ کی۔ ناچار دو روز ٹھیر کر بھکر کی طرف چلا جب دریائے سندھ کے قریب پہونچا۔ تو فیروز خاں میواتی نے بھی مصلحت وقت سمجھ کر معہ اپنے ہمراہیوں کے دارا شکوہ کی ہمراہی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور عالمگیری دربار میں حاضر ہو کر آداب بجا لایا اس کا قصور معاف ہو کر عالمگیر کی طرف سے خلعت اور ہزاری منصب سے نواز اگیا۔

عالمگیر کی وفات کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے رستم دل خاں اور نواب فیروز خاں میواتی کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لشکر کے لئے جگہ تلاش کریں کیونکہ سکھوں کی بہت بڑی جمعیت شاہی لشکر سے لڑنے کے لئے آگئی تھی۔ اس لڑائی میں بہت آدمی کشتہ اور زخمی ہوئے تھے۔

نواب فیروز خاں کی جماعت اور کچھ سادات بارہ ہاتھی گھوڑوں سے پیادہ ہو کر سکھوں کے مقابل آئے۔ اور بہادرانہ حملے کر کے سکھوں کو شکست دی اور وہ شکست پاکر وہ گڑھ کو

بھاگ گئے۔ دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۶۰

جب شاہ عالم بہادر شاہ اور اعظم شاہ کے درمیان لڑائی ہوئی۔ تو نواب فیروز خاں نے بہادر شاہ کی طرف سے بڑی دادِ شجاعت دی تھی اور آخر حق نمک خواری ادا کر کے اس لڑائی میں اپنی جان دیدی تھی۔ ان کے جنازہ کو قصبہ شاہ آباد میں لایا گیا۔ اور تجارہ کے راستہ کے سرے پر دفن کیا گیا۔ ان کے مقبرہ پر ایک شاندار گنبد بھی تعمیر کیا گیا۔ اس گنبد کی دیواروں پر کچھ عبارت عربی حروف میں کندہ ہے۔ جو اچھی طرح پڑھنے میں نہیں آتی۔ تاریخ وفات باوجود تلاش نہ دریافت ہو سکی۔ قصبہ شاہ آباد کو اسی نواب فیروز خاں نے از سر نو بسایا تھا اور اس کا نام شاہ جہاں بادشاہ کے نام پر شاہ آباد رکھا تھا۔ ورنہ پہلے یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے سکلی کہتے تھے۔ فیروز خاں نے امارت اور سرداری پر پہونچکر اپنے لئے ایک قلعہ بھی شاہ آباد کے اندر بنوایا اور اس قلعہ کے اندر اپنی سکونت کے واسطے ایک محل بنوایا۔ جس کا نام خاص محل رکھا گیا تھا اور قصبہ کا بازار بھی پختہ بنوایا۔ اور موضع سکلی کو قصبے کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

کہتے ہیں نواب مذکور نے ایک پختہ سرائے مسافروں کے آرام و آسائش کے لئے قصبہ تاوڑو میں بھی بنوائی تھی۔ چنانچہ تاوڑو کا تھانہ سرکاری آجکل اسی سرائے میں واقعہ ہے نواب صاحب کے زمانہ میں شاہ آباد کے زمیندار سائینی لوگ تھے۔ سرکاری مال گزاری ادا کرنے کے بعد جو کچھ پیداوار بچتی تھی۔ اس کے مالک یہی لوگ ہوتے تھے،،

اس قصبے میں اختو کی۔ چھیتو کی اور رو ہلمی کی تین پٹیاں تھیں۔ کل زمین انہیں تین پٹیوں میں برابر حصص تقسیم کر رکھی تھی۔

نواب مذکور کی وفات کے بعد ان کی اولاد کا لقب بھی نواب صاحب برابر آج تک قائم ہے یہ لوگ ہمیشہ سے روزگار پیشہ چلے آتے ہیں لیکن قصبہ کی نمبرداری اور بسوہ داری ان خانزادوں کے پاس ہے جو گانوتی کہلاتے ہیں۔ البتہ ان گانوتی خانزادوں کی رشتہ داریاں نوابوں کے ہاں بھی بخوبی ہو رہی ہیں۔

نواب مذکور کے خاندان میں ڈیڑھ سو سال تک جاگیر اور حکومت رہی۔ موجودہ وقت میں بھی فوجوں کے اندر شاہ آباد والے لوگ جمعداری صوبہ داری وغیرہ عہدوں پر پائے جاتے ہیں۔ صوبہ دار میجر نواب عباس خاں انہیں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ نواب پُردل خاں پسر نواب فیروز خاں

جس وقت نواب فیروز خاں اٹاوہ کے فوجدار تھے اس زمانہ میں ان کے لڑکے پُردل خاں کے نام پر ایک نئی بستی شہر اٹاوہ میں بسائی تھی۔ جس کا نام کٹرہ پردل خاں مشہور چلا آتا ہے یہ بھی عالمگیر کی سرکار میں پنج صدی منصب رکھتا تھا اور جودھپور مارواڑ میں بادشاہ کی طرف سے انتظام کے لئے تعینات تھا۔ ۲۶ ماہ ذیقعد ۱۰۸۲ھ میں میوات کے مفسدوں کی گوشمالی کے واسطے حامد خاں۔ دلیر خاں و مرتضیٰ خاں کے ہمراہ نواب پردل خاں بھی میوات کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں کے فسادیوں کی بخوبی سرکوبی کی اس کے بعد ۱۰۸۶ھ میں شاہزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں تاہر خاں و نواب نظام الدین خاں اور دوسرے خانزادگان میوات کے ساتھ جودھپور کو فتح کرنے کے لئے نواب پُردل خاں بھی بھیجے گئے اور اکثر سرکش قلعہ نشینوں کو قلعہ سے بیدخل کرتا ہوا سیوانہ میں جاکر مقیم ہوا۔ وہاں متواتر لڑائیاں ہوتی رہیں آخر سنہ ۱۱۲۲ ہجری میں مارواڑ کے بہت سے راجپوت پُردل خاں پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اس وقت نواب مذکور قلعہ سیوانہ میں اور ناہر خاں کناہ میں موجود تھا۔ جب راجپوتوں نے یہ خبر سنی کہ مرزا نور علی نے آسانی قوم کی دو لڑکیوں کو پکڑ لیا ہے اس بات سے راجپوتوں کے دل میں انتقام کا جوش اور بھی زیادہ پیدا ہوگیا۔

رتن سنگھ رئیس رتلام بھی راٹھوڑوں کو لیکر پہونچا اور سب نے مل کر پردل خاں پر حملہ کردیا صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی دونو طرف کے آدمیوں کے لاشوں کے ڈھیر لگ گئے آخر پردل خاں مع چھ سو آدمیوں کے مارا گیا۔ نور علی مذکور اس شکست کو دیکھکر لڑکیوں سمیت ٹودہ کو بھاگ گیا۔ مسلمانوں کے تمام تھانوں پر راجپوتوں نے قبضہ کرلیا پردل خاں کی لاش بڑی مشکل سے شاہ آباد کر دفن کی گئی بعض کہتے ہیں۔ اس کی لاش قصبہ پھپھوند علاقہ اٹاوہ میں دفن کی گئی ہے۔ دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد دوئم صفحہ ۱۳۱۵۔

نواب لشکر خاں پسر دوئم نواب فیروز خاں

لشکر خاں عہد عالمگیری میں چار صدی منصب رکھتا تھا۔ شروع میں اس کو پورندھر اور بدھنور

کی فوجداری پر مقرر کیا گیا تھا اس کے بعد سمت ۱۷۵۱ بکرمی میں قاسم خاں کے ہمراہ راجہ اجیت سنگھ والئی مارواڑ کی طرف بھیجا گیا۔ اجیت سنگھ ان سے بجے پور کے مقام پر برسر مقابلہ ہوا۔ اس کا اٹھاوردگا داس اس کی فوج کا افسر تھا اس لڑائی میں لشکر خاں کو شکست ہوئی۔ پھر ۱۱۰۹ھ میں نواب مذکور معہ نواب لشکر اللہ خان میوات کے راجپوتوں کی گوشمالی اور تنبیہ کے لیے بھیجا گیا اس دفعہ ان دونوں نے ان مفسدوں پر فتح پائی۔ اور اس علاقہ کا انتظام عمدہ کر دیا مرزا عبدالقادر بیدل نے اس فتح کی ایک تاریخ لکھی ہے جو ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

سرخیل نژو کہ با بجے رام   از باد بروت پشم در دست
با ہفت پسر کہ ہر کدامش   چوں کوہ سرے بہ تیغ مے بست
عمرے دیر کوہسار میوات   مے بود چو خرس از خودی مست
با لشکر خان آسمان جاہ   گردید طرف ز فطرت پست
یعنی بہ پناہ کلّۂ کوہ   بر جنگ مبارزاں کمر بست
آتش زدۂ بہادران خورد   چندانکہ ز سنگ چوں شرر جست
بگریخت بصد ہزار تشویش   تا از دم تیغ بے اماں رست
در تاریخش بہند بس فکر   فرمود۔ دل نژو کہ بشکست

اس قطعہ میں مادہ تاریخ لفظ (دل نژو کہ بشکست) ہے جس سے ۱۱۰۹ برآمد ہوتے ہیں۔

نواب لشکر خاں کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ محراب خاں۔ فتح نصیب خاں۔ سردار خاں دلدار خاں۔ ان میں سے ہر ایک کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

محراب خاں پسر اول لشکر خاں

محراب خاں نے سمت ۱۷۶۴ بکرمی میں بادشاہ کی طرف سے جا کر جودھپور پر قبضہ کر لیا۔ یہ حال سن کر اجیت سنگھ کو بڑا رنج ہوا مگر کیا کر سکتا تھا۔ مجبور ہو کر جے سنگھ سوائی والئی جے پور اور امر سنگھ والئی اودے پور کی مدد سے ماہ ساون سمت ۱۷۶۵ بکرمی میں اپنے ملک مارواڑ میں آیا۔ یہ خبر سن کر محراب خاں بہت گھبرایا۔ اس لڑائی میں تیس ہزار راجپوت راٹھوڑ جمع ہو گئے تھے انہوں نے قلعہ جودھپور سے محراب خاں کو مجبور کر کے نکال دیا۔ اور اجیت سنگھ شہر میں داخل ہو گیا۔ محراب خاں یہاں سے جا کر بمقام ہرپانہ شہید ہو گیا۔ دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد دوم صفحہ ۱۳۲۵

فتح نصیب خاں پسر دوم لشکر خاں

چونکہ ان چاروں بھائیوں میں ترکۂ پدری کی بابت آپس میں جھگڑے ہو گئے تھے اس وجہ سے تنگ آکر فتح نصیب خاں شاہ آباد کو چھوڑ کر بہروز میں جا بسا تھا۔ جب سردار خاں اور دلدار خاں وغیرہ مر گئے۔ تب یہ بہروز سے واپس آکر شاہ آباد میں آباد ہو گیا۔ اس کا بیٹا عظمت خاں اور پوتا حسن خاں دونوں راجہ جواہر سنگھ والئ بھرت پور کے ہاں تعظیمی سرداروں میں مقرر ہو کر پرگنہ تجارہ میں بائیس گاؤں کی جاگیر کی سند حاصل کی پھر جواہر سنگھ کی وفات کے بعد فتح نصیب خاں کے پوتے حسن خاں نے نواب نجف خاں سپہ سالار شاہ عالم بادشاہ دہلی کو نمایاں مدد دیکر میوات کی فوجداری حاصل کی۔

اس کے بعد جب نواب مذکور کی لڑائی راؤ پرتاپ سنگھ نروکہ رئیس ماچیڑی یا الور سے ہوئی تو اس لڑائی میں حسن خاں نے راؤ مذکور کے برخلاف نواب نجف خاں کی طرف سے بڑی داد شجاعت دی تھی چنانچہ اسی لڑائی میں حسن خاں مارا گیا اور عظمت خاں بھی کچھ دن بعد مر گیا

مصاحب خاں پسر عظمت خاں

عظمت خاں کے بعد اس کا بیٹا مصاحب خاں اپنی آبائی سیاست پر قابض ہوا۔ اگرچہ اس کے باپ عظمت خاں اور بھائی حسن خاں نے راؤ پرتاپ سنگھ کے ساتھ لڑائی کی تھی۔ لیکن مصاحب خاں نے اپنے باپ اور بھائی سے برخلاف ہو کر پرتاپ سنگھ مذکور کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے پرتاپ سنگھ نے اس کو اپنا معتمد بنا کر پانچسو سواروں کی رسالداری اور علاقہ بہروز میں بارہ گاؤں کی سند معافی عطا کی۔

شیخ محمد مخدوم صاحب نے ارژنگ تجارہ میں یہ لکھا ہے کہ سنہ ۱۲۰۵ھ میں جب مرہٹوں کی عملداری تجارہ میں ہوئی۔ تو ان کی طرف سے مصاحب خاں خانزادہ ساکن شاہ آباد عامل مقرر ہوا اس نے اپنے انتظام کی آسانی کے لئے جواہر خاں خانزادے کو جو الٰہی بخش خاں متوطن تجارہ کا داد تھا۔ اپنا شریک بنایا۔ دونوں نے مل کر چند روز میں اپنے علاقہ کا کامل بندوبست کر لیا۔ جب بخوبی تسلط ہو گیا۔ تو جواہر خاں نے تمام لوگوں کو جو انتظام میں شریک تھے بالائے طاق رکھ دیا۔ اور خود ہر ایک کام پر حاوی اور محیط ہو گیا اور بجز ایک مصاحب خاں کے دوسرے

کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ تمام عامل وغیرہ میر فرش کی طرح بے اختیار ہو گئے۔ اور پھر چند روز بعد جواہر خاں اور مصاحب خاں میں بھی اپنے اپنے اقتدار حاصل کرنے پر بگڑ گئی۔ اس وجہ سے جواہر خاں نے قاضی محمد سعید اور ابوالبرکات کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے برادر زادہ لشکر خاں کی معرفت باگھوڑ یا میوؤں کو بھی اشتعال دیدی اور تجارہ سے ایک پنڈت کو بھی باگھوڑ یا میوؤں کے پاس بھیج کر انہیں بلا لیا۔ اس وجہ سے میوؤں نے تجارہ پر آ کر حملہ کر دیا۔ جہانگیر خاں اور دیگر خانزادگان تجارہ معہ مہاجنان کے مصاحب خاں کے ساتھی بن گئے۔ مہاجنان نے مصاحب خاں سے وعدہ کر لیا۔ کہ اگر چاندی سونے کے گولوں کی بھی ضرورت پڑیگی۔ تو ہم دیں گے مگر شہر کا پورا پورا بند وبست رہے اور لوٹ مار نہ ہونے پائے مصاحب خاں نے جابجا مورچہ بندی کر دی۔ بجز مکان جواہر خاں و محلہ قاضی واڑہ کے تمام قصبے میں کامل انتظام ہو گیا۔ اور کسی طرف سے بھی میوؤں کو آبادی میں داخل ہونے کی گنجائش نہ رہی۔ آخر میوؤں نے شہر کے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ دو ماہ تک مورچہ بندی رہی۔ اور بندوقیں چلتی رہیں۔ اس کے بعد میوؤں نے جواہر خاں کے اشارہ اور مدد سے ایک روز اچانک حملہ کر دیا اور آبادی میں گھس آئے اور ایک حویلی کے اندر چار پانچ آدمیوں کو بھی جان سے مار دیا اور مکانوں میں آگ لگا دی اور تمام مورچے خالی کرا لئے۔ مصاحب خاں بازار والی ایک حویلی میں شام تک اکیلا لڑتا رہا پھر رات کو نکل کر قلعہ میں چلا گیا یہ قلعہ ملک علاء الدین خاں کے گنبد کے پاس تھا۔ لیکن شہر کو جلانے کے بعد میوؤں نے اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ آخر مصاحب خاں تاب نہ لا کر شاہ آباد کو چلا گیا اور میوؤں نے قلعہ کو لیکر مہاجنان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ محلہ قاضی واڑہ میں جائے پناہ دیکھ کر مہاجن لوگ وہاں جا چھپے۔"

دلیل خاں پسر جواہر خاں معہ دیگر خانزادگان تجارہ اور دیوان ہری سنگھ رئیس مہاجنان نے ان میوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر مہاجنان کو پکڑوا دیا۔ دس ہزار روپیہ جرمانہ مہاجنان سے وصول کر کے میوؤں نے سب حصص تقسیم کر لئے۔ لیکن جن مہاجناں نے روپیہ دینے سے انکار کیا تھا۔ میو لوگ ان کو پکڑ کر اپنے ہمراہ لے گئے آخر ان مہاجنان میں سے کسی نے خوشی سے اور کسی نے تنگ آ کر اپنا اپنا زر جرمانہ ادا کر دیا۔

"اگرچہ تجارہ کے خانزادوں نے اس عمل سے بظاہر اپنے مخالف مصاحب خاں کو معہ مہاجنان نیچا دکھا دیا۔ لیکن اس کارروائی سے سب سے بڑا نقصان خانزادگان تجارہ کو ہی اٹھانا

پڑا۔ کیونکہ میوؤں کی اس بیجا حمایت نے ان کو لوٹ مار کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیا اور اہل تجارہ آخر اپنی جاگیروں کے مواضعات سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اگرچہ کل پرگنہ تجارہ میں تقریباً تمام دیہات اور بسوہ داریاں خانزادوں کی جاگیریں تھیں۔ صرف کہیں کہیں جاٹ اور گوجر بھی بسوہ دار تھے۔ لیکن شاہ عالم بادشاہ دہلی کے زمانہ میں بدانتظامی کی وجہ سے تمام بسوہ داریاں خانزادوں سے میوؤں نے چھڑا لیں۔ ان جاگیروں کے جاتے رہنے کی وجہ سے اب یہاں کے خانزادے لوگ یا تو انگریزی فوجوں کے اندر ملازمت کرتے ہیں۔ یا زمینداری پر اوقات بسر کرتے ہیں۔،،

نواب فیض اللہ خاں پسر مصاحب خاں

مصاحب خاں کے بعد اس کا بیٹا فیض اللہ خاں اپنی جاگیر پر مقرر ہوا۔

کہتے ہیں اس نے منڈھے کے اندر جو سیدوں کا گاؤں ہے اور اس کی جاگیر میں شامل تھا ایک قلعہ بنوایا۔ چونکہ منڈھے کے سیدوں نے فیض اللہ خاں کے ساتھ ناطہ رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وجہ سے نواب مذکور نے ناراض ہو کر منڈھے کے سیدوں کی پختہ حویلیاں تمام کر کے ان کے ملبے سے قلعہ مذکور تیار کرانا شروع کیا تھا یہ قلعہ ہنوز تکمیل کو نہیں پہونچا تھا کہ نواب مذکور کا انتقال ہو گیا،،

ہوشدار خاں و زور آور خاں پسران فیض اللہ خاں

یہ دونو بھائی اگرچہ ریاست اور رئیس معزز و نامور مشہور تھے۔ لیکن افسوس ان کے وقت میں ہی ان کی آبائی جاگیرات بسبب آپس کے جھگڑوں اور دشمنیوں کے راجہ بلونت سنگھ والئ تجارہ نے ضبط کر لیں۔ اس کے بعد کوئی جاگیر ان کے پاس نہیں رہی اور کاشتکاری یا ملازمت کر اوقات بسر کرنے لگے اسی زور آور خاں نے مہاراجہ بنے سنگھ والئ الور کے حکم سے موضع نیکچ کے رہنے والے میوؤں کو جو کہ مہاراجہ مذکور سے سرکش ہو گئے تھے۔ تباہ و برباد کر کے اور ان لوگوں کو دفع فساد کی غرض سے منتشر کر کے متفرق دیہات میں بسا دیا تھا اور آئندہ کے واسطے تادیب و تنبیہ کے لئے سمت ۱۸۹۲ بکرمی مطابق ۱۸۳۵ء میں قلعہ بجرنگ گڑھ تعمیر کرایا۔

زور آور خاں کا بیٹا سردار خاں ۱۸۸۲ء تک اسی قلعہ کا قلعدار رہا تھا۔ بعد غدر ۱۸۵۷ء

میں ہوشدار خاں وزور اور خاں نے دیوان امتو جان کے ہمراہ ہو کر جسے مہاراجہ الور نے سرکار انگریزی کی خیر خواہی کی غرض سے فیروز پور جھرکا کے فسادی لوگوں کی تنبیہ و تادیب کے واسطے بھیجا تھا نمایاں مدد کی تھی۔ بعد تنبیہ و انتظام جب واپس ہونے لگے۔ تو ان فسادی لوگوں نے اپنی نئی اور پرانی عداوتوں کی وجہ سے درّہ کوہ سے نکل کر دونوں کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ دونوں بھائی ان زخموں کے صدموں سے مکان پر آ کر چندروز بعد انتقال کر گئے ان کے بعد ان کے لڑکے محمد حسین خاں پسر ہوشدار خاں اور کامدار خاں پسر زور اور خاں ریاست الور میں نوابی کے لقب سے مشہور رہے۔

سردار خاں پسر سوم لشکر خاں

سردار خاں کی اولاد میں سمی جیون خاں بن عبداللہ خاں بن اعتقاد خاں بن سردار خاں نے اپنا وطن ناونہ چھوڑ کر مقام عظیم آباد عرف پٹنہ محلہ عالم گنج صوبہ بہار میں جا کر ناہر خاں خانزادہ متوطن سردلی پرگنہ بخارہ کے مکان پر بود و باش اختیار کی۔ ناہر خاں نے اپنی بھتیجی جیون خاں کو بیاہ دی جیون خاں کا مفصل حال صوبہ بہار کے خانزادوں کے حالات میں مفصل لکھا جائے گا وہاں ملاحظہ ہو

دلدار خاں پسر چہارم لشکر خاں

شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں دلدار خاں چار صدی منصب پا کر بدھنور کی صوبداری پر سرفراز ہوا اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے گرو گوبند سنگھ کے برخلاف لڑنے کے لئے ان کو مقرر کیا گیا۔ اس لڑائی میں دلدار خاں نے خوب داد شجاعت دی تھی چنانچہ اس بہادری اور جان نثاری کے صلے میں نواب فیروز خاں ثانی کا خطاب عطا کیا گیا اور منصب ایک ہزاری ذات اور دو ہزار سوار اور سرہند کی فوجداری پر سرفراز کیا گیا۔ پھر سرہند سے تبدیل ہو کر جیپور کی فوجداری پر تبدیل کیا گیا۔ جب شاہ عالم بہادر شاہ مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جہاندار شاہ ۱۱۲۴ھ میں بادشاہ بنا۔ تو جہاندار شاہ اور عظیم الشان کے درمیان سلطنت کی بابت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں فیروز خاں ثانی نے نہایت جاں نثاری اور سرفروشی کے ساتھ جہاندار شاہ کی طرف سے داد شجاعت دی تھی اور آخر حق نمک ادا کر کے اپنی جان دیدی تھی اس کے جنازہ کو قصبہ شاہ آباد میں لایا گیا اور دفن کیا گیا۔ شاہ آباد والوں کا مختصر سا شجرہ یہ ہے

بہادر ناہر خاں۔ ملک علاءالدین خاں۔ حسام خاں۔ محمود خاں۔ بوڈہ خاں۔ داؤد خاں۔ سکندر خاں۔ محمود خاں نور خاں۔ نواب فیروز خاں۔ لشکر خاں۔ فتح نصیب خاں۔ عظمت خاں۔ مصاحب خاں۔ فیض اللہ خاں ہوشدار خاں۔ محمد حسین خاں۔ فتح نصیب خاں وغیرہ۔

نواب اکرام خاں بن اسلم خاں جاگیر دار ملک پور (تجارہ)

اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں نواب اکرام خاں ملقب بہ ساخوت متوطن قصبہ تجارہ نے جو چودھری جواہر خاں کے جد امجد تھے۔ متصل باگھور پرگنہ تجارہ میں ایک موضع ملک پور کو اپنے مورث اعلیٰ ملک علاءالدین خاں کے نام پر آباد کر کے اپنی سکونت اختیار کی یہ شخص ملک میوات کے سرداروں میں بہت بہادر۔ دل چلا اور نڈر ہوا ہے۔ شجاعت اور بہادری میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اس نے ملک پور میں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا تھا اور وہاں نوبت و نقارہ رکھ کر اپنی حکومت شروع کر دی اور عالمگیر بادشاہ دہلی سے باغی ہو بیٹھا۔ اور اپنے مقبوضہ علاقہ کا محاصل دبا بیٹھا پھر اس نے اپنے گردو نواح کا بہت سا بادشاہی علاقہ بھی دبا لیا۔ اور شاہی علاقہ پر لوٹ مار اور مار دھاڑ شروع کر دی جب خلیل اللہ خاں حاکم میوات نے اس کو اس زیادتی اور بغاوت سے منع کرنا چاہا تو اس کے ساتھ بھی جنگ شروع کر دی اور اس کا نشان اور نوبت و نقارہ چھین کر اور اس کو شکست دیکر تجارہ سے نکال دیا اور عالمگیر جیسے باسطوت بادشاہ کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ وہ بچارہ دہلی جا کر عالمگیر بادشاہ کے پاس فریادی گیا اور اکرام خاں کی بغاوت کے تمام حالات عرض کر دیئے عالمگیر بہت ناراض ہوا۔ اور اکرام خاں کی تنبیہ و تادیب کے لئے بہت سی فوج بھیجی۔ جب فوج نے آکر موضع بامٹ ہیڑی پر قیام کیا۔ تو اکرام خاں بھی اپنے رفقاء نامدار سمیت لشکر شاہی کے مقابلے کے لئے آیا۔

بھلا خیال تو کرو۔ کہاں ہندوستان کا شاہنشاہ اور کہاں دس بیس گاؤں کا جاگیردار۔ اس لئے یہ مقابلہ ایک خودکشی کی حیثیت رکھتا ہے

غرض شکر اللہ خاں فوجدار نارنول نے عالمگیر کے حکم سے قرآن شریف درمیان میں لیکر اور فرضی صلح کا بہانہ بنا کر اکرام خاں کو اپنے پاس دھوکے سے بلا لیا۔ اور اس پہ تلوار کا وار کیا اگرچہ زخم کاری لگا تھا لیکن پھر بھی اکرام خاں نے سید بلاقی شاہ وغیرہ زرہ پوشوں سے بخوبی مقابلہ کر کے ایسا جوانمردی کا جوہر دکھایا۔ کہ فوج شاہی میں تہلکہ پڑ گیا اور سید بلاقی شاہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سینے تک پار ہو گئی ۔۔۔۔

ستید بلائی کے ایسی جڑی ۔۔ کہ دو ٹوک کر جا زمیں سے اڑی

یہ حال دیکھکر شاہی فوج نے اکرام خاں پر یک بارگی زغہ میں لیکر تلواروں سے حملہ کر دیا۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اگرچہ اکرام خاں کے دوسرے ساتھی اس نازک موقعہ پر سب بھاگ گئے لیکن اس کے دو نو بھائی وہیں قتل ہو گئے "۔

جب اکرام خاں کے متعلقین نے اس کے قتل ہونے کا حال سنا تو انہوں نے اپنے محل اور قلعہ میں بارود بچھا کر آگ لگا دی۔ اور قلعہ اور محل کو مع ساکنین کے اڑا دیا جس کی وجہ سے تمام عورتیں اور بچے گویا جوہر کی پرانی رسم ادا کر کے مر گئے "۔

اکرام خاں کا بڑا لڑکا مجاہد خاں پانچ سو سواروں کی جمعیت ساتھ لیکر اندور کے پہاڑوں میں اکر لڑائی کے واسطے تیار ہو کر گھات میں جا بیٹھا۔ لیکن سرداسا اور امرا لوگوں نے درمیان میں پڑ کر اس کو لڑائی سے باز رکھا۔ اور شکر اللہ فوجدار نارنول کے پاس لیجا کر ملازمت کرا دی۔ شکر اللہ خاں اس کو بہت دلاسا اور تسلی دیکر نارنول کو واپس چلا گیا۔

اکرام خاں کا چھوٹا لڑکا ناہر خاں ایک میاں جی کے پاس پڑھتا تھا۔ جب میاں جی نے یہ حال دیکھا تو وہ ناہر خاں کو اپنے ساتھ لیکر بھاگ گیا۔ تاکہ اس کی جان پر آفت نہ آنے پائے۔ ایک مدت تک میاں جی نے ناہر خاں کو اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ جب عالمگیر کے بعد اس کا بیٹا بہادر شاہ بادشاہ بنا۔ تو مجاہد خاں اور ناہر خاں پسران اکرام خاں نے بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور مدد معاش کی درخواست دیکر موضع ملک پور کی معافی کی سند دوبارہ سنہ ۱۱۲۳ھ کی لکھی ہوئی حاصل کی۔ افسوس اس سند کی نقل تاریخ ہذا میں درج کرنے کے لئے ہم کو نہ مل سکی۔ مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور کے صفحہ ۱۰۴ میں یہ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں میوات کے پرانے حاکموں میں سے اکرام خاں خانزادہ متوطن تجارہ نے ملک کے اندر رہزنی کا بازار گرم کیا تھا اور تجارہ کے گورنر سے نقارہ اور نشان وغیرہ چھین کر اس کو نکال دیا تھا۔ لیکن اکرام خاں اپنے آپ کو شاہی حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہ کر سکا۔

اکرام خاں کا شجرہ نسب یہ ہے۔ بہادر ناہر خاں۔ ملک علاؤالدین خاں۔ حسام خاں۔ عیسے خاں۔ خلیل خاں۔ جہراج خاں جہاں خاں۔ کالیخاں۔ امام خاں۔ عالم خاں۔ فیروز خاں۔ لاڈ خاں۔ اسلام خاں۔ اکرام خاں۔ مجاہد خاں۔ جواہر خاں۔ زبردست خاں۔ الہی بخش خاں وغیرہ "۔

شہاب خاں پیر چہام پسر بہادر ناہر خاں جاگیر دار قصبہ پہاڑی بھرتپور

موضع ملی جاگیر جن سے شہاب خاں کے حصے میں ساکرس، ادمرا، بہادس، پہاڑی، کھوہ کلاں
اور نگر عرف گھاسولی آئے تھے۔ اپنی سکونت پہاڑی میں رکھ کر اس کو اپنا دار الریاست بنایا جس
وقت سلطان ناصر الدین محمود دہلی میں اور نصرت شاہ فیروز آباد میں الگ الگ بادشاہ بنے ہوئے
تھے۔ تو اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں ان کے امرا اور وزرا بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے
چنانچہ ظفر خاں گجراتی، فضل اللہ بلخی، اور پیر شہاب خاں بن ناہر خاں خانزادہ نصرت شاہ کے
طرفدار بن گئے تھے۔ شہاب خاں اسی وجہ سے میوات کے علاقہ سے بہت سا سامان جنگ اور لشکر
لیکر فیروز آباد میں نصرت شاہ کی مدد کے لئے لے گئے تھے نصرت شاہ نے شہاب خاں کو
ناصر الدین محمود سے لڑنے کے لئے قصبہ برن (بلند شہر) کی طرف بھیجا۔ لیکن راستے ہی میں وہاں
کے زمینداروں نے ان پر شب خون مارا۔ جس میں یہ شہید ہو گئے۔

کہتے ہیں آپ کو بچپن ہی سے فقیروں سے بہت محبت تھی اور کامل فقرا سے ہر وقت
صحبت رہتی تھی آخر کسی عارف کامل کی صحبت اور برکت اپنا کام کر گئی جس کی وجہ سے یہ
بھی اولیائے کاملین میں شمار ہو گئے ان کا مزار قصبہ پہاڑی میں بنا ہوا ہے جس کی زیارت
کے لئے دور دور سے خلقت آتی ہے اور اپنی دلی مراد پاتی ہے۔

آپ کے کشف و کرامات کے بہت سے قصے لوگوں میں مشہور ہیں۔ جن میں سے چند ایک
یہاں پر درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک روایت مشہور ہے کہ ایک دن آپ حجام سے اصلاح کرا رہے تھے اسی اثنا میں
حجام سے فرمایا کہ ذرا ٹھیرو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں یہ کہہ کر باہر چلے گئے کچھ دیر بعد جب واپس آئے
تو دیکھا کہ آپ پسینے میں تر بتر ہو رہے ہیں اور کندھے پر گردن کے پاس کیلوں کے کچھ نشانات
موجود ہیں۔ جن سے خون جاری ہے آخر بہت اصرار سے دریافت کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا
کہ اس وقت سمندر میں ایک جہاز ڈوب رہا تھا۔ آپ حضرت خضر کی رہنمائی سے
اسے ڈوبنے سے بچانے کے لئے تشریف لے گئے تھے آپ نے اپنا کندھا جہاز کے نیچے لگا
دیا تھا جس کی وجہ سے جہاز کی کیلوں کے نشانات آپ کے کندھے پر موجود ہیں۔

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی فوجی افسر بہ تقریب دورہ قصبہ پہاڑی

میں آیا تھا اتفاقاً اس کا پڑاؤ شہاب خاں پیر کی درگاہ کے پاس ہوا۔ اس کا تمام عملہ تو درگاہ سے باہر اپنے خیمے ڈیرے لگا کر ٹھہر گیا۔ لیکن افسر مذکور درگاہ کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں بے ادبی کے ساتھ مزار کی طرف پشت کر کے کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ اہل قصبہ اور درگاہ کے مجاوروں نے اسے ہر چند منع کیا۔ لیکن اول کریلا اور پھر نیم چڑھا کے مطابق اس نے فوجی ملازمت اور افسری کے غرور میں کسی کے کہنے کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ تھوڑی دیر بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ کرسی پر سے چاروں شانے چت دور جا پڑا اور بیہوش ہو گیا سپاہی اسے اٹھا کر درگاہ سے باہر لے گئے اور پنکھا جھلتے رہے کئی گھنٹوں کے بعد ہوش آیا۔ آخر اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اور شیرینی پر شہاب خاں کے نام کی فاتحہ دلا کر بچوں میں تقسیم کی گئی۔"

۳۔ تیسری روایت یہ ہے کہ دو عورتوں کے بچے اتفاقاً ایک ساتھ بیمار پڑ گئے ان میں سے ایک نے شہاب خاں پیر کے مزار پر غلاف چڑھانے کی منت مانی اور دوسری عورت کو بھی یہی ترغیب دی لیکن اس نے اس بات کو نہ مانا بلکہ الٹی اس خیال کی تکذیب کرنے لگی۔ آخر تیسرے روز منت ماننے والی عورت کا بچہ پیر صاحب کے روحانی فیض کی برکت سے تندرست ہو گیا۔ اور دوسری عورت کا بچہ مر گیا۔

اگرچہ نئی روشنی والے حضرات بغیر علمی شہادت کے ایسی حکایات کو قانون قدرت کے برخلاف ہونے کی وجہ سے محض لغو اور مہمل سمجھتے ہونگے۔ تاہم ان باتوں سے اتنی حقیقت ضرور کھل گئی۔ کہ حضرت شہاب خاں پیر کی حین و حیات میں بھی اور ان کے وصال کے بعد بھی عام طور پر لوگ ان کی کرامات کے بہت معتقد تھے۔ اب رہا یہ امر کہ یہ کرامات کا اعتقاد درست ہے یا نہیں اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ہم نے اپنی عمر بھر اس کوچہ کی ہوا نہیں کھائی۔ نہ مرید بنے نہ پیر۔ اس لئے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بقول شخصے قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور بھی اپنی تاریخ وقائع راجپوتانہ کے صفحہ ۲۰۴ پر یہ لکھتے ہیں کہ قصبہ پہاڑی میں جو میوات کے اندر ایک پرگنہ ہے شہاب خاں نامی خانزادہ پیر کی درگاہ بنی ہوئی ہے جس پر گرد و نواح کے لوگوں کا بہت بڑا اعتقاد ہے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔"

پیر مذکور کا مزار پختہ بنا ہوا ہے اور اس پر گنبد بھی موجود ہے۔

حضرت شعیب صاحب سجاردی نے آپ کی شہادت کی تاریخ ایک قطعہ کے اندر تحریر فرمائی ہے

بر مزار شہاب خان شہید ۔۔۔۔ مے رسد صبح و شام خلق خدا

جست سال شہادت او شعیب   اُمداز غیب (ذو الجلال) اُمدا

اس قطعہ میں تاریخ کا مادّہ لفظ ذو الجلال ہے جس کے ۱۰۰۰ عدد ہوتے ہیں اس لئے ؁۱۰۰۰ھ میں آپ کی شہادت ہوئی تھی۔

ملک مجاہد خاں بن قطب خاں جاگیردار کھوہ کلاں بھرتپور

ملک صاحب شہاب خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں تھے کھوہ کلاں کو دار الریاست بنایا تھا ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

ملک مجاہد خاں بن قطب خاں بن مبارک خاں بن الف خاں بن محمود خاں بن شہاب خاں بن ناہر خاں۔

اپنے زمانہ میں یہ شخص بڑا مشہور و معروف ہوا ہے کہتے ہیں جب کوئی ظالم شخص کسی مظلوم پر اس کے علاقہ میں زیادتی کرتا تھا۔ تو وہ مظلوم ملک صاحب کی حمایت میں آجاتا تھا یا کوئی خاص کام کسی شخص کی طاقت سے باہر ہوتا تھا تو اس مشکل کو حل کرانے کے لئے گرد و نواح کے لوگ ہمیشہ ملک صاحب ہی کے پاس آکر مدد کی درخواستیں کیا کرتے تھے اور یہ حتی المقدور اس فریادی کی فریاد کو پہونچ کر اس کی کار براری میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے چنانچہ اسی قسم کی مدد کا ایک واقعہ اس موقعہ پر ہم بطور تمثیل درج کرتے ہیں جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

یہ واقعہ اگرچہ تاریخوں کے اندر نہیں پایا جاتا لیکن مقامی روایتوں سے یہ اس قدر شہرت پاچکا ہے کہ اس کا تذکرہ ہر شخص کی زبان پر موجود ہے اور عیاں را چہ بیاں کا مصداق بن گیا ہے کہتے ہیں ٹوڈرمل نامی ایک میو کا لڑکا دریا خاں تھا۔ جو موضع ڈابک پرگنہ نگر ریاست بھرت پور کا رہنے والا تھا۔ اور پاہٹ گوت کا تھا۔ اس زمانہ میں میو لوگوں کی شادیاں ہندو مینوں سے بھی ہو جایا کرتی تھیں چنانچہ دریا خاں مذکور کی شادی بادہار او مینے کی پوتی سے قرار پائی تھی اس لڑکی کا نام ششی بدنی تھا یہ لڑکی بڑی خوبصورت تھی اس وجہ سے ”ششی بدنی (چاند جیسے بدن والی) ہونے کی وجہ سے اسم بامسمےٰ کہی جاسکتی تھی“

اگرچہ ٹوڈرمل اور بادہار او دونوں اس شادی سے خوش تھے اسی واسطے منگنی کی رسم ادا کی گئی تھی۔ لیکن مینہ قوم کے دوسرے لوگ اس شادی سے ناخوش تھے کیونکہ میو لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور مینے ابھی تک ہندو ہیں اس وجہ سے مینے لوگ اس شادی کو اپنی ہتک جانتے

تھے اور یہ شادی ایک ہندو مسلمان کا سوال بن گئی تھی۔ مگر میو قوم میں منگنی کا چھوڑنا بھی بدنامی کا باعث خیال کیا جاتا ہے اور ٹوڈر مل میو کے بھائی بندوں میں اتنی طاقت اور ہمت نہ تھی کہ دریا خاں کی شادی دوسروں کی مدد بغیر کرالاتے۔ ناچار اس نے ملک مجاہد خاں خانزادہ متوطن قصبہ کھوہ کلاں سے مدد کی درخواست کی۔ اس درخواست کا مضمون ایک ہندی شاعر نے دوہرے کے ذریعہ اس طرح ادا کیا ہے ؎

تو چادر میوات کی خان جی۔ خاں مجاہد کھوہ ⁘ دریا خاں کے بیاہ کی خان جی لاج شرم ہے تو

ترجمہ: اے ملک مجاہد خاں تم علاقہ میوات کے مالک ہو۔ اور قصبہ کھوہ کے رہنے والے ہو۔ میرے بیٹے دریا خاں کی شادی کی لاج اور شرم آپ کو ہی ہے یعنی صرف آپ کے ذریعے ہی یہ شادی ہو سکتی ہے آخر مجاہد خاں نے ٹوڈر مل کی یہ درخواست منظور کر کے اپنے بہت سے ہمراہی سواروں کو ساتھ لیکر برات میں گئے اور ہر مشکل مرحلے کو طے کر کے شادی کرادی شادی کے بعد برات واپس آگئی۔ لیکن دلہن کو وہیں چھوڑ آئے کیونکہ تمام مینے لوگ اس شادی سے ناراض تھے اسی لئے راستے میں سخت معرکہ آرائی ہونے کے خیال سے دلہن کا وداع کرنا کسی آئندہ موقع کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا۔ تو بہت بڑا کشت و خون ہو جاتا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد دریا خاں اپنی سسرال جا کر رات کے وقت دولہن کو لے آیا۔ جس میں دلہن کے بھائی نے بھی وداع کے موقع پر اپنی بہن کی مدد کی تھی۔ لیکن دن نکلنے پر یہ راز فاش ہو گیا۔ آخر بہت سے مینے ان کو پکڑنے اور مار ڈالنے کے لئے دوڑے۔ موضع منگانے کے بارہ میں مینوں نے دریا خاں کو معہ ششش بدنی کے آپکڑا اس جگہ گردونواح میں خانزادوں کے چند گاؤں تھے۔ کہتے ہیں اس وقت خود دولہن نے بھی اپنی مدد کے واسطے پھر ملک مجاہد خاں کی دہائی دی۔ اس مدد طلب کرنے کا دوہا ہندی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

پوتی بادہا راؤ کی جانے سبھی خلق ⁘ جھیلی جائے تو جھیل لے تیری ای شرن ہے ملک

ترجمہ: میں بادہاراؤ مینے کی پوتی ہوں اور اس بات کو تمام دنیا جانتی ہے اے ملک مجاہد اگر تجھ سے میری مدد ہو سکتی ہے تو اس وقت کر۔ کیونکہ میں تیری پناہ میں آئی ہوں اس بات کو سن کر گردونواح کے خانزادوں نے جو ملک مجاہد خاں کے بھائی بند تھے دریا خاں کی مدد کی۔ مینوں کے ساتھ ایک بڑی لڑائی ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے آخر مینوں کو مار مار کر بھگا دیا۔ اور دریا خاں اپنی بیوی ششش بدنی کو صحیح سلامت لیکر اپنے

گھر واپس آگیا۔

ملک نظام خان بن محمود خان حاکم بیانہ

یہ نظام خاں بھی شہاب خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں ہوئے ہیں جس زمانہ میں یہ بیانہ کا حاکم تھا اس وقت رانا سانگا سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ وہ بڑا زبردست راجہ تھا اسی وجہ سے نظام خاں نے بابر بادشاہ کی اطاعت اختیار کرلی تھی تاکہ سانگا کے حملوں سے بچا رہے لیکن جس کو مسیحا سمجھا تھا وہ ہی قاتل نظر آیا کیونکہ بابر نے بھی اسے اپنا ماتحت سمجھکر اس سے قلعہ بیانہ طلب کیا۔ تاکہ وہ اس محفوظ قلعہ میں بیٹھکر رانا سانگا سے بخوبی مقابلہ کر سکے کیونکہ محل و قوع کے لحاظ سے یہ قلعہ جنگ کے لئے بہت ہی موزوں تھا۔ مگر نظام خاں نے قلعہ بیانہ کو بابر کے سپرد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب بابر کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بابا قلی بیگ اپنے ایک سردار کو نظام خاں سے قلعہ مذکور چھین کر اپنے قبضے میں لانے کے واسطے بھیجا۔ اور اس کے ساتھ حسب ذیل قطعہ اپنی قلم سے لکھکر نظام خاں کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ ڈر کر قلعہ سپرد کرے ؏

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ	چالاکی و مردانگی ترک عیاں است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش	آں را کہ عیاں است چہ حاجت بہ بیان است

لیکن نظام خاں پر اس دھمکی کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اور اطاعت اختیار کرنے اور قلعہ حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور قلعہ سے باہر نکل کر بابا قلی بیگ کے ساتھ مردانہ جنگ کی اور اسے شکست دیکر پھر واپس قلعہ میں آرام سے جا بیٹھا۔

جب رانا سانگا کو اس حال کی خبر ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ مسلمانوں میں باہم جنگ و جدل ہو گئی تھی اور بابر کا ایک اور دشمن پیدا ہو گیا آخر رانا مذکور نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگیوں کو غنیمت سمجھکر پھر دوبارہ نظام خاں کو قلعہ بیانہ سے نکالنے کے لئے زور دیا کیونکہ یہ قلعہ جنگ کے لئے نہایت موزوں جگہ پر واقع تھا اسی وجہ سے بابر اور رانا سانگا دونوں اسے اپنے قبضہ میں لانے کے لئے نظام خاں غریب پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ جب رانا سانگا نے نظام خاں پر بہت دباؤ ڈالا۔ تو اس نے مجبور ہو کر بابر کے پاس دوبارہ اپنا ایلچی بھیجا اور ندامت اور پشیمانی کا اظہار کر کے معافی مانگی موقعہ کی نزاکت کا خیال کر کے بابر نے فوراً نظام خاں کا قصور معاف کر دیا۔ اور اس کو اپنے پاس بلانے کا پیغام بھیجا۔ آخر نظام خاں قلعہ بیانہ کو بابر کے سپاہیوں

کے سپرد کر کے خود بابر کے پاس چلا آیا۔ بابر نے اس کے واسطے بیس لاکھ ٹنکہ نقرئی سالانہ کی جاگیر میان دوآب میں مقرر کر دی چنانچہ وہ جاگیر آج تک صوبہ یو۔پی میں نظام خاں کی اولاد میں چلی آتی ہے۔"

اس کے بعد جب رانا سانگا کی لڑائی بابر سے ہوئی تو اس میں نظام خاں بھی بابر کا ہمراہی بن کر رانا مذکور سے لڑا تھا اور بابر کو اپنی جاں نثاری اور وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔

نواب بازید خان بہادر بن دریا خان جاگیردار علی نگر عرف گھسولی گوبند گڑھ

نواب بازید خاں نے قصبہ گھساولی عرف علی نگر کو اپنی دارالریاست بنایا تھا ان کا شجرہ نسب یہ ہے

بازید خاں۔ بن دریا خاں بن اسمٰعیل خاں بن محمود خاں بن شہاب خاں بن بہادر ناہر خاں۔

نواب صاحب محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں پنج ہزاری منصب اور نوبت و نشان سے سربلند ہوا۔ اور نواب بازید خاں بہادر کا خطاب حاصل کیا اور قمر الدین وزیر دہلی کے بیٹے کی وفات کے بعد میوات کی فوجداری کا عہدہ بھی حاصل کیا۔ اس تقرری سے میوات کے کل چھوٹے بڑے لوگ بہت خوش ہوئے تھے اس کے بعد نواب صاحب نے راجہ فتحپور جھنجھنو کی لڑکی سے جو قایم خانی تھا اپنا نکاح کیا۔

پھر ۱۷۱۴ء میں ہمراہی راجہ جے سنگھ سوائی والئی جے پور کے بھرت پور کی تاخت و تاراج کے واسطے مقرر ہوا۔ جس وقت شاہی فوج نے مقام تھوں کا محاصرہ کیا۔ جو چوڑامن جاٹ بھرت پور والے کے قبضے میں تھا تو ادے سنگھ رئیس شجاعت نے جو سوائی جے سنگھ والئی جے پور کے سرداروں میں تھا دانستہ غفلت کی اس بات سے جے سنگھ مذکور بہت ناراض ہوا کیونکہ وہ جاٹوں سے حسب مرضی بدلہ نہ لے سکا۔ آخر بادشاہ نے نواب بازید خاں فوجدار شاہی کو قلعہ اودے گڑھ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا جس سے اودے سنگھ مجبور ہو کر وہاں سے بھاگ کر مارواڑ میں پناہ گزین ہوا۔ اور اس کے بیٹے سوائی سنگھ نے حاضر ہو کر قلعہ کی کنجیاں نواب بازید خاں بہادر کے حوالے کر دیں۔ دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد دوئم صفحہ ۱۴۰۔

جب وقت راجہ اجیت سنگھ والئی مارواڑ نے شاہ عالم بادشاہ دہلی کی کمزوری دیکھکر علاقہ نارنول کو لوٹ گھسوٹ کر تباہ و برباد کر دیا تھا اس زمانہ میں یہاں پہ نواب بازید خاں بہادر فوجدار مقرر ہوئے تھے لیکن تھوڑی سپاہ پاس ہونے سے اجیت سنگھ کو روک نہ سکے۔"

بادشاہ نے صمصام الدولہ کو نواب مذکور کی مدد کے لئے فوج دیکر بھیجا۔ مگر فوج نے صمصام الدولہ کی ماتحتی سے انکار کردیا۔ پھر بادشاہ نے حیدر قلی کو بھیجا۔ آخر نواب بازید خاں بہادر اور حیدر قلی نے مل کر اجیت سنگھ کو شکست دی اور وہاں سے نکال دیا۔ اور اس نے مارواڑ جاکر دم لیا۔

سنہ ۱۱۳۲ ہجری میں جو لڑائی سید عبداللہ وزیر الممالک اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے درمیان ہوئی تھی اس میں نواب بازید خاں بھی بادشاہ کے ساتھیوں میں موجود تھا اور بڑی دادِ شجاعت دیکر سرخروئی حاصل کی تھی۔

جب سنہ ۱۱۵۱ ہجری میں نواب خان دوران خاں نادر شاہ کی لڑائی میں مارا گیا۔ تو چونکہ یہ شخص نواب بازید خاں کے بڑے گہرے دوست تھے اس لئے اپنے دوست کی وفات کے بعد نواب بازید خاں نے عہدۂ فوجداری سے استعفیٰ دیدیا اور علی نگر میں آرہے اور چند روز بعد بڑی بہادری اور نیک نامی کے ساتھ تیس[۳۰] سال تک حکومت کرکے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

نواب صاحب چونکہ بڑے شجاع اور بہادر تھے چنانچہ ان کی شجاعت کے باب میں ایک شخص عبدالصمد خاں نامی شاعر نے ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کے اندر نواب صاحب کی مدح میں ایک غزل بھی بطور قصیدہ حوالۂ قلم کی ہے جس کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

بود بازید خانِ عالی قدر — دشمن انداز و دوستاں پرور
تاکہ او بود در حدِ میوات — کسے ہرگز نہ برکشیدہ سر
بہ سخاوت۔ سخاوتش نوکر — بہ شجاعت۔ ندیم فتح وظفر
ملکِ میوات ونارنول تمام — بود در خرچ مطبخش کمتر
حالیا ہم بہ یمن ریح خوشیش — ہست اولاد او بحشمت وفر
ہمہ با عمدہ اند و خود عمدہ — صاحب تیغ و مالکِ لشکر
ایں زماں ہم بعرصۂ ایں ملک — نیست دیگر سرِ نشان ہمسر
صاحب حشم ز نیل از اجداد — مالکِ ملک کردہ حیدر
گفت عبدالصمد چو ایں غزلے — تا بود۔ ایں رسالہ را نہ بود

(نوٹ): اس قطعہ میں مقطع کے اندر جو لفظ رسالہ ہے اس پر شیخ محمد مخدوم صاحب نے اپنی حسب عادت ایک لمبی چوڑی ہرزہ سرائی کی ہے۔"

نواب صاحب نے قصبہ گھساولی کے اندر ایک خام قلعہ تیار کرایا تھا۔ آج کل گھساولی

کی جگہ جو قصبہ گوبندگڑھ سے جانب جنوب تین چار فرلانگ کے فاصلہ پر واقعہ ہے بالکل ویران پڑی ہوئی ہے اور قلعہ کی تمام دیواریں گر گئی ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی عمارات کا ملبہ جابجا پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ یہیں پر نواب مذکور کا مزار بھی ایک پختہ احاطہ کے اندر بنا ہوا موجود ہے جن کے ارد گرد گیارہ قبریں اور بھی انکے قریبی رشتہ داروں کی بنی ہوئی ہیں اس احاطہ کے باہر بھی چاروں طرف اور مسجد میں بھی جابجا پختہ قبریں اور کنوئیں بنے ہوئے موجود ہیں نواب صوف کے مزار پر ہر سال چیت کے مہینہ میں ایک بڑا میلہ بھرتا ہے جس میں بہت سا چڑھاوا آتا ہے جسے پجاری کا بیٹے والا ایک مجاور دیا جاتا ہے

کہتے ہیں ایک شخص مسمی چھٹو شیخ ساکن گوبندگڑھ نے اپنے زمانہ میں خوف خدا کو بالائے طاق رکھکر خانزادوں کے ان گھساولی والے مزارات کو خزانہ حاصل کرنے کے خبط میں اکھڑوا دیا تھا۔ لیکن وہاں ایک پیسہ بھی نہیں نکلا۔ مجبوراً ان قبروں کو دوبارہ اسی طرح درست کرادیا ہے شیخ مذکور کی نسبت گوبندگڑھ میں یہ روایت مشہور ہے کہ قبروں کے اکھڑوانے کے بعد ہی اس کا تمام بدن اور ہاتھ پاؤں جذام کی وجہ سے گل سڑ کر گر گئے اور بالکل اپاہج ہو گیا آخر گھر والوں نے بھی اس کو اپنے مکان سے نکال دیا۔ اور وہ عرصہ تک دکھ اٹھاتا ہوا حسرتناک موت سے مراسہ

اے یار جو کوئی کسی کو کل پاویگا	یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاویگا
اس دار مکافات میں سن اے غافل	بیداد کرے گا آج۔ کل پاویگا

نواب عظمت خاں بن نواب بازید خاں جاگیردار گھساولی گوبندگڑھ

نواب بازید خاں کے بعد اس کا بڑا لڑکا نواب عظمت خاں اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا اور چھوٹا لڑکا چہاں خاں عرف دیوانہ بھائی عظمت خاں کے پاس ہی رہتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ بھی محمد شاہی دربار میں معزز سردار بن گیا۔

جب محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نادر شاہ سے شکست کھائی تھی۔ تو محمد شاہ کے تمام امرا اور وزرا کے ساتھ نواب عظمت خاں نے بھی نادری لوٹ کھسوٹ کے صدمے سہے تھے نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد نواب عظمت خاں نے دوبارہ سوائی جے سنگھ والی جے پور کی مدد سے دربار شاہی میں اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ سوائی جے سنگھ نے نواب مذکور کو ان بائیس مواضعات کی جاگیر کی سند جو گھساولی کے گرد و نواح میں آباد تھے نسلاً بعد

نسلاً بادشاہ سے دلوائی تھی اور نار نول۔ سنگھانہ اور دادری کی فوجداری بھی یکے بعد دیگرے دلاتا رہا۔ اور اس کے چھوٹے بھائی جہان خاں عرف دیوانہ بھائی کو بھی پرگنہ کانوند کی فوجداری دلائی۔ اس جہان خاں نے کانوند میں ایک جدید قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ جو آجتک وہاں موجود ہے

جب سوائی جے سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کے بیٹے ایشری سنگھ نے بھی نواب عظمت خاں کے سابقہ منصب اور جاگیر کو بدستور بحال و برقرار رکھا اس کے علاوہ نواب صاحب کو اپنے پاس بلاکر بندوق چلانا سکھانے کا اپنا استاد بنایا۔ کیونکہ نواب مذکور بندوق چلانے کے ہنر میں یکتائے روزگار تھے اس کے بعد جب محمد شاہ کی لڑائی احمد شاہ درانی سے ہوئی تو اس لڑائی میں نواب عظمت خاں بھی راجہ ایشری سنگھ کے ساتھ بادشاہ کے طرفداروں میں تھا۔

رنگیلے محمد شاہ کی کمزوری کو دیکھکر مرہٹوں نے میوات میں مار دھاڑ شروع کر دی لیکن جب راجہ ایشری سنگھ جو بادشاہ کی طرف سے میوات کا حاکم تھا بوجہ کاہلی اور سستی کے ہلکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور میوات کا انتظام کرنے سے قاصر رہا۔ تو اس نے اپنی ہتک عزت کے خوف سے زہر کھاکر جاں بحق ہوا اس کے مرنے کے بعد جب راجہ مادھو سنگھ کو اس کی جگہ پر سمت ۱۸۰۰ بکرمی مطابق ۱۷۵۲ء میں میوات کا گدی نشین بنایا گیا تو وہ بھی نواب عظمت خاں پر بہت مہربانی رکھتا تھا ۱۱۸۱ھ میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا اس کی وفات کی تاریخ شعیب صاحب تجاروی نے تحریر فرمائی ہے۔ جو یہ ہے ؎

آہ از فوت خان عظمت خاں	کرد خلقت بہ غم گریباں چاک
شہر شعبان بود و بست و ششم	عالمے شد ز رحلتش غمناک
گفت سالش شعیب ایں افسوس	سر میوات شد بہ عالم پاک

اس قطعہ میں "سر میوات شد بہ عالم پاک" تاریخ کا مادہ ہے جس کے اعداد ۱۱۸۱ نکلتے ہیں۔ یہی وفات کا سن ہے۔

نواب ذوالفقار خاں اسد جنگ بن نامدار خاں جاگیر دار گھساولی

(۱) شجرہ نسب " نواب بازید خاں کی اولاد میں نواب ذوالفقار خاں بڑا بہادر۔ اولوالعزم اور صاحب ہمت سردار گزرا ہے جس کا شجرہ نسب یہ ہے ذوالفقار خاں بن نامدار خاں بن عظمت خاں بن

بازید خاں بن دریا خاں بن اسمٰعیل خاں بن محمود خاں بن شہاب خاں بن بہادر ناہر خاں اگرچہ خانزادوں کی ثروت وعظمت کسی قدر نواب صاحب کے زمانہ تک بھی باقی رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد اس قوم کا عروج واقبال بالکل ختم ہو گیا۔ اس لحاظ سے نواب ذوالفقار خاں کو خاتم الامرائے میوات کہنا بجا ہے نواب مذکور نے صرف اپنی قوتِ بازو سے حکومت حاصل کی تھی مندرجہ بالا شجرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان میں ہمیشہ سے امیر ابن امیر ہوتے رہے ہیں۔ جو اپنے اپنے زمانہ میں بہادر سردار گزرے ہیں۔ نواب بازید خاں نے جو خام قلعہ اپنی حفاظت کے لئے گھاسولی میں بنوایا تھا نواب ذوالفقار خاں نے اس کو اپنے وقت میں ازسرِ نو پختہ اور مضبوط تعمیر کرایا۔ اور اپنی جواں مردی اور شجاعت کی بدولت گرد و نواح کا بہت سا علاقہ فتح کر کے رئیس اعظم بن گیا تھا۔ جس وقت راجہ سورج مل رئیس بھرت پور نے قصبہ بہادر پور کے سیدوں اور خانزادوں پر اپنی عدول حکمی کی وجہ سے فوج سے گولہ باری کرائی تھی۔ تو وہ اس مصیبت کے وقت میں خوف کی وجہ سے اپنے بھرے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور گھاسولی میں جا کر نواب ذوالفقار خاں کے پاس پناہ لی تھی۔

(۲) **سیاسی کارنامے**:۔ جب جواہر سنگھ بھرت پور کا راجہ بنا تو اس نے اپنے دشمنوں پر قابو حاصل کرنے کے لئے نواب مذکور کے ساتھ دوستی پیدا کی۔ جس کی وجہ سے نواب موصوف ہمیشہ جواہر سنگھ کا حامی اور مددگار بن گیا تھا اور ہمیشہ اس کے دشمنوں سے لڑتا رہا اور دوستی کا حق ادا کرتا رہا جس وقت سمت ۱۸۲۱ بکرمی میں راجہ جواہر سنگھ اور نواب نجیب الدولہ روہیلے کے درمیان شہر دہلی میں لڑائی ہوئی تو اس میں جواہر سنگھ کی فوج کا پیر اکھڑنے والا ہی تھا کہ نواب ذوالفقار خاں اپنی فوج لیکر نہایت تیزی سے پٹھانوں پر حملہ آور ہوا۔ اور اس کو شکست فاش دی۔ جس سے کل سردار لوگ حیران رہ گئے۔ نواب مذکور کی اس فتح کو دیکھ کر راجہ جواہر سنگھ نے جو ہاتھی پر سوار دور سے لڑائی کو دیکھ رہا تھا اپنے ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ کونسا سردار ہے جس کی وجہ سے یہ فتح حاصل ہوئی ہے بلاقی خاں میو نے جو راجہ سورج مل کے زمانہ سے اس کے سرداروں میں تھا عرض کیا کہ یہ نواب ذوالفقار خاں خانزادہ رئیس گھاسولی ہے۔ جس نے اس وقت حضور کا نام روشن کیا ہے یہ سنتے ہی جواہر سنگھ نے ذوالفقار خاں کو اپنے پاس بلا کر اور ہاتھی پر سوار کر کے ڈیرہ کو واپس لوٹا۔ اور اس فتح کے صلے میں ایک گراں بہا خلعت عطا کر کے میوات کی فوجداری پر مقرر فرمایا چونکہ دہلی کو فتح کرنے اور اس کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد جواہر سنگھ کو بڑا غرور پیدا ہوا

گیا تھا اسی غرور کی وجہ سے اس نے سمت ۱۸۲۲ بکرمی میں مادھو سنگھ رئیس جیپور سے بھی لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں مرہٹوں کے متواتر حملوں سے ریاست جے پور میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اس ابتری کو دیکھ کر ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لیے جواہر سنگھ نے راجہ مادھو سنگھ سے مقام کاماں طلب کیا۔ جو اس زمانہ میں ریاست جے پور ہی کے ماتحت تھا۔ لیکن جب کاماں ملنے میں ناکامی ہوئی۔ تو یہ بہانہ بنایا۔ کہ میں پشکر نہانے کے لئے جاتا ہوں اور جے پور کی سرحد میں سے گزرونگا۔ اس حال کو سن کر نواب ذوالفقار خاں اور ثابت خاں حقیقی برادران ورمیان گھساوئلی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ ہمارے تعلقات دوستی دونو رئیسوں کے ساتھ مساوی ہیں۔ لہذا ہم کو اس موقعہ پر کس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر راجہ بھرت پور کا ساتھ دیا تو جے پور والوں سے راہ و رسم ٹوٹ جائے گی اور اگر جے پور والوں کا ساتھ دیا۔ تو جواہر سنگھ سے دوستی کا عہد ٹوٹ جائیگا اس لئے کوئی ایسی تدبیر کر لی چاہئے۔ جس سے سانپ بھی مرجائے اور لکڑی بھی نہ ٹوٹنے پائے اور دونو راجاؤں سے بدستور دوستی قائم رہ جائے۔

آخر بہت غور و فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی۔ کہ دونو بھائیوں میں سے ایک تو راجہ مادھو سنگھ والئی جے پور کا اور دوسرا راجہ جواہر سنگھ رئیس بھرت پور کا مددگار بن جائے آخر اس قرارداد کے بموجب نواب ثابت خاں تو جیپور والوں کی مدد کے لئے وہاں جانے کو تیار ہو گیا اور نواب ذوالفقار خاں جواہر سنگھ کی مدد کے لئے آمادہ ہو گیا۔

جس وقت ثابت خاں جیپور جانے لگا تو اس کے ہمراہ پرتاپ سنگھ رئیس ماچیڑی بھی چلنے کو تیار ہو گیا۔ کیونکہ یہ راجہ مادھو سنگھ والئی جیپور کے خوف سے راجہ جواہر سنگھ کے پاس آ رہا تھا۔ اور جواہر سنگھ نے اس کا کچھ وظیفہ مقرر کر کے موضع ڈیرہ اس کو دے رکھا تھا جب جواہر سنگھ جے پور والوں سے لڑنے کے لئے چلنے لگا تو راؤ پرتاپ سنگھ سے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ آپ کو جیپور والوں کے ساتھ ایسا ناجائز عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اودے پور کے بعد یہی راج سرتاج ہے یہ بات سن کر جواہر سنگھ نے اسی وقت اسے اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ اور یہ نواب ثابت خاں کے ساتھ جیپور چلا گیا

جب راجہ مادھو سنگھ نے نواب ثابت خاں اور راؤ پرتاپ سنگھ کی زبانی جواہر سنگھ کی دشمنی کا حال سنا تو اس نے اپنے تمام بھائی بیٹوں کو جواہر سنگھ کے مقابلے کے لئے جمع کیا۔ اتنے میں جواہر سنگھ ایک جرار لشکر لیکر معہ توپ خانہ کے پشکر نہانے

کو چلا اور اپنی شجاعت و بہادری کے زعم میں راجہ جے پور کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ جب تک ہم پشکر نہا کر واپس آئیں آپ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں پشکر میں پہونچ کر اس نے راجہ بجے سنگھ والئی مارواڑ سے جو جے پور والوں کا قدیمی دشمن تھا پگڑی بدل کر دوستی قائم کر لی ان باتوں کو سن کر راجہ جے پور نے بہت پیچ و تاب کھایا اور اپنی جنگی تیاری میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ جواہر سنگھ کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر بھی جے پور کا راجہ اور اس کے سردار بہت جلتے تھے۔ چنانچہ ہر سہائے و گر سہائے کھتریان۔ اور دلیل سنگھ بھٹا کر دہ والا نے راجہ مادھو سنگھ کو جواہر سنگھ کی طرف سے بہت ناراض بنا رکھا تھا آخر انہیں سرداروں کی صلاح و مشورہ سے ایک خط جے پور والوں کی طرف سے جواہر سنگھ کے پاس بھیجکر اس کو اطلاع دی گئی کہ ہماری ریاست میں سے ہرگز واپسی نہ ہو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا لیکن جواہر سنگھ اپنے غرور میں ان باتوں کو کب خاطر میں لاتا تھا وہ اسی راستے سے واپس آیا اور بمقام مانوڑہ علاقہ شیخاواٹی دونوں راجاؤں کی فوجوں کا مقابلہ ہوا رئیس بھرت پور کی طرف سے مندرجہ ذیل سردار لڑائی میں شامل ہوئے۔

۱۔ نواب ذوالفقار خاں رئیس گھاسولی جو محض دوستی کے لحاظ سے شامل ہوا تھا

۲۔ شمرو صاحب فرانسیس۔ جو راجہ سورجمل کے زمانہ سے رہتا تھا۔ یہ یورپ کے تین سو بدمعاش اور آوارہ گرد سپاہیوں کی ایک پلٹن اور ایک توپخانہ اپنے ساتھ لایا تھا۔

۳۔ بہادری خاں میو بر کٹیا۔

۴۔ روپ رام کٹارا۔

(۵) نواب عظمت خاں خانزادہ متوطن شاہ آباد اس کو راجہ جواہر سنگھ نے علاقہ تجارہ کے بائیس گاؤں کی جاگیر کی سند عطا کر کے اپنے ہمراہ لیا تھا

(۶) نواب نجابت خاں خانزادہ متوطن ماچیرولی پرگنہ کشن گڑھ جسے خلعت دیکر پرگنہ ماسٹھ اور رجابن کی فوجداری عنایت کر کے لڑائی میں بھیجا۔

(۷) فوجداران قوم جاٹ۔

اسی طرح رئیس جے پور کی طرف سے مفصلہ ذیل سردار شامل ہوئے تھے۔

(۱) نواب ثابت خاں خانزادہ رئیس گھاسولی برادر نواب ذوالفقار خاں

(۱) راؤ پرتاپ سنگھ رئیس ماچیڑی عرف اور بانی ریاست الور

(۳) ٹھاکر دلیل سنگھ جاگیردار دھولا۔

(۴) ہرسہائے وگرسہائے مشیران راج جے پور

بھرت پور کی فوج میں شمرو صاحب توپخانہ کے انچارج تھے اور نواب ذوالفقار خاں کل فوج کے سپہ سالار تھے۔ شروع لڑائی میں ایک طرف سے ٹھاکر دلیل سنگھ آیا۔ اور دوسری طرف سے نواب ذوالفقار خاں بڑی بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی ہزارہا سپاہی اور سردار مارے گئے۔ دلیل سنگھ مذکور نواب ذوالفقار خاں کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی سواری کے ہاتھی کو بھی جو راجپوتوں کے غول میں تھا فوج کے درمیان میں گھس کر نواب صاحب پکڑ لائے اس ہاتھی کا نام دل بادل تھا۔

جب ٹھاکر دلیل سنگھ کے مارے جانے کی خبر ہرسہائے وگرسہائے کو پہونچی۔ تو انہیں بہت رنج ہوا اور غصے میں آکر یہ بھی یکبار حملہ آور ہوئے دونوطرف کے بہادر نام کے لئے بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے نواب ثابت خاں جے پور کی طرف سے نہایت دلاوری اور شجاعت کے ساتھ حملے کر رہا تھا۔ جس طرف کو وہ بڑھتا تھا اس کے خوف سے پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے اور بڑے بڑے دلاور اور سورما سردار کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔

اگرچہ نواب صاحب کی حد سے زیادہ دلاوری نے بھرت پور کی فوج کو بہت نقصان پہونچایا تھا۔ لیکن خود نواب مذکور بھی زخموں کی کثرت سے چور چور ہو گئے۔

جب نواب ذوالفقار خاں نے اپنے بھائی ثابت خاں کے زخمی ہونے کا یہ حال دیکھا تو خون کے جوش سے بھائی کو بچانے کی تدبیریں کرنے لگا آخر اس کام کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اور تین دفعہ حملے کر کے دشمن کے لشکر کو چیرتا پھاڑتا اپنے بھائی کے پاس جا پہونچا اور ایک اجیوت سردار کو قتل کر کے اس کے ہاتھی پر اپنے زخمی بھائی کو ڈال کر لڑتا بھڑتا معہ ہاتھی کے میدان جنگ سے باہر نکل آیا۔ راجہ جواہر سنگھ بیمار پرسی کے واسطے ثابت خاں کے ڈیرے میں آیا اور بہت تسلی و تشفی کر کے ایک عہدہ جلیلہ کا امیدوار بنایا اور نواب ذوالفقار خاں کو گود میں اٹھالیا۔ اور ملبوس خاص جو اس وقت پہنے ہوئے تھا خلعت دیکر مورد الطاف فرمایا۔

مغلوں کی وہ فوج جو جواہر سنگھ نے الگ بھرتی کر رکھی تھی نمک حرام بن کر اس لڑائی میں

میں دس لاکھ روپیہ خزانہ کا لیکر بھاگ گئی۔ بھرت پور کی فوج کے سواروں نے ان کا تعاقب کیا جس سے باہم لڑائی ہونے لگی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھکر جے پور کی فوج نے یک دم حملہ کر دیا دن چھپے تک لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن جاٹوں کی فوج راجپوتوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر میدان جنگ سے بھاگ نکلی جو چند بہادر نواب ذوالفقار خاں کے ہمراہ رہ گئے تھے وہ شمرو صاحب کی فوج کے ہمراہ ہو کر مدافعانہ طور پر گولہ باری کرتے رہے جس کی وجہ سے جیپور کی فوج نے تعاقب کرنا چھوڑ دیا اور واپس لوٹ گئی۔

جس وقت جاٹ لوگ بھاگ گئے تھے اس حال کی خبر شمرو صاحب نے جواہر سنگھ سے عرض کی اور یہ کہا کہ آپ کی فوج چونکہ بد دل ہو کر بھاگ گئی ہے اس لئے اب یہاں آپ کا قیام بھی خطرے سے خالی نہیں اس دہشت ناک خبر کو سنتے ہی راجہ مذکور شمرو صاحب کی پلٹن میں چلا گیا پھر ہر سہائے وگر سہائے وغیرہ نے شمرو صاحب کی پلٹن پر زور سے حملہ کیا۔ شمرو صاحب معہ ذوالفقار خاں مدافعانہ طور پر حملوں کو روکتے رہے اور گولے برساتے رہے اس گولہ باری سے بہت سے حملہ آور جیپور کے سردار مثل ہر سہائے وگر سہائے وغیرہ مارے گئے۔

اس لڑائی میں دونوں طرف کے اتنے آدمی مارے گئے کہ آئندہ کے لئے عرصے تک لڑائی کا حوصلہ باقی نہیں رہا نواب ذوالفقار خاں راجہ جواہر سنگھ کو اپنے ساتھ لیکر کشن گڑھ ہوتا ہوا بخیریت تمام بھرت پور واپس آگیا۔

اس لڑائی میں جواہر سنگھ کو اس کے غرور کی سزا مل گئی اسکی قوم کی عورتیں اس کے شکست کھانے پر اس کا خوب مذاق اڑانے لگیں۔ اور ایک عرصے تک اس کی شکست کا راگ بنا کر گاتی رہیں اس راگ کا ایک مصرعہ یہ ہے (بل گھٹ گیو پشکر کے نہانے سے)

اس شکست کے کچھ عرصے بعد ۱۱۸۲ سنہ ہجری میں قلعہ آگرہ کے اندر فریب اور دھوکے سے سماہی خاں میو کے ہاتھ سے راجہ جواہر سنگھ مارا گیا اس لڑائی کے چار روز بعد ہی راجہ رتن سنگھ بھی مرگیا۔ اور ریاست میں ابتری پھیل گئی اس ابتری اور بد نظمی کو دیکھ کر پرتاپ سنگھ رئیس ماچیڑی اور نواب ذوالفقار خاں میدان خالی پاکر ملک کو لوٹنے کھسوٹنے لگے اور نئے نئے علاقے فتح کرنے لگے چنانچہ جب قصبہ پیپل گڑھ کا جاگیر دار بدھ سنگھ نامی لاولد مرگیا تو وہاں کے میؤوں نے نواب ذوالفقار خاں سے اپنے یہاں بندوبست اور انتظام رکھنے کی درخواست کی تھی کیونکہ وہاں کے اہیروں نے ان میؤوں سے لڑائی جھگڑا کرنا شروع کر دیا تھا۔

راجہ جواہر سنگھ کی وفات کے بعد سمت ۱۸۳۷ بکرمی میں نواب نجف خاں سپہ سالار فوج شاہی نے نواب ذوالفقار خاں کی مدد اور ہمت سے قلعہ ڈیگ کو فتح کیا۔ چنانچہ اس فتح کے صلے میں نواب موصوف کو نواب ذوالفقار خاں بہادر اسد جنگ کا خطاب شاہ عالم بادشاہ دہلی کی طرف سے ملا تھا اور اس کے ساتھ ہی پرگنہ کاماں کی فوجداری پر مقرر ہوا۔

سمت ۱۸۴۴ بکرمی میں مادھو راؤ سندھیا کی طرف سے جو شاہ عالم بادشاہ دہلی کا وکیل مطلق تھا نواب ذوالفقار خاں کے لئے پرگنہ گھساولی کی جاگیر میں متعدد گاؤں اضافہ کئے گئے۔

راجہ پرتاب سنگھ رئیس الور اور مرہٹوں سے نواب صاحب کی جنگ

چونکہ نواب صاحب بہت نڈر۔ بیباک اور خود سر آدمی تھا۔ اپنی دلیری۔ خودسری اور جوانمردی کے سبب کبھی کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اس وجہ سے اس کا لقب شمشیر برہنہ پڑ گیا تھا اور یہ ہمیشہ لوگوں کو اپنے دبدبے اور خوف سے دباتا اور ڈراتا رہتا تھا۔ چنانچہ جس وقت مرہٹے لوگ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک صاحب سے شکست کھا کر اور دہلی سے فرار ہو کر واپس آتے تھے تو راستے میں نواب ذوالفقار خاں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور ایک منٹ کے لئے بھی گھساولی میں نہ گھسنے دیا اور مار مار کر بھگا دیا اور بدنوں سے کپڑے تک اتروا لئے اس برے سلوک سے مرہٹے لوگ نواب صاحب سے سخت ناراض ہو گئے تھے۔

انہیں ایام میں راجہ پرتاب سنگھ رئیس الور سے بھی نواب صاحب کا بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ راجہ مذکور کو مطلق خاطر میں نہ لاتا تھا کیونکہ وہ راجہ مذکور کو مطلق خاطر میں نہ لاتا تھا اور ہمیشہ اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور لڑائی جھگڑا رکھتا تھا۔ مرہٹے تو پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے اب پرتاپ سنگھ بھی ناراض ہو گیا۔ لیکن ان میں سے اکیلا کوئی سا بھی نواب صاحب کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور وہ کسی ایک سے ہرگز مغلوب ہونے والا نہ تھا ناچار راجہ پرتاپ سنگھ نے مرہٹوں کو اپنے فیور میں گانٹھ کر ہمت کی کمر باندھی اور اچانک رات کے وقت جبکہ نواب صاحب بے خبر پڑے سوتے تھے یک بارگی حملہ کر کے اس کو شکست دی اور اس کے پانچ سو گھوڑوں کو بھی جو قلعہ کے اندر ہر وقت تیار رہتے تھے مرہٹے لوگ چھین کر لے گئے اور نواب صاحب کو قلعہ گھساولی سے نکال دیا اس موقعہ پر ایک ہندی شاعر نے

اس شکست کا یہ دوہا بیان کیا ہے ؎

دکھنی ویس کا سند ھیا اور راجپوتی کا راؤ
یہ دونوں کا ڈھیا ذوالفقار امراؤ

راجہ پرتاب سنگھ نے گھسا دلی کو برباد کرکے اس جگہ پر قصبہ گوبند گڑھ آباد کیا اور جس جگہ پر گھسا ولی کا قلعہ تھا اسے ویران و مسمار کرکے سرکاری گھاس کا میدان بنا دیا۔

نواب صاحب کی وفات۔ اس شکست کے بعد کچھ تو اپنے جوانمرد بیٹے کی موت کے صدمے اور کچھ راجہ پرتاب سنگھ کے ساتھ جھگڑا ہونے سے ناراض ہوکر نواب صاحب جے پور کو چلا گیا۔ وہاں راجہ پرتاب سنگھ رئیس جے پور سے ملاقات کی راجہ مذکور نے ایک عہدۂ جلیلہ کا امیدوار بنا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی چند روز یونہی امیدواری میں گزر گئے مگر کچھ ٹھپوں میں نہ آیا۔ جے پور کی پول ہمیشہ سے مشہور چلی آتی ہے۔ ناچار اپنا سامان ملک محمد خاں نامی ایک شخص کے سپرد کرکے خود ایک قلیل جماعت کے ساتھ لکھنؤ کی جانب روانہ ہوا۔ اور وہاں پہونچکر حسنی جمعیت خاں خانزادہ معتمد علیہ سرکار وزیر الممالک کی وساطت اور سفارش سے نواب آصف الدولہ کی ملازمت حاصل کی۔ چونکہ نواب آصف الدولہ نے ذوالفقار خاں کی شجاعت و بہادری کا آوازہ پہلے ہی سن رکھا تھا اس لیے اس کے آنے سے بہت خوش ہوا اور رائے بریلی کی حکومت پر مقرر کرنے کا وعدہ فرمایا اور ایک خلعتِ فاخرہ بھی عنایت کیا۔

جب نواب ذوالفقار خاں رخصت ہوکر اپنے ڈیرہ پر آیا تو اس نے نواب آصف الدولہ کے بخشے ہوئے خلعت کو بدن سے اتار کر اپنے ایک خدمتگار کو دیدیا اسی وقت کسی مخبر نے یہ خبر وزیر مذکور کو جا سنائی۔ شاہی خلعت کی اس ناقدردانی کا حال سن کر وزیر مذکور بہت ناراض ہوا اور ایک فوجی رسالدار کو حکم دیا۔ کہ ذوالفقار خاں کو فوراً شہر بدر کردو۔

ذوالفقار خاں بموجب حکم شہر سے باہر چلا گیا اور اپنے ہمراہیوں سمیت بندھیل کھنڈ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں نواب علی بہادر روہیلے کے لشکر میں داخل ہوگیا۔ اتفاق سے اس لشکر میں گوسائیں ہمت سنگھ بھی جو قدیم الایام سے ذوالفقار خاں کا دوست تھا موجود تھا۔ وہ ذوالفقار خاں کی آمد کی خبر سن کر اس کے ڈیرے میں آیا اور نواب علی بہادر کی ملازمت کرادی نواب مذکور نے خوش ہوکر اپنے پاس رکھا۔

انہیں ایام میں علی بہادر اور راجہ نونی ارجن رائے بندھیلہ کی لڑائی ٹھن گئی علی بہادر نے ذوالفقار خاں کی مدد سے اس لڑائی کے فتح ہوجانے پر ایک معقول عہدہ دیکر اس کی

سرفرازی کا وعدہ کیا۔ غرض بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ نواب ذوالفقار خاں بھی اپنے ہمراہیوں سمیت لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آیا اور موقعہ دیکھکر راجہ بونی ارجن کی فوج پر ایک طرف سے حملہ آور ہوا جب راجہ کے ہاتھی کے قریب پہونچا۔ تو برچھے کا ایک وار راجہ مذکور کے سینے پر ایسا مارا۔ کہ وہ ہاتھی پر سے نیچے گر پڑا۔ ذوالفقار خاں کے ہمراہیوں نے دوڑکر اس کا کام تمام کردیا لیکن راجہ مذکور کے فیلبان نے ذوالفقار خاں پر تیر سے وار کیا جس سے وہ کاری زخم کھا کر گھوڑے سے گر گیا اور بیہوش ہوگیا راجہ بونی ارجن کے مارے جانے کے بعد اس کے لشکر میں بھاگڑ پڑگئی اور نواب علی بہادر کو نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ فتح کے بعد جب علی بہادر اور گوسائیں ہمت سنگھ وغیرہ میدانِ جنگ میں آکر مقتولوں کو دیکھنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نواب ذوالفقار خاں بھی مقتولوں کے اندر دریائے خون میں غرق پڑا ہے اور اس کے ہمراہی اصالت خاں واجمیری خاں خانزادگان ودیگر خدمت گاران وغیرہ اس کے داہنے بائیں کھڑے ہیں نواب علی بہادر اور گوسائیں ہمت سنگھ یہ حال دیکھکر گھوڑے سے اترے اور پالکی منگوا کر ذوالفقار خاں کے زخموں کو دھلوایا اور اسے اٹھاکر بٹھایا۔ اور شربت پلانے لگے۔ جب ذوالفقار خاں نے گوسائیں مذکور کی آواز سنی تو اپنے رفیق کی طرف دیکھا اور شربت پینا چاہتا تھا کہ یکایک حضرت امام حسین شہید کی پیاس یاد آگئی۔ شربت کا پیالہ زمین پر رکھدیا۔ اور کلمہ طیب پڑھتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوگیا ان کے یاردوستوں نے بہت رنج وافسوس کیا اور یہ شعر کسی نے پڑھا ؎

اے شانِ حیدری زجبین تو آشکار   نام تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار

غرض نواب ذوالفقار خاں شہر مہوبہ واقعہ بندھیل کھنڈ میں نہایت تزک واحتشام سے دفن کئے گئے۔ وہاں دُور دُور سے خلقت ان کے مزار کی زیارت کے واسطے آتی ہے اور نذرو نیاز چڑھا کر اپنی دلی مرادپاتی ہے۔

نواب صاحب کے مزار سے روہیلے پٹھانوں کی عقیدت

نواب صاحب کے مزار پر ہر سال فنون جنگ وسپاہ گری کا بڑا بھاری میلہ بھرتا ہے روہیلے پٹھان آپ کی جوانمردی اور بہادری کے بہت قائل ہیں اور ان کو اپنا استاد مان کر کمال عقیدت رکھتے ہیں چنانچہ ان کا دستور ہے کہ جب ان کے فرزندوں میں سے کوئی پہلی دفعہ ہتھیار باندھتا ہے تو نواب ذوالفقار خاں کے مزار پر تمام ہتھیاروں

لیجا کر رکھدیتے ہیں۔ اور پھر شیرینی پر ان کی فاتحہ دلاکر اور مزار کو سلام کر کے تب ہتھیار زیب بدن کرتے ہیں۔

نواب صاحب کا خاندان۔ نواب موصوف کا ایک بھائی ثابت خاں تھا جس کا ذکر جواہر سنگھ کی لڑائی میں آچکا ہے اس کی اولادیں داؤد خاں اور صنوبر خاں تھے جو مقام تالڑہ میں رہا کرتے تھے صنوبر خاں کی اولادیں سے بندہ علی خاں تھے جو کہ اور میں ملازم رہ چکے ہیں دوسرا بھائی ستار خاں تھا جو کہ بہرادت میں رہا کرتا تھا۔ اس کی اولادیں سے ایک شخص جواہر خاں تھا جو تجارہ میں رہا کرتا تھا۔ خود نواب صاحب اور ان کے بھائیوں نے اپنی رعایا کے انصاف کرنے کو گھسا ولی میں اور مقام تالڑا اور بہراوت میں جو کہ گوبند گڑھ سے جنوب میں چار میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اونچے اونچے ٹھڑے یعنی چبوترے بنوا رکھے ہیں جن پر بیٹھ کر گرد و نواح کے مواضعات کے آدمیوں کے جو ان کی رعایا تھے عدالتی فیصلے جو کہ قسم دعرم سے تعلق رکھتے تھے فیصل کئے جاتے تھے ان ٹھڑوں کے مقدس ہونے کے متعلق وہاں کے عام لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ان ٹھڑوں پر بیٹھکر جو فیصلے کئے جاتے تھے۔ ان میں کبھی ناانصافی نہیں ہو سکتی تھی۔ بہرادت میں ایک قلعہ بھی تھا۔ جس کے اندر ناہر خاں کا محل تھا چونکہ خود نواب ذوالفقار خاں لاولد تھے اس وجہ سے انہوں نے اولاد ہونے کی خواہش میں ایک سادھو بیراگی مسمی بیدھو داس کو مقام ڈیگ سے بلا کر گھسا ولی میں آباد کیا تھا اور اس کے لئے وہاں ایک مندر بھی بنوا دیا۔ اور ایک گاؤں بید ہوکا نامی بائیس سو روپیہ سالانہ مالگزاری کا بطور جاگیر عنایت کیا جو آج تک بیراگیوں کے قبضے میں چلا آتا ہے لیکن حال ہی میں مسمی مادھو داس بیراگی نے اس موضع کو مندر کے بھوگ کے نام سے اپنے نام داخل خارج کرالیا ہے اب مندر کے بھوگ کو صرف بارہ سو روپیہ سالانہ موضع مذکور کی مالگزاری سے ملتے ہیں باقی رقم راج کے خزانہ میں جمع ہو جاتی ہے۔

گوبند گڑھ کے اندر آج کل صرف دو گھر خانزادوں کے ہیں۔ جن میں سے ایک گھر نواب موصوف کے خاندان میں سے ہے لیکن افسوس یہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ اس میں سوائے چند بیوہ عورتوں کے اولاد نرینہ کوئی نہیں اس گھر کا واحد مالک ایک نوجوان آدمی تھا جو سنہ ۱۹۳۲ء کے الور والے فسادمیں فوج کی گولی سے مارا گیا۔

جائے عبرت ہے یہ وہ گھر تھا جس کے آباد اجداد کبھی اس علاقہ کے باون گاؤں

کے جاگیردار اور مالک تھے۔ لیکن آج وہ لاوارث ہے۔ تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو۔

نواب صاحب کا مذہب اور عادات و اطوار نواب صاحب بڑے جری اور شجاع تھے چنانچہ اپنی شجاعت کے سامنے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے مرزا نجف خاں سپہ سالار افواج شاہ عالم بہادر شاہ کی صحبت میں رہ کر مذہب اثنا عشری (شیعہ) اختیار کر لیا تھا۔ یہ شخص خانزادہ قوم میں سب سے آخری سردار تھا اس کے بعد میوات کے اندر خانزادوں کی رہی سہی شان و شوکت اور حکومت ختم ہو گئی۔ اور آجکل یہ قوم صرف رعایا کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کر رہی ہے۔

عرصہ چالیس سال تک نواب مذکور کی بہادری اور شمشیر زنی کی دھاک دہلی سے جیپور تک بنی ہوئی تھی بڑے بڑے نامی بہادر اس کے نام سے کانپتے تھے۔ آہ ہر کمالے را زوالے

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے

جھاڑ ان کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

۵۔ ملک اہرودو خاں عرف اڑدو خاں بن سنجم عرف پیم بہادر ناہر خاں جاگیردار اندور (الور)

ان کو عام طور پر لوگ ملک اڑدو خاں بھی کہتے تھے ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے اول فتح خاں جس کی اولاد موضع گندھولہ متصل دھولی پہاڑی پرگنہ تجارہ میں ہے اس کی اولاد میں دریا خاں بن شجاول خاں بن علاول خاں بن چیجو خاں بن فتح خاں پیدا ہوا۔ دریا خاں گندھولہ میں آباد رہا دوسرا لڑکا کالیخاں ہوا۔ جس کی اولاد علمدیکا پرگنہ کشن گڑھ میں ہے اس کی اولاد میں عالم خاں بن فیروز خاں بن مظفر خاں بن کالیخاں پیدا ہوا۔ عالم خاں علمدیکا میں آباد ہوا۔ اس آبادی کا نام بھی عالم خاں کے نام پر عالم دی کا یعنی علمدیکا رکھا گیا ہے۔

فتح آباد پرگنہ کشن گڑھ کے سوداگروں نے جو کہ بہت مالدار تھے علمدیکا کے خانزادوں کو بہت جانی اور مالی نقصان پہونچایا تھا اس لئے وہاں کے خانزادوں نے مل کر فتح آباد کے بہت سے لوگوں کو جان سے مار دیا تھا اس واقعہ کو اب سے تقریباً ڈھائی سو سال گزر چکے ہیں چونکہ فتح آباد والوں کی رشتہ داریاں بھرت پور کے جاٹوں سے تھیں۔ اس لئے انہوں نے جاٹوں کو بلا کر خانزادوں پر حملہ کر دیا اس لڑائی میں خانزادوں کے ساتھ گرد و نواح کے

میو بھی شامل تھے انہوں نے مل کر فتح آباد کو برباد کر دیا اور وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا۔

اس وقت سے آج تک فتح آباد برباد چلا آتا ہے سنا جاتا ہے اب وہاں پر ایک مہاجن واحد مالک ہے جس نے کچھ اپنے ملازم رکھے ہوئے ہیں جن سے زمین کو کاشت کراتا ہے۔

تیسرا لڑکا اسمٰعیل خاں پیدا ہوا۔ جس کی اولاد دہولی پہاڑی اور گمان ریاست بھرت پور میں آباد ہے اس کی اولاد میں ہوا خاں بن نصو خاں بن قاسم خاں بن بہادر خاں پیدا ہوئے۔

ہوا خاں کے دس لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے تمر خاں دہولی پہاڑی میں آباد ہوا جس کی اولاد میں دریا خاں وغیرہ ہیں۔ دوسرا حاجی خاں تھا جس کی اولاد میں دہولی پہاڑی کے دوسرے خانزادے ہیں۔ تیسرا جلال خاں جس کی اولاد میں قصبہ کاماں کے خانزادے ہیں چوتھا عظمت خاں پانچواں ایزدی خاں ہوا۔ باقیوں کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

دہولی پہاڑی کے خانزادے بادشاہی درباروں میں رسوخ حاصل کر کے بہت مشہور اور نامور ہوئے ہیں جن کے بنائے مکانات عالی شان اور مسجد و مقبرہ وغیرہ تا ہنوز موضع مذکور میں تا حال موجود ہیں۔

نواب اسد خاں بن صوبت خاں متوطن علمدیکا پرگنہ کشن گڑھ الور

تاریخ راجپوتان ہند میں تحریر ہے کہ جب نواب فتح علی خاں و راجہ سورج مل جاٹ رئیس بھرت پور اور راجہ بہادر سنگھ بڈگوجر رئیس گہاسیڑہ ضلع گوڑگانوہ نے بادشاہ دہلی سے بغاوت اختیار کر کے شاہی علاقہ میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور بادشاہی تھانوں کو اٹھانا شروع کر دیا تو احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ دہلی نے اپنے امیروں و وزیروں مثل نواب غازی الدین خاں و راجہ دہی ورت دیوان وغیرہ سے مشورہ طلب کیا۔ اور فرمایا کہ مندرجہ بالا تینوں نمک حراموں کو سخت تنبیہ دینا واجب ہونی چاہیئے راجہ دہی ورت نے خیر خواہی کے طور پر نواب اسد خاں خانزادہ متوطن علمدیکا کو جو کہ نواب بانہ پد خاں متوطن قصبہ گھساولی کا نواسہ تھا۔ طلب کیا۔ جب وہ دہلی میں آیا تو راجہ مذکور نے خاص طور پر اس کی دلیری بہادری اور جوانمردی کی تعریف۔ . . وزیر اور بادشاہ دونوں کے سامنے بیان کی۔ اس سفارش پر اسد خاں دربار شاہی میں حاضر ہوا اس کی شکل و صورت کو دیکھکر تمام اہل دربار اور بادشاہ خوش ہوا اور اس کو اسپ خاصہ و شمشیر و خلعت اور خطاب نوابی عطا کیا گیا اور بارہ ہزار فوج دیگر معہ مرزا مراد بیگ داروغہ توپخانہ و چند چھکڑہ خزانہ ہمراہ کر کے کوئل جلیسر کی طرف رخصت کیا جب باغیوں کو اسد

خاں کے آنے کی خبر پہونچی تو وہ تینوں بھی لڑائی کے لئے مستعد ہو کر کویل کے میدان میں آجمے چار پانچ روز تک خوب توپ بازی اور تیر اندازی ہوتی رہی نواب اسد خاں نے اپنے بڑے بیٹے ذوالفقار خاں کو حکم دیا کہ تم فوراً فرخ نگر چلے جاؤ اور وہاں پر اہل وعیال کی خبرداری رکھو۔ کیونکہ اس زمانہ میں نواب مذکور کے متعلقان فرخ نگر میں ہی سکونت رکھتے تھے ذوالفقار خاں حسب الحکم اپنے باپ کے فرخ نگر کو چلا گیا اور اسد خاں معہ اپنے دوسرے بیٹوں اور بھائی کے میدان جنگ کو چلا گیا دوسری طرف سے فتح علی خاں وغیرہ بھی تین غول باندھکر میدان میں آئے۔ تیر و تفنگ کا مینہ برسنے لگا جب ظہر کا وقت ہوا تو مراد بیگ نے کہا کہ پہلے میں اپنی جان نثاری و وفاداری کا موقعہ دیکھتے ہیں ان تینوں مغروروں کو شکست فاش دیتا ہوں۔ مگر اسد خاں خاں کی دلاوری و مردانگی نے اس کو سبقت کا موقعہ نہ دیا اور خود فتح علی خاں وغیرہ کی فوج پر جا گرا دونو طرف کے بہادر نام کے لئے جانیں دینے لگے لیکن اسد خاں بہت آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد خود بھی مارا گیا ایک ہندی شاعر نے اس لڑائی کا ایک دوہا کہا ہے ؎

بہادر سنگھ اور سورج مل تیجا فتح علی
ان تینوں مل مار یا اسد خاں بلی

اگرچہ نواب صاحب کے ہمراہیوں نے لڑائی میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر غنیم کی مدافعت نہ کر سکے۔ اگرچہ مراد بیگ داروغہ برابر گولے برساتا رہا۔ جس سے دشمن کو پاس آنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ لیکن سامان گولا بارود ختم ہو گیا۔ اس سبب سے شکست فاش حاصل ہوئی نواب اسد خاں کی لاش باعزاز تمام دہلی میں لاکر خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکی کے مزار کے پاس دفن کی گئی جب اسد خاں کے مرنے کی خبر راجہ دیبی دت و نواب غازی الدین خاں وزیر کو معلوم ہوئی تو انہوں نے بہت افسوس کیا۔ راجہ دیبی دت نے پھر بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ نواب اسد خاں کے بیٹے ذوالفقار خاں و نوازش خاں و بہادر خاں و ناہر خاں و دست خاں وغیرہ مقام فرخ نگر میں موجود ہیں کیونکہ نواب اسد خاں مرحوم اور دلیل خاں و کامگار خاں بلوچوں کے درمیان قدیم الایام سے قرابت داری ہے آخر شاہی حکم ہوا کہ وہ فرخ نگر سے طلب کئے جائیں چنانچہ اسی وقت ایک پروانہ مزین بہ مہر شاہی ذوالفقار خاں و نوازش خاں کو طلب کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ ذوالفقار خاں حاضر ہوا اراکین دولت نے بھی اس کی سفارش فرمائی کہ اس شکست کا بدلا لینے کے واسطے اسد خاں مرحوم کے بیٹے سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ اپنے باپ کے خون کا بدلا لینے کے لئے یہ اپنی جان لگا دیگا۔ غرض ذوالفقار خاں اور اشرف بیگ برادر زادہ مراد بیگ مرحوم

وداروغہ توپ خانہ کو بہت سا سامان جنگ دیکر بھیجا گیا اور ستیارام خزانچی کو سپاہ کے خرچ کے لئے ہمراہ جانے کا حکم دیا گیا۔ جس وقت باغیوں نے ذوالفقار خاں کی آمد کی خبر سنی تو ان کی فوج میں بھگدڑ پڑ گئی سب سے پہلے سورج مل جاٹ بھرت پور کو بھاگ گیا۔ پھر راؤ بہادر سنگھ بھی گھاسیڑہ کو کوچ کر گیا اور نواب فتح علی خاں بھی دوآب کی طرف روانہ ہوگیا۔ ذوالفقار خاں کول میں داخل ہوگیا اور ایک عرصے تک وہاں حکومت کرتا رہا۔ پھر بعارضہ استسقا مبتلا ہوکر مر گیا۔

نوازش خاں جو اسد خاں کا دوسرا بیٹا تھا اس نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح نام پایا تھا۔ یہ شخص راجہ جواہر سنگھ والئی بھرت پور سے قصبہ ماچھرولی پرگنہ کشن گڑھ میں بہادرانہ جنگ کر کے دس محرم بروز عاشورہ معہ دو چھوٹے بھائیوں بہادر خاں و ناہر خاں کے اور دوسرے اپنے نوسو ساتھیوں کے شہید ہوگیا۔ اس کے بعد اولاد اسد خاں سے اس کے دو بیٹے واحد خاں و مست خاں اور تین پوتے ثابت خاں بن ذوالفقار خاں و سعادت خاں بن نوازش خاں و مرتضیٰ خاں بن بہادر خاں فرخ نگر میں باقی رہ گئے جب یہ لوگ جوان ہوگئے تو اکثر لڑائیوں میں کارنمایاں دکھلاتے رہے اور ہمیشہ جے پور اور دہلی کی سرکاروں میں اسد خاں کا نام زندہ و روشن رکھا۔

راجہ سورج مل والئی بھرت پور اور نواب نجیب الدولہ روہیلے کی لڑائی میں واحد خاں بن اسد خاں و سعید محمد خاں بلوچ کے ہاتھ سے ۱۱۷۷ھ میں راجہ سورج مل مارا گیا۔

اس کے بعد لشکری خاں بن نجابت خاں بن فیض اللہ خاں بن صورت خاں نے مہاراجہ سوائی جے سنگھ و سوائی جگت سنگھ رئیس جے پور کے زمانہ میں عزت و ناموری حاصل کی یہ لوگ اس سرکار کی دولت خواہی و جاں نثاری میں ہمیشہ سرگرم رہے چنانچہ اسی جاں نثاری اور دولت خواہی کے صلے میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئی جے پور نے خلعت و شمشیر مرصع اور دو ہزار سوار کی رسالداری لشکری خاں کو عطا کرکے پرگنات خالصے پر مقرر فرمایا۔ چنانچہ یہ چوبیس سال تک ضلع شیخاواٹی و تنوروٹی میں حکومت کرتا رہا۔ جب راجہ پرتاپ سنگھ مر گیا اور اس کی جگہ جگت سنگھ راجہ بنا۔ تو اس کے زمانہ میں راجہ مان سنگھ والئی جودھپور سے نزاع ہوا اور سخت لڑائی ہوئی اس لڑائی میں کپتان بہادر خاں پسر لشکری خاں خانزادہ متوطن ماچھرولی کے سر میں گولی لگی تھی جس سے وہ فوراً مر گیا اور قصبہ منڈاور میں دفن کیا گیا۔

نواب نجابت خاں خانزادہ ماچھرولی نے مہاراجہ جواہر سنگھ کی طرف سے اس لڑائی میں جو جے پور والوں سے پشکر نہانے کے موقعہ پر ہوئی تھی نہایت جوانمردی سے حملہ کیا تھا

جس کے صلے میں مہاراجہ مذکور نے مقام مانٹھ اور رہا بن ضلع متھرا کی فوجداری عنایت فرمائی تھی اور شہامت خاں خانزادہ جو نواب امیر خاں والئی ٹونک کا سپہ سالار تھا وہ بھی علمدیکا کا رہنے والا تھا۔

۲۔ ناہر خاں متوطن سرولی پرگنہ تجارہ

یہ ناہر خاں بھی ملک اہرود خاں کی اولاد میں ہوا ہے جو موضع سرولی پرگنہ تجارہ کا رہنے والا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں جبکہ ایک عام ابتری پھیلی ہوئی تھی اپنے وطن مالوفہ سرولی سے مقام عظیم آباد عرف پٹنہ محلہ عالم گنج میں جا کر اپنی بود و باش اختیار کی اس نے اپنی لیاقت اور محنت کی بدولت وہاں بڑا رسوخ حاصل کر لیا اسی شخص کی وساطت سے مسمی جیون خاں ولد عبداللہ خاں بن اعتقاد خاں بن سردار خاں نے اپنے وطن قصبہ شاہ آباد کو چھوڑ کر پٹنہ میں اپنی سکونت اختیار کی تھی ناہر خاں نے اپنی بھتیجی جیون خاں کو بیاہ دی ناہر خاں شروع میں پٹنہ کے اندر کوتوال شہر مقرر ہوا تھا اس کے بعد عمدہ خدمات سرکاری بجا لایا جس کے صلے میں ۳ ربیع جمادی الاول ۲۳ جلوس والا کو تعدادی تین لاکھ دام کی جاگیر پرگنہ حاجی پور علاقہ صوبہ بہار میں سیف الدین ولد محمد خاں کے محال سے حاصل کی یہ شخص شہر پٹنہ کے اندر بڑا امیرانہ ٹھاٹ باٹ رکھتا تھا اور میوات کا نام روشن کر رکھا تھا۔

ملک سراج خاں پسر ششم بہادر ناہر خاں جاگیردار قصبہ سہنہ گوڑگانوہ

سراج خاں نے اپنی سکونت قصبہ سہنہ میں رکھی کیونکہ یہی ایک پرگنہ جاگیر میں اس کو ملا تھا یہ قصبہ میوات کے اندر دامن کوہ میں دہلی سے پینتیس میل جانب جنوب واقع ہے یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے جو گندک کی کان سے نکلتا ہے اس پانی کا رنگ سبزی مائل ہے جس میں گندک کی بو بھی آتی ہے جاڑوں میں اس کا پانی اتنا گرم ہوتا ہے کہ بدن پر نہیں ڈالا جاتا۔ بعض دفعہ رات میں وہاں پر خود بخود آگ بھی ظاہر ہوا جایا کرتی تھی۔ لیکن اب بند ہو گئی

ہے اس چشمے میں غسل کرنے کے لئے دُور دُور سے خلقت آتی ہے اور جلدی بیماریوں سے شفا پاتی ہے۔

یہ قصبہ بہت پرانا ہے پہلے زمانہ میں اس کے اندر بڈ گوجر راجپوتوں کی حکومت تھی ان کے بعد خانزادوں کا عمل دخل ہوا جنہوں نے یہاں شان و شوکت کے ساتھ دو سو سال تک حکومت کی لیکن افسوس قصبہ ریواڑی کی مانند اب یہاں پر بھی خانزادوں کی آبادی کچھ نہیں رہی سنا جاتا ہے کہ آجکل اس قصبے میں صرف ایک گھر خانزادہ کا ہے"

اس قصبے پر فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے خانزادوں کا عمل دخل ہوا تھا اور اسی وقت سے یہ بطور ایک علحدہ پرگنے کے چلا آتا ہے جس کے ماتحت تین سو ساٹھ گاؤں اور قصبے تھے کہتے ہیں شروع زمانہ میں نہدو نامی راجپوت بڈ گوجر جالندھر سے یہاں آکر آباد ہوا تھا جس کے آباد ہونے کی روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ نہدو مذکور کو اس کی دیوی کی ہدایت ہوئی کہ تم یہاں سے دکھن کی طرف چلے جاؤ اور جہاں راستہ میں تمہاری گاڑی کی دھری ٹوٹ جائے وہیں اپنی سکونت اختیار کر لینا چنانچہ سہنے کے پاس آکر دھری ٹوٹ گئی اس لئے اس نے مع اپنے ساتھیوں کے یہاں سکونت اختیار کر لی۔

جب میوات کے اندر خانزادوں کی حکومت ہوئی۔ تو ان کی لڑائیاں نہدو مذکور سے ہوتی رہیں چنانچہ خانزادوں نے اکیس لڑائیاں بڈ گوجروں سے کیں اور ہر لڑائی میں خانزادوں کی فتح اور بڈ گوجروں کی شکست ہوتی رہی آخر نہدو مذکور نے تنگ ہو کر راجہ قنوج کو جس کا نام کان کنور تھا اور جو نہدو مذکور کا ہم جدی تھا اپنی مدد کے لئے بلایا چنانچہ راجہ مذکور بڑی جمعیت کے ساتھ آیا اور سہنے کے بڈ گوجروں کا مددگار ہوا اور خانزادوں سے لڑا کہتے ہیں اس آخری لڑائی میں یہ کامیاب ہو گئے۔

نوٹ:- معلوم ہوتا ہے سید الطاف حسین صاحب نے تاریخ ضلع گڑگانوہ میں اپنی ناواقفیت یا غلط روایت کے ذریعہ ایسا لکھا ہے ورنہ یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں ہو سکتی کیونکہ جب بڈ گوجروں نے فتح حاصل کی تھی تو پھر اس قصبے میں خانزادوں کی حکومت کس طرح قائم ہو گئی۔ اور وہ وہاں پر کس طرح خود مختار بن کر دو ڈھائی سو

سال حکومت کرتے رہے اور بڈگوجروں کے پاس سے یہ
علاقہ کیوں جاتا رہا۔

قصبے سُہنے کا نام مہد و بڈ گوجر مورث اعلیٰ کے نام پر مہدپور شروع میں رکھا گیا تھا لیکن قصبے کے پاس ریت میں سے سونا نکلنے کی وجہ سے سہنہ مشہور ہو گیا یا عمدہ محل وقوع کے لحاظ سے سوہنہ (خوبصورت) مشہور ہو گیا۔

خانزادوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اس قصبے کے اندر عمدہ عمدہ عمارات اور خوبصورت مسجدیں گنبد۔ خانقاہیں وغیرہ تعمیر کرائیں چنانچہ مسجد و مقبرہ شاہ نجم الحق صاحب جامع مسجد۔ عیدگاہ۔ خانقاہ شاہ ولایت صاحب، مسجد قطب خاں۔ گنبد بہادر غازی۔ دالی کا گنبد گنبد، اسنے زاوی وغیرہ عمارات خانزادوں کے زمانہ کی بنائی ہوئی ثابت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ سید الطاف حسین صاحب افسر مال بندوبست بھی اپنی تاریخ میں یہ لکھتے ہیں کہ دور وقت تسلط قوم خانزادہ کے اس قصبے میں عمدہ عمدہ عمارات پختہ و مسجد وغیرہ تعمیر ہوئیں۔

دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۹۳ ۔۔

سُہنے والے خانزادوں کی رشتہ داریاں مانڈی کھیڑے کے خانزادوں سے رہی ہیں چنانچہ جس وقت پیر یعقوب خاں خانزادہ متوطن مانڈی کھیڑہ کو قصبے ددھے کے رئیس محمد الدین نامی نے شہید کر دیا تھا۔ تو سہنے کے خانزادوں نے اپنی قرابت کی وجہ سے مانڈی کھیڑہ والوں کی مدد کر کے محمد الدین مذکور کو قتل کر دیا تھا اور اس طرح انہوں نے اپنی خودداری کا ثبوت دیا۔ قصبے سہنے کے قانونگویوں کو جو کچھ عطیات اور قانونگوئی وغیرہ فیروز شاہ بادشاہ کی طرف سے ملی تھی وہ سب کچھ سُہنے کے خانزادوں کی سفارش اور طفیل کا صدقہ تھا چنانچہ اس حقیقت کو بھی سید الطاف حسین صاحب اپنی تاریخ میں اس طرح لکھتے ہیں کہ :۔

عہد فیروز شاہ بار بک میں حالات سابقہ خاندان قانونگویاں سُہنہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بزرگ ان کے مورث کو بروقت تشریف آوری فیروز شاہ تغلق برائے شکار شیر بمقام بادشاہ پور بسفارش خانزادگان رفقائے شاہی قصبہ سُہنے بجز پرگنہ سہنہ وغیرہ کو محالات کی خدمت چودھری قانونگوئے حضور شاہ سے عطا ہوئی تھی منجملہ اولاد مورث مذکور بادشاہ نے جس جس محال میں چودھری و قانونگوئے مقرر کئے تھے وہ لوگ اسی جگہ بود باش پذیر ہو گئے ازاں جملہ قانونگویاں سُہنہ بھی تا حال بہ تسلسل نسل بائیسویں پشت

اسی عہدہ پر مامور ہیں۔ دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۵۹ و ۶۰

آہ یہ زمانہ کا انقلاب ہے کہ جن خانزادوں کی سفارش پر رئیسان قصبہ سہنہ آباد ہوئے ہیں اور جاہ و مناصب حاصل کئے ہیں آج ان رئیسوں کو شاید خانزادوں کی سفارش کا نام سننے سے بھی شرم دامنگیر ہوتی ہو گی۔ حالانکہ یہ شرم کا مقام نہیں (ع)

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

کہتے ہیں خانزادوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں پرگنہ سہنہ کی رعایا پر بہت ظلم کئے تھے اور وہاں کے فقیروں کو بھی بہت ستایا تھا چنانچہ ایک دفعہ شاہ ولایت صاحب کو بھی خانزادوں نے کسی بات پر کچھ کہہ دیا۔ شاہ صاحب نے جنگل میں جاکر جھنڈوں کی جڑیں کھودنی شروع کیں کسی شخص نے دریافت کیا۔ حضرت آج خلاف معمول یہ کیا شغل ہے فرمایا۔ خانزادوں کی جڑیں کھود رہا ہوں اس شخص نے عرض کیا بس حضرت اب تو بہت کھود چکے معاف فرمایئے آخر بڑی منت سماجت سے ان کو روکا گیا۔ فرمایا خیر ایک گھر سے زیادہ قصبہ سہنہ کے اندر خانزادوں کا نہیں رہیگا کہتے ہیں ایسا ہی عمل میں آیا۔ اور یہ اسی بددعا کا اثر ہے کہ آج تک بھی وہی ایک گھر ہے

جو عمارات۔ گنبد۔ مسجدیں۔ مقبرے وغیرہ سہنے کے اندر خانزادوں نے بنائے تھے آج کل ان میں سے بہت سے کھنڈرات کی صورت میں نظر آتے ہیں اور جو باقی رہے ہیں وہ بھی زمانہ کی سرد مہری سے خاک میں ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مرمت ہونا تو درکنار ان کے اندر روشنی کے لئے ایک دمڑی کا چراغ بھی کسی کو میسر نہیں ہوتا ہے

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

(۷) ملک نور خاں پسر ہفتم بہادر ناہر خاں جاگیر دار قصبہ نوح گوڑگانوہ

ملک نور خاں صاحب نے سیاسی معاملات میں مطلق حصہ نہیں لیا بلکہ ہمیشہ اپنی سلامت روی سے زندگی بسر کرتے رہے اور جو علاقہ باپ کی طرف سے آپ کو جاگیر میں ملا تھا اسی پر قناعت لفظیا کی اور ہمیشہ اپنی جاگیر کی آمدنی   سے خوش حال و فارغ البال رہے اور شاہی ملازمت اور حکومت کے لئے کبھی کسی کی خوشامد نہ اٹھائی۔ سچ ہے سہ

بدست آہک تفتہ کردن خمیر
بہ از دست برسینہ پیش امیر

ملک صاحب کی اولاد میں ایک نتھن خاں نامی شاہ عالم بہادر شاہ کے وقت میں نامی سردار ہوا ہے بادشاہ مذکور کی طرف سے اس کو پانچ سو روپیہ سالانہ کی ایک نانکار ملی ہوئی تھی نانکار کے علاوہ مواضعات نظام پور۔ بابو پور۔ ٹیٹرک پور۔ منڈناکی۔ اور باجڑ کا جو آج کل تحصیل نوح ضلع گوڑگانوہ میں ہیں نتھن خاں کی جاگیر میں تھے۔

ملک نور خاں صاحب نے اپنی سکونت قصبہ نوح میں رکھی تھی ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے بڑے لڑکے کا نام مجاہد خاں تھا جو موضع بڑودی میں جاکر آباد ہوئے اور وہاں کے خانزادوں کے مورث اعلیٰ بنے۔ چھوٹے بیٹے کا نام کمال خاں تھا جن کو کمال الدین خاں بھی کہتے تھے جنکی اولاد قصبہ نوح کے اندر ہے کمال الدین خاں کے راجن ابن کے جہانگیر خاں اور جہانگیر خاں کے تین بیٹے محمد خاں۔ ذاکر خاں اور محمود خاں پیدا ہوئے محمد خاں کی اولاد میں تروکھنڈیا پٹی ہے ذاکر خاں کی اولاد میں آسمان پٹی ہے اور محمود خاں کی اولاد میں حویلیا پٹی ہے۔

مجاہد خاں بڑودی والے کا شجرہ اس طرح پر ہے مجاہد خاں کے فرید خاں۔ فرید خاں کے لال خاں۔ لال خاں کے جلال خاں اور جلال خاں کے اجمیری خاں پیدا ہوا اجمیری خاں کے دو بیٹے جود خاں اور نتھن خاں پیدا ہوئے جود خاں کی اولاد میں نصیب خاں نمبردار ہے جس کا شجرہ یہ ہے:-

نصیب خاں بن دولت خاں بن سکندر خاں بن بہول خاں بن جیون خاں بن مہتاب خاں بن جعفر خاں بن جنید خاں بن جود خاں۔ نتھن خاں کی اولاد میں اسید خاں وغیرہ ہیں۔

۸- ملک نظام خاں پسر ہشتم دریا بہادر ناہر خان جاگیردار مانڈی کھیڑہ گوڑگانوہ

نظام خاں صاحب نے اپنی سکونت مانڈی کھیڑہ میں اختیار کی ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے موسے خاں۔ راجن خاں۔ ہنگن خاں۔

موسے خاں کی اولاد میں پٹی بڑی اوڑ والی ہے جس میں محمود خاں نمبردار اور سراج خاں نمبردار وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے علاول خاں بن شمش خاں بن گاگڑ خاں بن یونس خاں

بن موسے خاں۔

راجن خاں کی اولاد میں راجنیا پٹی ہے جس میں اصالت خاں وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے سیر خاں بن عالم خاں بن داؤد خاں بن سراج خاں بن نور خاں بن راجن خاں

ہنگن خاں کے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک قطب خاں جن کی اولاد میں ہنگیا پٹی ہے جس میں وزیر خاں وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے بہادر خاں بن شادی خاں بن ناہر خاں بن یعقوب خاں شہید بن اسمٰعیل خاں بن قطب خاں۔

ہنگن خاں کا دوسرا لڑکا کالیخاں ہوا جس کی اولاد میں قلندریا پٹی ہے جس میں اسمٰعیل خاں نمبردار وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے عالم خاں بن فیروز خاں بن راجن خاں بن قلندر خاں بن کالیخاں۔

ہنگیا پٹی میں ایک شخص یعقوب خاں بن اسمٰعیل خاں بڑے باکمال درویش پیدا ہوئے ہیں جن کا مختصر سا حال یہ ہے۔

آپ شروع عمر سے ہی عابد زاہد متقی اور پرہیزگار تھے بہت سے لوگ آپ کے مرید بھی بن گئے تھے آپ کے زمانہ کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ موضع دوہا پرگنہ فیروزپور میں ایک شخص محمد الدین نامی بڑا سرکش اور بدچلن آدمی رہتا تھا۔ اس کے ظلم و ستم اور زناکاری سے لوگ تنگ آرہے تھے جب کسی ادنیٰ قوم والے آدمی کے گھر میں نئی شادی ہوکر دلہن آتی تھی تو محمد الدین مذکور پہلی شب کے لئے اس دلہن کو اپنے پاس بلاتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص خوشی سے نہیں بھیجتا تھا تو زبردستی بھی پکڑوا منگاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایک جاٹ موضع ڈھیکپور متصل جلال پور پرگنہ فیروزپور جھرکہ کا رہنے والا اپنی دولہن کو لیکر محمد الدین مذکور کے پاس جارہا تھا جب وہ ماندی کھیڑہ پہونچا تو دوپہر میں ذرا دیر کے لئے وہاں ٹھیر گیا اور اپنی بے کسی و بے بسی کی داستان رونے لگا اس ذکر کو سن کر یعقوب خاں صاحب کے ایک مرید نے جاٹ مذکور کا مذاق اڑایا۔ اس کو سن کر جاٹ مذکور نے طعنہ دیا کہ اگر تمہارے میاں میں کچھ کرامات اور طاقت ہو تو ہم غریبوں کی مدد کرو ورنہ مذاق اڑا لینے سے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرلی ہے''

کہتے ہیں یعقوب خاں صاحب نے بھی یہ جھگڑا تھوڑا اپنے کانوں سے سن لی جب اپنے ورد وظائف سے فارغ ہوئے تو پوچھا یہ کیا جھگڑا تھا جس کا ذکر تم کر رہے تھے مرید نے وہ تمام حال عرض کردیا۔ اس بات کو سن کر یعقوب خاں صاحب نے جاٹ مذکور سے فرمایا۔ کہ تم اپنی

ہو وطن کو لیکر واپس چلے جاؤ۔ محمد الدین مذکور کی طرف سے جو کچھ ظہور میں آئے گا اسے ہم خود دیکھ لیں گے۔

جب یہ خبر وہاں کے رئیس محمد الدین کو پہونچی تو وہ بہت ناراض ہوا اور اپنے بہت سے ساتھیوں کو لیکر لڑنے کے لئے مانڈی کھیڑہ پر چڑھ آیا۔ یہاں پر سخت لڑائی ہوئی جس میں یعقوب خاں صاحب شہید ہو گئے۔

جب اس شہادت کی خبر ان کے رشتے دار قصبہ بہنے والوں کو معلوم ہوئی تو وہاں سے بہت سے خانزادے بدلا لینے کے لئے آئے۔ جنہوں نے محمد الدین مذکور کو قتل کر ڈالا یعقوب خاں صاحب کا مزار مانڈی کھیڑہ میں مشرق کی طرف تالاب کے نزدیک اور سڑک کے پاس بنا ہوا ہے جس پر ہر جمعرات کو نقارہ بجایا جاتا ہے اور کچھ نذر و نیاز بھی چڑھائی جاتی ہے۔

۹- ملک فتح اللہ خاں عرف فتح خاں پسر ملک بہادر ناہر خاں جاگیردار مقام کلینجر پرگنہ نوح ضلع گوڑگانوہ

ملک صاحب نے اپنی سکونت مقام کلینجر پرگنہ نوح میں اختیار کی تھی۔

ان کے یا ان کی اولاد کے سیاسی حالات کے متعلق سوائے ایک تاریخ کے دوسری کسی تاریخ میں ہم نے کوئی ذکر نہیں پڑھا۔ البتہ منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی نے اپنی تاریخ خانان میوات میں ان کے بیٹے کا نام حمید خاں لکھا ہے محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں جو سید خضر خاں کا پوتا تھا بادشاہ مذکور کا وزیر اعظم تھا جس نے بہلول لودہی کے ساتھ محمد شاہ کی طرف سے بہت معرکہ آرائیاں کی تھیں چونکہ دوسری تاریخیں اس ذکر سے خالی ہیں لہٰذا ہم بھی صرف ایک تاریخ کے حوالہ کی سند پر اس کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہیں اگر تحقیق ہو گیا تو اگلے ایڈیشن میں ضرور درج کر دیں گے۔

۱۰- شجرۂ نسب شرف الدین احمد مؤلف تاریخ ہذا معہ مختصر حالات

آجکل موضع سانتھاواڑی جہاں کا باشندہ مؤلف مذکور تھا ہے بلحاظ انتظام تحصیل فیروز

پور جبرکا ضلع گوڑ گانوہ میں ہے۔

اس موضع کا مورث اعلیٰ مسمی شہاب خاں عرف صاحب خاں قلعہ اندور سے سمت ۱۴۹۰ بکرمی مطابق سنہ ۱۴۳۲ء میں آکر یہاں آباد ہوا تھا اس وقت اس موضع میں مسمی محمد خاں غوری پٹھان کی بسوہ واری تھی اور وہی یہاں کا واحد مالک تھا محمد خاں مذکور نے اپنی لڑکی کی شادی صاحب خاں کے بیٹے سے کی تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر خانزادوں کے رشتے ناطے اکثر پٹھانوں میں ہوتے رہتے تھے چنانچہ اسی تعلق کی وجہ سے صاحب خاں معہ اہل و عیال قلعہ اندور سے سانٹھا واڑی میں آکر آباد ہو گیا۔

چونکہ محمد خاں مذکور سے اپنی تمام اراضی کی کاشت کا انتظام نہ ہو سکتا تھا اس وجہ سے اس نے صاحب خاں کو بلا کر اپنے پاس آباد کیا تھا صاحب خاں نے اس موضع میں قاضی محمد یوسف جس کو اب سوختہ سید بھی کہتے ہیں۔ ٹھاکر بہار الدین۔ سلیم خاں۔ اسلام خاں۔ شیر خاں۔ راؤ کھرت۔ بیرم خاں۔ بوہا۔ سوندھو ڈیکروت میوان کو آباد کیا۔ جن کی اولادیں آج تک یہاں آباد ہیں۔ کچھ ان میں سے تا نگل مبارکپور میں جا کر آباد ہو گئے صاحب خاں خانزادے کی آبادی کے وقت موضع سانٹھا واڑی تحصیل یا پرگنہ کہلاتا تھا اور پرگنہ کے حاکم کو عامل بولتے تھے۔ فیروز پور جھرکا۔ ساکرس۔ پنگواں۔ اومرا۔ جھمراوٹ اوجینہ اندور۔ خان پور گھڑہ مواضعات بھی اس زمانہ میں پرگنے تھے کتاب آئین اکبری میں ابوالفضل نے سانٹھا واڑی کو تحصیل یا پرگنہ لکھا ہے جس کی نقل شیخ محمد مخدوم صاحب نے بھی اپنی کتاب مرقع الور اور ارژنگ تجارہ میں کی ہے سانٹھا واڑی کی تحصیل سرکار تجارہ کے ماتحت تھی۔

صاحب خاں کے بیٹے فیروز خاں نے سمت ۱۵۱۳ بکرمی میں نلیا و بلیا خاکروب۔ حیا تا دہیرا دو بہائی قوم تیلی کرم چند چمار۔ ہر کشن برہمن راجو کمہار۔ اور ستوا۔ حجام کو اپنے کاروبار اور خدمت گزاری کے لئے یہاں پر آباد کیا تھا جن کی اولادیں اب یہاں پر آباد ہیں۔

موجودہ وقت میں نمبرداری اور بسوہ داری خانزادوں اور میوؤں کی ہے ایک نمبرداری مولف تاریخ ہذا کے خاندان میں ہے اور دوسری میوؤں کی ہے"

خوش قسمتی سے ان دو نو ہمسایہ قوموں کے باہمی تعلقات مخلصانہ اور دوستانہ ہیں ہر ایک خوشی یا رنج کی تقریب میں ایک دوسرے کے ہاں برابر شامل ہوتے ہیں اور موجودہ زمانہ کی بس بھری ہوا نے ابھی تک یہاں کے باشندوں میں کوئی تعفن پیدا نہیں کیا ہے"

اس اتحاد کے بانی مبانی ہمارے خیال میں صوبہ دار پنشنر محمد عمر خاں صاحب ہیں۔

اگرچہ خانزادوں کے اندر بعض دفعہ باہم بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ آج تک ہمارے اندر کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہیں آئی بلکہ صرف زبانی شکوہ و شکایت پر ہی معاملہ کو رفع دفع کر دیتے ہیں خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر اس خصوصیت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین ثم آمین۔

خانزادوں کا شجرہ نسب بہت سی کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے جس کا حال ہم پہلے بھی تمام خانزادوں کے شجرہ نسب میں لکھ چکے ہیں جن میں سے پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور نے بحوالہ پنڈت بلدیو سنگھ صاحب حکیم وحید اللہ صاحب بدایونی اپنی تاریخ وقائع راجپوتانہ کے صفحہ ۳۲ میں اور منشی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی نے اپنی تاریخ خانان میوات کے صفحہ ۱۱ میں کرشن جی سے ساہنپال عرف بہادر ناہر خاں تک بیاسی ۸۲ پشتیں درج فرمائی ہیں لیکن مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری نے اپنی تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند کے صفحہ ۵۴۳ میں کرشن جی سے ساہنپال تک صرف اٹھارہ پشتیں لکھی ہیں ہم ان دونوں صاحبان کے شجرہ کو بہادر ناہر خاں تک نقل کرنے کے بعد پھر اس سے آگے پوتھی جاگھہ و یادداشت راتایان خانزادگان میوات و شجرہ نسب خانزادگان مرتب کردہ پیرزادگان قصبہ بہرولی و چراغ دہلی وغیرہ سے مطابق کر کے ڈاکٹر صدیق احمد پسر مولف تاریخ ہذا تک درج کرتے ہیں یہ شجرہ بڑی محنت سے نہایت صفائی اور صحت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اور جس کے مستند اور معتبر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

مندرجہ بالا دونوں شجروں میں جو فرق ہے غالباً اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نجم الغنی صاحب نے اس شجرہ کو نقل کیا ہوگا جس میں صرف مشہور آدمیوں کے نام ہی لکھے گئے ہیں لیکن پنڈت جوالا سہائے صاحب نے تمام مشہور اور غیر مشہور آدمیوں کے نام درج کر دیئے ہیں اپنے اس بیان کی تصدیق و تائید کے لئے ہم سر سید احمد خاں صاحب وغیرہ کی تحریر کا حوالہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے۔

بعض مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب کے اندر ناموں کی بہت کمی پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلہ انساب کو شعروں سے اخذ کیا ہے اور شاعروں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں انہیں لوگوں کا ذکر کرتے تھے جنہوں نے کسی بڑے کام کی وجہ سے شہرت پائی ہو غیر مشہور آدمیوں کے نام شعروں میں عام

روایتوں میں نہیں پائے جاتے تھے یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلۂ انساب قائم کیا ہے اس میں سے غیر مشہور آدمیوں کے نام چھوٹ گئے ہیں)

کتاب الخطبات الاحمدیہ صفحہ ۹۴۔

سر سید صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۲۵۳ میں ایک مفصل بحث نسب ناموں پر لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

ہمارے پیغمبر کے نسب نامہ میں بھی مورخوں کا بڑا اختلاف ہے جس کی چند وجہ ہیں اول یہ کہ عرب میں شجرۂ نسب زبانی یاد رکھتے تھے لیکن تمام پشتوں کا زبانی یاد رکھنا ناممکن تھا دوم یہ کہ ایک ہی نام کے کئی کئی آدمی شجرہ میں ہونے سے مورخ دھوکے میں اڑ گئے سوئم کہ مشہور آدمیوں کے نام مورخوں نے لکھے ہیں اور غیر مشہور کا نام چھوڑ دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قاضی محمد سلیمان صاحب نے اپنی کتاب رحمت للعالمین میں حضرت آدمؑ سے رسول اللہﷺ تک اسی پشتیں لکھی ہیں۔ ایک اور صاحب نے صرف باون ہی پشتیں درج کی ہیں سر سید صاحب نے حضرت ابراہیمؑ سے رسول اللہﷺ تک اکتھر پشتیں درج فرمائی ہیں غرض ہر ایک مورخ کے شجرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے

بالکل یہی حال راجپوتوں کے اندر بھی رہا ہے ان کے قومی کبیشروں نے بھی زیادہ تر وہی نام اپنی روایتوں میں لکھے ہیں جو اپنے کاموں کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں اور باقیوں کے نام چھوڑ دیے ہیں۔ نیز راجپوتوں میں بھی ایک نام کے کئی کئی آدمی گزرے ہیں۔

شجرۂ نسب مولوی نجم الغنی والا

کرشن یا کنہیا اوتار۔ پردمن۔ انردھ۔ جتر سین۔ اگر سین۔ دھرم سین پچھپال برہم پال۔ چندر پال۔ بہن پال۔ بجے پال۔ ہتن پال والئی ہتن گڑھ علاقہ بیانہ بانند پال۔ اننت پال۔ اُدہان پال۔ انسراج۔ لکھن پال۔ سانبر پال عرف بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ خانزادگان۔ بہادر خاں والئی میوات۔ فیروز خاں والئی میوات، راجہ جلال خاں والئی میوات۔ شہاب خاں عرف صاحب خاں۔ فیروز خاں کمال خاں۔ منیر خاں۔ لال خاں شادی خاں بلوچ خاں۔ مرزا خاں۔ حاجی خاں۔ بیبکن خاں شجاعت خاں مصاحب خاں۔ اکبر خاں۔

نونخاں، شرف الدین احمد۔ مولف تاریخ ہذا۔ ڈاکٹر صدیق احمد۔ است خاں

پنڈت جوالا سہائے والا شجرہ

سری کرشن جی یا کنہیا اوتار۔ پردوامن۔ انرودھ۔ رودر۔ بجرناتھ۔ کیرت بھان۔ چتر سین۔ روی سین۔ نرمل دیو۔ متر سین۔ لکھن راج۔ سنگھہ راج۔ دہند ریج۔ بلدیو۔ ساونت رائے۔ دوارسین۔ سانول بھوپ۔ سرب جیت۔ کشن جیت۔ اندرسین۔ بھام۔ درونتر۔ دھیراجیت۔ سیل رائے۔ بھدر اسنگھ۔ دھیر کنور۔ کنتھ بھوج۔ بھن جیت۔ کمبھ کرن۔ بھدر سین۔ ساونت روی۔ دہن سنگھہ۔ کشن بھان۔ جودھا۔ چتر سین۔ بدھر یہ۔ ساونت رائے۔ چندسین۔ جہا سین۔ اکھے سین۔ بھیم سین۔ اگر سین۔ دھیرم سین۔ کشن کیرت۔ بھیم سین۔ بھوری باہ۔ اوگر راج۔ انوکل راج۔ لیکشر بیر۔ کشن بدھ۔ سوشن بدھ۔ سنگرام جیت۔ چدریتھ۔ بیم انگدھ۔ اگنی جیت۔ کشن بدھ۔ اکھے ساد

راج روپ۔ مدرسین۔ بھدرسین۔ نندرائے۔ بیرسین۔ سنت پال۔ جگت پال۔ ہٹھل پال۔ سنگرام پال کیرت پال۔ بھوج پال۔ کچھ پال اچھ پال۔ برہم پال چند پال۔ سہن پال۔ بجے پال۔ تہن پال والئ تہن گڑھ علاقہ بیانہ بابمد پال۔ اننت پال۔ دوہان پال انرج لکھن پال سانپر پال یا بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ خانزادگان۔ بہادر خاں والئ میوات۔ فیروز خاں والئ میوات۔ راجہ جلال خاں والئ میوات صاحب خاں۔ فیروز خاں۔ کمال خاں۔ سنبر خاں۔ لال خاں۔ شادی خاں۔ بلوچ خاں۔ مرزا خاں۔ عاجی خاں۔ بھیکن خاں۔ شجاعت خاں۔ مصاحب خاں۔ اکبر خاں۔ است خاں۔ نونخاں۔ شرف الدین احمد مولف تاریخ ہذا۔ ڈاکٹر صدیق احمد۔

میوات سے باہر رہنے والے چند خانزادوں کے مختصر حالات

چونکہ ماہ مارچ ۱۵۲۷ء میں بابر بادشاہ نے فتحپور سیکری کی لڑائی میں رانا سانگا کے مددگار راجہ حسن خاں والئ میوات کو شکست دیکر قتل کر دیا تھا اور باقی خانزادے سرداروں کو بھی میوات سے جلاوطن کر دیا تھا جس کی وجہ سے خانزادے لوگ صوبہ بہار۔ صوبہ۔ یو۔ پی اور راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں جاکر آباد ہو گئے اور اپنی اعلےٰ لیاقت کی بدولت وہاں بڑی بڑی جاگیروں

اور اعلیٰ اعلیٰ عہدوں کے مالک بن گئے چنانچہ آج تک وہاں پر ان لوگوں کی اولاد نہایت عزت و آبرو کے ساتھ رہتی بستی ہے جب بابر بادشاہ مر گیا۔ تو نواب بیرم خاں وزیر اعظم اکبر کی سفارش سے ہمایوں اور اکبر کے عہد میں خانزادوں کو دوبارہ میوات میں واپس آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بہت سے خانزادے میوات میں واپس آ گئے۔ لیکن بہت سے خانزادوں نے اپنی مستقل بود و باش وہیں اختیار کر لی۔ نیز مختلف اوقات میں بھی تجارت اور ملازمت کی غرض سے اپنے سابقہ بحالی بندوں کی وساطت سے اکثر خانزادے میوات سے جاتے رہے ہیں چنانچہ اضلاع پٹنہ۔ سلطان پور۔ پرتاب گڑھ۔ سیتاپور لکھنؤ۔ فیض آباد۔ بریلی اور ریاست ہائے جیپور۔ جودھپور۔ گوالیار۔ کوٹہ۔ بوندی وغیرہ میں ایک معقول تعداد خانزادوں کی آباد ہو گئی ہے۔ لیکن افسوس صوبہ بہار و صوبہ یو۔ پی وغیرہ کے خانزادوں نے کبھی اپنے تاریخی حالات لکھنے کی تکلیف گوارہ نہیں فرمائی۔ اسی وجہ سے زمانہ حال کے مورخ یہ لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ چونکہ میوات سے باہر رہنے والے خانزادوں کے حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے اس لئے لکھنے سے مجبور ہیں۔

خدا بھلا کرے منشی خداداد خاں صاحب مرحوم شاہ آبادی حال متوطن شہر عظیم آباد عرف پٹنہ کا جنہوں نے وہاں کے بعض لوگوں کے کچھ مختصر سے حالات اپنی تاریخ خانان میوات میں درج فرمائے ہیں۔ جن کو ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔

ناہر خاں متوطن موضع سرولی محلہ تجارہ حال آباد شہر پٹنہ

یہ شخص محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں شہر پٹنہ محلہ عالم گنج میں آ کر مقیم ہوا اور اپنی لیاقت اور کارگزاری کی بدولت جلد ہی شہر کا کوتوال مقرر ہو گیا اور پھر کچھ عرصے بعد افسران کی مہربانی سے اس علاقہ کا صوبہ دار مقرر ہو گیا۔ اور بادشاہ مذکور کی نمایاں خدمت بجا لایا۔

یہ شخص ہر طرح سے امیری ٹھاٹ مثل فیل و نشان و ماہی مراتب وغیرہ اپنے ساتھ رکھتا تھا رفتہ رفتہ ایک سند تحریر شدہ ۲ ماہ ربیع الاول ۲۲ سنہ جلوس والا کو تعدادی تین لاکھ درم جاگیر کی پرگنہ ربی پور سرکار حاجی پور صوبہ بہار بنام سیف الدین ولد محمد خاں کے محال سے حاصل کی۔

تاریخ سیر المتاخرین سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب ہیبت جنگ ناظم عظیم آباد اور مظفر خاں افغان سالار مہابت جنگ صوبہ دار بنگالہ کی لڑائی کے وقت نواب ہیبت جنگ کے مددگاروں میں سے

ناہر خاں مذکور اور ذوالفقار خاں خانزادگان میوات نے نہایت جانفشانی سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے چنانچہ انہیں کارگزاریوں کی بدولت نشان وعلم ونقارہ وجاگیر وغیرہ حاصل کرتے رہے۔

ناہر خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا صلابت خاں اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا لیکن افسوس اس نے تھوڑے ہی عرصے بعد سنہ ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

صلابت خاں گزشت از دار فانی — شنیدم آخر چو عہد زندگانی

خرد گفت از قلم تاریخ ایں گو — الف بنویس دو وبعدش شش دو

اس میں مادہ تاریخ تمام چوتھا مصرع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک ہزار لکھو پھر دو لکھو اس کے بعد چھ اور دو لکھو جن کے ملانے سے ۱۲۲۶ کا عدد بنتا ہے یہی سال وفات ہے۔"

ثابت خاں متوطن موضع خضر پور پرگنہ تجارہ

یہ شخص نواب شجاع الدولہ والئ لکھنؤ کے عہد میں بمقام فیض آباد وارد ہوا۔ نواب مذکور نے اس کی جوانمردی اور بہادری ملاحظہ فرما کر اس کو ستر سو سواروں کی رسالداری مع خلعت فاخرہ اور نواب ثابت خاں بہادر کا خطاب عطا فرما کر معزز وممتاز فرمایا۔ اس شخص نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں سخاوت اور بخشش کا دروازہ کھول دیا تھا جب اس سخاوت کا آوازہ میوات میں پہونچا تو بہت سے میوات کے رہنے والے لوگ لکھنؤ اور فیض آباد میں آنے شروع ہوئے اور ثابت خاں مذکور کے وسیلے سے کامیاب ہو ہو کر اپنی دل کی مرادیں پانے لگے۔

اس زمانہ میں صوبہ اودھ کے اندر بہت سے میواتی خانزادے آباد ہو گئے۔

اسی زمانہ میں میوات سے خانزادوں کا ایک رانا یعنی کبیشر بھی ثابت خاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے یہ دوہا پڑھا ؎

ثابت خاں جا دوبلی تیری کیرت لین لیس — ناہر کو ظاہر کیا کرنی کری ہمیش

اس دوہے کو سن کر ثابت خاں نے خوش ہو کر ایک تازی گھوڑا۔ ایک خلعت اور چند اشرفیاں انعام دیکر رخصت کیا۔

افسوس جن خانزادوں کے ساتھ اس نے احسان کر کے ملازمت وغیرہ دلائی تھیں انہیں کم بخت اور نالائق خانزادوں نے اس کے ساتھ سخت بیوفائی اور بد دیانتی کی اور اپنی کم ظرفی کا

ثبوت دیکر اپنے محسن کے ساتھ دغا کی جس کی وجہ سے یہ بہادر۔ خود دار اور بامروت شخص نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں اپنا گلا اپنے ہاتھ سے کاٹ کر خودکشی کرنے پر مجبور ہوگیا۔
اس کا مقبرہ شہر لکھنؤ محلہ ارادت نگر میں دریائے گومتی کے کنارے آجتک موجود ہے

(۳) خداداد خاں بن حبیب خاں متوطن سرولی پرگنہ تجارہ

یہ شخص ناہر خاں مذکور کا برادر زادہ تھا جو کہ نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں پانچ سو سواروں کا رسالدار مقرر ہوا اس کے بعد آب و دانہ کی کشش سے اس نے بمقام عظیم آباد و محلہ عالم گنج میں سکونت اختیار کی۔ اور چند روز بعد مہاراجہ رام نرائن صوبہ دار پٹنہ کی سرکار میں رسالداری کے عہدہ پر ممتاز ہوگیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد موضع محمد پور داخلی و موضع ترنی پرگنہ بہرواڑہ سرکار ترہت میں جو کہ اس کی زمینداری کا گاؤں تھا شیخ غلام فرید عامل سرکار ترہت کی دشمنی کی بدولت اس نے جام شہادت نوش کیا۔

سنہ ۱۱۸۱ھ میں مسمی صلابت خاں پسر ناہر خاں مذکور نے جو خداداد خاں کا چچازاد بھائی تھا۔ خداداد خاں کے لڑکے صاحب داد خاں کی طرف سے وکیل بن کر مہاراجہ شتاب رائے ناظم پٹنہ کی عدالت میں شیخ غلام فرید عامل مذکور کے برخلاف خون کا استغاثہ دائر کیا۔ مگر ناظم مذکور نے شیخ غلام فرید سے تین ہزار روپیہ صلابت خاں کو دلوا کر راضی نامہ کرا دیا۔ جس کی وجہ سے صلابت خاں نے اپنے دعوے سے دست برداری داخل کر دی

۴ رحیم خاں وزورا ور خاں و امیر خاں وغیرہ

رحیم خاں و زورآور خاں و امیر خاں اور دوسرے خانزادگان میوات عظیم آباد میں آکر مقیم ہوئے اور سلاہم اور گھوڑوں کی سوداگری سے اپنی بسر اوقات کرتے رہے اور اسی طرح ایک عرصے تک اپنا کاروبار خوش اسلوبی سے چلاتے رہے ان میں سے رحیم خاں مذکور زمانہ کی بے رحمی سے تنگ آکر تلاش معاش کے عظیم آباد سے شرقی اضلاع کی طرف چلا گیا۔ لیکن حسب مرضی اچھا عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے .. اختیار کرکے .. اشتہ ہوگیا اس حالت ہو کر عظیم آباد کو واپس آگیا۔

تھے۔ رحیم خاں کے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا دلاور علی خاں تھا اور چھوٹا سمیع اللہ خاں تھا۔
ان کے علاوہ محمد رضا خاں و زوراور خاں و امام خاں یہ تینوں رحیم خاں مذکور کے داماد تھے اور امیر خاں رحیم خاں کا سالا تھا۔ جس کا مولد مرشد آباد اور مسکن عظیم آباد تھا۔

رحیم خاں مذکور کو اضلاع شرقی سے پٹنہ میں واپس آئے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ کہ کسی سردار خاں خانزادہ بعہدہ نظارت محکمہ افیون اضلاع پٹنہ و بہار و سارن ممتاز ہو کر عظیم آباد میں آیا۔ چونکہ رحیم خاں کی دوستی سردار خاں مذکور سے اضلاع شرقی کی سکونت کے ایام میں ہو گئی تھی اس لئے سردار خاں کے توسل سے پہلے تو رحیم خاں مذکور محکمہ افیون کے پیادے سپاہیوں کا جمعدار بن گیا اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا دلاور علی خاں مقام دوبولی ضلع شاہ آباد میں داروغہ پرمٹ مقرر ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ زوراور خاں و امیر خاں وغیرہ بھی علیٰ قدر مراتب سب کے سب محکمہ پرمٹ میں ملازم ہو گئے۔ پھر تو ضلع شاہ آباد سے ضلع راج محل تک ان لوگوں کی وہ ہوا بندھی کہ کیا مجال جو کوئی مغرب یا مشرق کیطرف جانے والی کشتی ان لوگوں کو بغیر اپنی تلاشی دئے ہوئے بچ کر نکل جائے۔ غرض ان لوگوں کے خوف سے اہل کشتی کچھ نہ کچھ نذرانہ دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑانے لگے اس ذریعہ سے ان لوگوں کو بڑی معقول آمدنی ہونے لگی۔ اس محکمہ میں علاوہ خانزادوں کے جو دوسرے لوگ ہندو اور مسلمان ملازم تھے انہوں نے بھی ایسی ہی دست درازی شروع کر دی لیکن یہ لوٹ مار کب تک جاری رہ سکتی تھی۔ آخر ایک شخص نے اس معاملہ کی شکایت صدر عالیہ کلکتہ میں بھیجدی۔ جسکا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ اہالیان محکمہ پرمٹ آنے جانے والی کشتیوں کو روک کر ناجائز طور پر افیون رکھنے کی تہمت لگا کر ان سے بہت کچھ رشوت حاصل کرتے ہیں، ورنہ ناجائز طور پر اپنے گھروں میں بھی افیون رکھتے ہیں۔ اس درخواست پر کلکتہ سے حکام عظیم آباد کے پاس سخت تاکیدی حکمنامہ آیا چنانچہ تمام پرمٹ والوں کی خانہ تلاشیاں لی گئیں۔ رحیم خاں مذکور پر سب سے زیادہ شک و شبہ تھا لیکن وہ بفضلہٖ تعالیٰ صاف بچ گیا (؟) البتہ گوبند سنگھ وغیرہ دوسرے ہندو اور مسلمان لوگ ماخوذ ہو کر قید خانہ بھیجے گئے۔ اور رحیم خاں بدستور سابق اپنے عہدہ پر بحال ہو کر کام کرنے لگا۔ لیکن اس کے بعد بھی تراب خاں وغیرہ مخبروں کے بہکانے اور مخبری کرنے سے ان کے مکانات کی بار بار تلاشیاں ہونے لگیں۔ اس وجہ سے رحیم خاں وغیرہ نے اس ملازمت سے تنگ آ کر استعفاء دیدیا کچھ دن گھر پر بیکار رہے اس کے بعد اضلاع ترہت میں مواضعات کے ٹھیکوں اور پٹوں سے آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے اور سمیع اللہ خاں پسر رحیم خاں انہیں ایام میں ضلع ترہت کے اندر داروغہ فوجداری مقرر

ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۲۵۰ھ میں باہم صلاح و مشورہ سے حبیب اللہ ساکن محلہ سلطان گنج و حشمت
داد خاں اندور یا ساکن محلہ عالم گنج شہر پٹنہ کی شراکت میں رحیم خاں اور اس کے دونو بیٹوں نے
تجارت چرم شروع کر دی۔ گرد و نواح سے مال خرید کر جہاں خانزادہ مقیم شہر کلکتہ کی آڑھت میں بھیجا کر فروخت کرنے لگے جب
مر گیا تو خاں صاحبان سنہ جہ بالا نے میدان خالی پاکر پہلے تو کلکتہ میں ایک مکان کرایہ پر لیکر ۱۲۶۰ھ میں اپنی خاص آڑھت
بنالی اور پھر تجارت کی ترقی پاکر لب سڑک متصل مسجد شیخ امام علی محلہ کو لوٹولہ میں بہت سا روپیہ شراکت میں لگا کر ۱۲۷۰ھ
میں ایک کوٹھی منزلہ بڑی شان و شوکت کی تعمیر کرائی۔ پھر تو یہ تجارت بڑھتے بڑھتے اس عروج کو
پہونچی کہ شہر کلکتہ و اضلاع پٹنہ و بھاگلپور و ترہت و سارن و گورکھپور میں بھی . . . .
ان کا کاروبار جاری ہو گیا۔ اور یہ لوگ رفتہ رفتہ شہر پٹنہ میں ملک التجار و صاحب اعتبار و نامی
گرامی سوداگر مشہور ہو گئے۔ اور عرصہ دراز تک فارغ البالی اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر
کرتے رہے لیکن نیرنگئ چرخ کج رفتار اور گردش روزگار سے کارخانۂ دنیا محض بے ثبات ہے
یہ دم بھر میں حالت دگرگوں کر دیتی ہے بقول شخصے ؎

اے یاس انقلاب زمانہ کی کچھ نہ پوچھ — کر دیتا ہے یہ خاک گھڑی بھر میں کاخ کو

غرض سب سے پہلے رحیم خاں و دلاور علی خاں دونوں باپ بیٹے یکے بعد دیگرے اس دنیا سے
چل بسے اس وجہ سے ان کے حصے کا کل سامان تجارت ان کے وارثوں نے باہم تقسیم کر لیا مگر کاروبار
دلاور خاں و امیر خاں و حشمت داد خاں کا بدستور سابق شراکت میں جاری رہا اس کے کچھ عرصے
بعد دلاور خاں بھی مر گیا۔ اور امیر خاں و حشمت داد خاں پر سرکار کی طرف سے مقدمات بغاوت
قائم ہو گئے اور تمام کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔

(۶) **جہان خاں سوداگر چرم** یہ شخص حشمت داد خاں و امیر خاں وغیرہ کے عروج کے زمانہ سے پہلے نہایت نامی۔ فیاض اور ملک التجار مشہور تھا
اس کی آڑھت چرم شہر کلکتہ کے تمام گرد و نواح کے اضلاع میں جاری تھی۔ اور اس کا یہ کام نہایت
رونق پر چل رہا تھا چنانچہ شروع میں تو امیر خاں و حشمت داد خاں وغیرہ بھی اسی جہان خاں کی
آڑھت میں کام کرتے اور مال بھیجتے رہے جب ۳۰ نومبر ۱۸۴۵ء کو جہان خاں نے اس جہان
فانی سے کوچ کیا۔ تو اس کا بیٹا امام علی خاں باپ کی جگہ کاروبار تجارت کرنے لگا۔ لیکن یہ
نوجوان اور ناتجربہ کار تھا۔ اس وجہ سے کاروبار کی طرف سے اس نے بے پروائی اختیار کر کے
عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ جس سے آڑھت کے کام میں بہت حرج واقع ہو گیا اس حالت

کو دیکھ کر حشمت داد خاں و امیر خاں نے میدان خالی پاکر کلکتہ میں خود اپنی آڑھت قائم کرلی اور کوٹھی اور گودام وغیرہ تعمیر کرا لئے۔

(۷) حشمت داد خاں بن نجف خاں متوطن قصبہ اندور پرگنہ تجارہ

یہ شخص راجہ جلال خاں والئ میوات کی اولاد میں سے تھا شروع میں اس نے سنہ ۱۲۵۰ھ میں حبیب اللہ خانزادہ ساکن محلہ سلطان گنج شہر پٹنہ کی شراکت میں تجارت چرم شروع کی اور مال خرید کر جہان خاں خانزادہ مقیم کلکتہ کی آڑھت میں بھیجتا رہا انہیں ایام میں اس نے جہان خاں کے ساتھ مل کر اور کافی روپیہ لگا کر محلہ عالم گنج شہر پٹنہ میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرا دی۔ جو آج تک مسجد حشمت داد خاں کے نام سے موسوم ہے

جب سنہ ۱۸۴۵ء میں جہان خاں مذکور مر گیا اور اس کے بیٹے امام علی خاں نے اپنی ناتجربہ کاری سے اپنا کاروبار آڑھت برباد کر لیا تو میدان خالی پاکر حشمت داد خاں اور امیر خاں نے کلکتہ میں خود اپنی آڑھت چرم قائم کرلی اور پہلے تو سنہ ۱۸۴۶ء میں ایک گودام کرایہ پر لیکر کام چلایا۔ لیکن اس کے بعد اپنا گودام کا مکان اور رہنے کے لئے ایک سہ منزلہ خوبصورت کوٹھی لب سڑک محلہ کولوٹولہ میں کثیر رقم خرچ کرکے سنہ ۱۲۷۰ھ میں تعمیر کرائی پھر تو کلکتہ کے گرد و نواح کے اضلاع میں یہ لوگ ملک التجار اور نامی گرامی سوداگر مشہور ہو گئے ایک عرصے تک فارغ البالی اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے

جب سنہ ۱۲۷۶ھ میں حشمت داد خاں حج کرنے کے لئے گیا اور حج کرکے سنہ ۱۲۷۷ھ میں واپس آیا۔ تو اس نے اپنا ایک علیحدہ بھی کاروبار جاری کردیا اور سنہ ۱۲۷۸ھ میں کلکتہ سے عظیم آباد میں آکر گرد و نواح کے اضلاع میں چمڑے کے گودامات سستے نرخ پر قائم کر دئے اور کلکتہ میں بھی اپنی ایک علیحدہ آڑھت قائم کرکے کارخانہ جاری کر دیا۔ اور امیر خاں و نذر اور رخاں کے ساتھ میں بھی شراکت بدستور قائم رکھی لیکن سنہ ۱۲۸۱ھ میں نذر اور رخاں کا انتقال ہو گیا اور امیر خاں و حشمت داد خاں کے برخلاف سرکار انگریزی کو انکی بغاوت کا اور مقام ستھانے کے وہابیوں کی تائید و موافقت کرنے کا شبہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ۱۰ جولائی سنہ ۱۸۶۹ء کو بمقام کلکتہ محلہ کولوٹولہ میں کپتان برچ صاحب و ریلی صاحب نے دونوں کو ایک دوسرے کے بعد گرفتار

کر کے امیر خاں کو تو علی پور کے جیل میں رکھا اور حشمت داد خاں کو پٹنہ کے جیل خانہ میں بھیج دیا اور لالہ ایشری پرشاد انسپکٹر پولیس کو اس مقدمہ کی پیروی کے لئے مقرر کیا۔

یہ مقدمہ ایک بڑا مشہور مقدمہ تھا جس کے حالات روزانہ انگریزی اور اردو اخبارات میں بھی شائع ہو کر تمام ہندوستان میں جاتے رہتے تھے۔

اس مقدمہ میں حشمت داد خاں کے لئے ۱۳ جولائی ۱۸۷۱ء کو پرنسب صاحب سشن جج پٹنہ نے رہائی کا حکم سنا دیا۔ اور امیر خاں کے لئے ۲۰ جولائی ۱۸۷۱ء کو حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم دیا گیا۔ حشمت داد خاں نے بعد رہائی پھر اپنا سابقہ کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن چند سال بعد ہی ۵ ارجمادی الاول ۱۲۹۴ھ کو اس جہان فانی سے آخرت کا سفر اختیار کیا۔

اس کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

شکر آں منعمے کہ از بعباد — نور ایماں بداد حشمت داد
پس ازاں وقت آخری چو رسید — بے ہمہ شاد و جان شیریں داد
یک ہزار و دو صد و نود و چہار — سال تاریخ آں بہشت آباد

اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد ہی اس کا لڑکا عبداللہ خاں بھی بتاریخ ۲ شوال ۱۲۹۵ھ کو مر گیا۔ اس کی تاریخ وفات کا مادہ یغفرہٗ ہے جس کے اعداد ۱۲۹۵ ہوتے ہیں۔

امیر خاں مذکور کے وارثوں نے اس کی رہائی کے واسطے ہر چند کوشش وجاں فشانی کی چند درخواستیں بھی بہت سے امرا اور رئیسان دیار ہند کی شہادتوں اور سفارشوں کے ساتھ گورنر جنرل کی خدمت میں بامید عفو تقصیر گزرانی گئیں۔ لیکن سب نامنظور ہو گئیں اس حادثۂ جانگاہ کی وجہ سے تمام تجارت کے کارخانے درہم برہم ہو گئے اور تمام خویش واقربا اور یار دوست جو اس کارخانہ کی بدولت خوش حال و فارغ البال تھے۔ سب بیکار و مفلس ہو گئے۔ لیکن دس سال کے بعد سرکار نے از راہ رحم دلی و منصف مزاجی خود بخود امیر خاں مذکور کا قصور بہ سبب اس کی ضعیفی اور کبر سنی کے معاف کر کے قید سے رہائی بخش دی امیر خاں نے رہائی پا کر پھر کلکتہ میں اپنا سابقہ کاروبار تجارت جاری کر دیا لیکن کام شروع کیا ہی تھا کہ ناگہانی قضائے آن پکڑا آخر چند ماہ بعد ہی دنیاوی قید خانہ سے رہا ہو کر عالم جاودانی کی طرف سفر اختیار کیا۔ اس کی تاریخ وفات جو مولوی واحد علی صاحب لکھنوی نے لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے ؎

والی بنگلہ چساں پیش آمد امر ناگزیر — گم پدیدا ال در شہرہا زرنگیں پیر و جواں

ذیقعد را چوں شنبہ شد۔ ہم سیزدہ تاریخ او :: ایں واقعہ ایں حادثہ گردید واقعہ ناگہاں
یعنی امیر نامور۔ میدانی نام نامیش :: گر ضم کنی لفظ امیر اے مہرباں با لفظ خاں
بعد از رہائی خانہ بگرفت نزد مسجدے :: ہمراز آں ہمکاں ہنگام مغرب شد رواں
طے راہ مسجد مے نمود۔ آہستہ آں عالی منش :: در شاہرہ از اتفاق آمد یکے گردوں دواں
ضربے چو بر سرشاں رسید افتاد بر روئے زمیں :: برپا شد از ہر چار سو ہنگامہ شور و فغاں
خویش عدو از ہم زمیں صدا ہر سو شتاباں آمدند :: دیدند حالش ایں چنیں بردند بازا اندر مکاں
تا شم ساعت در غشی ماندند بے ہوش و حواس :: ہم دیدہ مے شد دمبدم خوں است از بینی رواں
ناگہ رسید آں وقت کو انساں مجبور است ازو :: ناچار رخت عمر شاں بربست شد سوئے جناں
کس گفت از واحد بگو۔ تاریخ سال عیسوی :: تا یاد ماند بعد ازیں تاریخ سال فوت شاں
واحد بگفتا روح او۔ رفتہ سوئے خلد بریں :: زاں بعد شد از جان و دل مصروف در تجہیز آں

۱۸۷۸ ع

واوند چوں غسل و کفن بردند اندر مسجدش :: خواندہ نماز میتش خلق خدائے دو جہاں
خویش و عزیزاں ہم چناں در پٹنہ بردن خواستند :: تا آنکہ آخر نعش شاں بر ریل گردیدہ رواں
واحسرتا چوں ریل بر اسٹیشن پٹنہ رسید :: بہر گرفتن آمدند زاں نعش ہر پیر و جواں
ہمراہ نعش آنجا شدہ، مجمع ز خویش و اقربا :: زاں جا نہادہ بر پلنگ آوردہ اندر بوستاں
کردند ادا بار دگر ایں جا نماز نعش را :: پس دفن اندر بوستاں کردند با آہ و فغاں
تاریخ ہجری واحد از کردہ بیاں پرسید چوں :: گفتا باد رضواں جناں۔ جنت مقامش شد بداں

۱۲۹۵ ہجری

اس جگہ مادۂ تاریخ (جنت مقامش شد بداں) ہے جس کے ۱۲۹۵ عدد ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ وفات ہے اور سال عیسوی کا مادّہ (روح او رفتہ سوئے خلد بریں) ہے جس کے عدد ۱۸۷۸ ہوتے ہیں یہی عیسوی تاریخ وفات ہے (نوٹ) گردوں دواں سے مطلب گھوڑا گاڑی ہے۔

افسوس حشمت داد خاں اور امیر خاں کے وہ گھر تھے جن کی بدولت میوات کے علاوہ پٹنہ اور کلکتہ کے ہزاروں پریشان روزگار اشخاص پرورش پاتے تھے اور جو قسمت کے مارے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ ان کی فیاضی اور سخاوت کی بدولت آرام و آسائش سے زندگی گزارنے لگتے تھے۔

۸۔ جیون خاں شاہ آبادی

جیون خاں بن عبداللہ خاں بن اعتقاد خاں بن سردار خاں بن لشکر خاں بن فیروز خاں تھے

گردش زمانہ سے تنگ آکر اپنا وطن مالوف چھوڑ کر مقام عظیم آباد محلہ عالم گنج صوبہ بہار میں جا کر ناہر خاں خانزادہ متوطن سرولی پرگنہ تجارہ کے مکان پر جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اپنی بود و باش اختیار کی۔ ناہر خاں مذکور نے اپنی بھتیجی جیون خاں کو بیاہ دی۔ جیون خاں کے بیٹے مرتضیٰ خان کلکتہ کالج میں عربی فارسی پڑھانے کے استاد تھے اور عباس علی خاں پسر مرتضیٰ خان ہائیکورٹ کلکتہ میں وکیل تھے چالیس سال تک برابر وکالت کرتے رہے اور کلکتہ میں ہی اپنے مکانات اور باغات وغیرہ بنا کر مستقل سکونت اختیار کرلی۔ جب سرکاری دفتر انگریزی میں ہوگیا تو اس وجہ سے عباس علی خاں وکالت کا کام انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے نہ کر سکے۔ لیکن کیمبل صاحب لفٹنٹ گورنر بنگالہ نے از راہ قدر دانی و پرورش ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۲ء میں ان کو سب رجسٹراری کا عہدہ دیکر مقام جہان آباد ضلع گیا میں سرفراز فرمایا چنانچہ وہ وہیں یکم محرم سنہ ۱۳۰۰ھ میں فوت ہو گئے۔

ان کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

وائے عباس علی مرد نکو | رفت از دنیا بفردوس جناں
بہر تاریخ وفاتش گفت دل | بے الف آور مکرر لفظ خاں

یعنی خاں کے لفظ کو بغیر الف کے دو دفعہ لاؤ۔ جن کے اعداد ۱۳۰۰ ہوتے ہیں۔ یہی سال وفات ہے عباس علی خاں کا بیٹا احسان علی خاں تھا جو سب رجسٹراری کے عہدہ پر بمقام روسڑہ ضلع دربھنگہ مقیم رہا۔ وہ بھی ۔مہر شعبان سنہ ۱۳۱۱ھ کو وفات پا گیا۔ اس کا نانا مولوی عبدالرحیم خاں صفی پوری مصنف کتاب منتہی الارب فی لغات العرب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ تھا اور اس کا ماموں مولوی محمد خاں بمقام سیمن گنج صوبہ بنگالہ ڈپٹی مجسٹریٹ رہا۔ اور اس کا چھوٹا بھائی سبحان علی خاں بمقام نوآبادہ ضلع گیا میں سب انسپکٹر رہا اور اس کا ہمشیر زادہ منشی اسمعیل خاں ولد محمد خاں جو کہ فن شعر گوئی میں اچھا کمال رکھتا تھا اور تخلص ملکت تھا۔ شہر پٹنہ میں فوجداری عدالت میں مختار رہتا اور اس کا نواسا حمیدالدین خاں جو کہ اسمٰعیل خاں کا برادر زادہ تھا۔ شہر پٹنہ تھانہ چوک کلاں میں سب انسپکٹر پولس رہا تھا اور اس کا بھائی مولوی فتح نصیب خاں پدر مؤلف تاریخ خانان میوات متوطن عظیم آباد سنہ ۱۸۶۲ء میں بعہدہ اظہار نویسی عدالت محکمہ صدر امینی شہر پٹنہ مامور ہو کر نیک نامی کے ساتھ ایک عرصے تک سرکاری خدمات انجام دیتا رہا پھر اس نے استعفاء دیکر حشمت داد خاں اندوریا کی شراکت میں تجارت چرم شروع کردی اور ۷ر شعبان سنہ ۱۲۸۲ھ

کو وفات پا گیا۔

(۹) عبدالقدیر خاں صاحب متوطن شہر پٹنہ

عبدالقدیر خاں صاحب بمقام شہر پٹنہ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۸۶۷ء مطابق ۱۴ رمضان ۱۲۸۴ھ بروز جمعہ بڑے ناز و نعمت کے خاندان میں پیدا ہوئے آپ کے والد امیر خاں صاحب بھی بہت مشہور اور متمول سوداگروں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اپنے لخت جگر عبدالقدیر خاں کو پانچ سال کی عمر میں تعلیم کے لئے بٹھایا۔ اور ایک ہوشیار اور ستودہ صفات اتالیق کے سپرد کیا گیا جس نے وہی سالقہ دستور کے موافق عربی و فارسی وغیرہ مروجہ زبانوں کی معقول تعلیم دی ابھی آپ کی عمر دس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے جد امجد حشمت داد خاں صاحب اپنے اہل خاندان کو داغ مفارقت دے گئے اور اس حادثہ جانکاہ کو صرف دس ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ کے والد کا سایہ بھی آپ کے سر سے اٹھ گیا اور اب آپ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے صرف آپکی والدہ ماجدہ ہی آپکی سرپرست رہ گئی لیکن وہ عورت ذات اور پردہ کی بیٹھنے والی تھی اس لئے انکی معاونت اور دست گیری میں کماحقہ مدد و معاون نہیں ہو سکی تھی غرض ان پے درپے صدمات سے آپ ہر قسم کی مالی اور اخلاقی مدد سے یک لخت محروم رہ گئے اگرچہ آپ کے پھوپا اور پھوپی صاحبہ ان کے پاس پٹنہ ہی میں موجود تھیں اور اپنے بھتیجے کی دستگیری انکا خاص اخلاقی فرض تھا لیکن یہ بھی آپ کی اس قابل رحم حالت میں بجائے محسن ثابت ہونیکے دشمن جان و مال ثابت ہوئے ؎

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے ۔۔ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

آپ کے پھوپا صاحب نے آپ پر ایک جھوٹا مقدمہ قائم کرادیا جس میں تمام اثاث البیت فروخت ہو کر تنگدستی اور فاقہ مستی کی نوبت پہونچ گئی ؎

مہرباں تجھ کو سمجھتے تھے ستمگر نکلا ۔۔ موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

اسی اثنا میں آپکی والدہ ماجدہ نے غضب یہ کیا کہ اسی پریشانی کے عالم میں آپکی شادی خانہ آبادی کردی۔ یک نشد دو شد پہلے تو صرف اپنے ہی پیٹ پالنے کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ لیکن اب ایک اور ہستی گلے کا ہار بن گئی اس کی ناز پروردہ حالت کو دیکھکر انہیں سخت شرم اور غیرت آئی جس سے دفعتہً ان کے خیالات نے پلٹا کھایا۔ آخر ہمت کی کمر باندھی۔ اور ادھر ادھر سے تین سو روپیہ قرض لیکر وہی اپنا آبائی پیشہ یعنی تجارت چرم شروع کردی اگرچہ تین سال تک کوئی منافع کی شکل نظر نہیں آئی۔ لیکن پھر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری۔ اور اپنا کام شوق اور تن دہی سے کرتے رہے۔

ابتدا سے یا تو اعادۂ تقدیر کہو یا معصوم اور ناز پروردہ بیوی کی خوش قسمتی سمجھو کہ اس کے کچھ

عرصے بعد ہی تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ لاکھوں روپیہ اپنی تجارت کی بدولت حاصل کر لئے مدتوں تجارت کا یہی سلسلہ جاری رہا اور کامیابی کے ساتھ تجارت چلتی رہی۔ لیکن انقلاب زمانہ سے کچھ عرصے بعد ایسی صورتیں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے تجارت مذکورہ میں نقصان ہونے لگا دشمنوں نے بھی رخنہ اندازی کی جس سے کچھ عرصے بعد اس کو مجبوراً بند کرنا پڑا۔

چونکہ آپ کے پاس ایک موضع زرخرید ہے اور ایک معقول رقم بنک میں جمع کی ہوئی ہے ان دونوں ذریعوں سے کافی آمدنی ہو جاتی ہے جس سے فارغ البالی کے ساتھ اپنی زندگی بسر فرما رہے ہیں پہلی بیوی کے انتقال ہو جانے کے بعد دوسری شادی قاضی سید عبدالرحمن صاحب صدیقی متوطن ریاست چرکھاری واقع بندیل کھنڈ کی دختر نیک اختر سے ہوئی ہے جن کے والد قاضی عبدالمجید صاحب ریاست مذکور میں تعظیمی سردار تھے۔

موجودہ بیوی کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے جو زیر تعلیم ہیں۔ پہلی بیوی کی ایک لڑکی کی شادی محمود حسن خاں صاحب رئیس اٹاوہ کے صاحبزادے عابد حسن خاں صاحب سے ہوئی تھی۔ لیکن وہ لڑکی انتقال کر گئی۔

اگرچہ آپ کے آباؤ اجداد کو میوات سے گئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن آپ کو ابھی تک میوات اور اہل میوات سے بہت محبت ہے اسی وجہ سے آپ نے ماہ اگست ۱۹۳۵ء میں ایک طویل سفر طے فرما کر میوات کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ اور یہاں کے خانصاحبان کے دلوں پر اپنے اخلاق کریمانہ کی یاد چھوڑ گئے۔"

۱۰۔ محمود حسن خان صاحب متوطن شہر اٹاوہ

آپ کے بزرگوں نے میوات سے اٹاوہ میں آکر بود و باش اختیار کی خدا کے فضل اور اپنی قوت بازو سے اس وقت آپ رؤسائے شہر میں شمار ہوتے ہیں آپ نے سرکاری عمارات وغیرہ بنوانے کے کام کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے اسی وجہ سے شہر میں عموماً آپ ٹھیکہ دار کے نام سے مشہور ہیں شہر کے اندر آپ کی ملکیت میں متعدد دکانات اور مکانات ہیں جن سے معقول کرایہ آتا ہے آپ کی ملکیت میں قلمی آموں کے دو باغ بھی ہیں جو نہایت عمدہ حالت میں ہیں جن کو راقم الحروف نے بھی ماہ اپریل ۱۹۳۵ء میں دیکھا تھا آپ کی چار موٹریں بھی کرایہ پر چلتی ہیں۔ جن پر ملازم رکھے ہوئے

ر۔ جن سے معقول آمدنی ہوتی ہے آپ کے صاحب زادے عابد حسن خاں صاحب شہر کی میونسپل کمیٹی کے وائس چیرمین ہیں۔

ٹھیکہ دار صاحب بڑے خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں۔ اور نماز روزہ وغیرہ دینی کاموں کے سخت پابند ہیں۔

۱۱۔ خانصاحب مولوی غلام محی الدین خاں صاحب شہر اٹاوہ

چونکہ ہم کو خانصاحب موصوف کے خاندانی حالات سے کچھ واقفیت نہیں ہے اور باوجود ہماری معروض کے بھی آپ نے اپنے حالات عنایت نہیں فرمائے۔ جس کا سبب ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے اس لئے ہمیں اس عدم واقفیت کا سخت افسوس ہے۔

سنا جاتا ہے آپ کے بزرگ قدیم زمانہ میں میوات سے نکل کر پہلے شہر لکھنؤ میں بسلسلہ ملازمت آباد ہوئے۔ لیکن ملازمت کو ایک غیر مستقل چیز سمجھکر کچھ عرصے بعد وہاں سے شہر اٹاوہ میں آکر بود و باش اختیار کرلی اور اب یہاں پر مستقل سکونت ہے آپ کے والد صاحب طبابت کا کام کرتے تھے اور اپنے اس فن میں حکیم حاذق مشہور تھے لیکن مولوی غلام محی الدین خاں صاحب نے اپنے آبائی پیشہ طبابت کے برخلاف ایک عرصے سے آزادی کی زندگی کو پسند فرماتے ہوئے شہر اٹاوہ سے ایک ہفتہ وار اخبار مونس نامی جاری کیا ہوا ہے اس اخبار کی پالیسی ملک و قوم کی بہتری و بہبودی کے علاوہ گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی و وفاداری خاص طور پر ہے جس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ شاہنشاہ معظم کی سلور جوبلی کے موقع پر از راہ قدر دانی گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو خان صاحب کا معزز خطاب عطا کیا گیا ہے جس کے آپ ہر طرح سے مستحق تھے خدا کرے یہ خطاب آپ کے لئے آئندہ ترقی درجات کا موجب ثابت ہو۔

افسوس آپ کے کوئی اولاد نرینہ اب تک نہیں ہے لیکن خدا کی ذات سے نا امید نہیں ہو جانا چاہئے

شعر
اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

فقط

تقاریظ و تاریخی قطعات

مُرسلہ شعرائے خوش بیان و ادبائے فصیح البیان برتکمیل تاریخ معرفہ میوات

ہر قسم کی تصانیف کے لئے تقریظ یا ریویو حاصل کرنا ایک عام دستور بن گیا ہے۔ اور بہترین تصنیف صرف وہی سمجھی جاسکتی ہے جس پر چند ادیبوں کی رائے حاصل کی گئی ہو حالانکہ یہ عمل مصنف کے لئے ایک قسم کا بدنما دھبہ ہے کہ اس کے باکمال ہونے کا دارومدار صرف دوسروں کی آراء پر منحصر ہو چونکہ ہر شخص کا معیار مختلف ہوتا ہے جس کے مطابق وہ نقد و تبصرہ کرسکتا ہے۔ اس لئے بہت ممکن ہے ان مختلف معیاروں کے زیر اثر بعض بہترین تصانیف بھی اچھی رائیں حاصل نہ کرسکیں ظاہر ہے کہ بعض مبصر کا نقطۂ نظر وہی ہوتا ہے بعض کا دنیاوی اکثر رقیبانہ اور متعصبانہ انداز سے تبصرہ کرتے ہیں اور بعض قومی اور ملکی محبت کے جوش سے ملاحظہ فرماتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آپ دیکھیں جاتے ہیں جو مختلف تقاریظ تاریخ ہذا میں درج ہیں ان کے اندر بھی ایسی جھلک صاف نظر آرہی ہے لہذا ہماری رائے میں بہترین تصنیف صرف وہی ہوسکتی ہے جس کو کسی سہارے کی اور بیرونی تعریف و توصیف کی مطلق ضرورت نہ ہو اور آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مصداق ہو۔

اگرچہ ہم اپنے اس اصول کے مطابق تقاریظ کا اندراج کچھ ضروری اور لازمی نہیں سمجھتے ہیں لیکن ہمارے جن مہربان دوستوں نے تاریخ ہذا کا مطالعہ کرنے کے بعد ازراہ خوش نودی و قدردانی اپنے محبانہ جذبات کے زیر اثر اسی پرانے طریقے پر عمل فرماتے ہوئے تقاریظ و تاریخی قطعات روانہ فرما کر ہمیں زیر بار احسان فرمایا ہے لہذا ان کے محبت بھرے جذبات کی قدر کرتے ہوئے بصد شکریہ انہیں درج کیا جاتا ہے تاکہ احسان فراموشی کا دھبہ ہم پر نہ لگنے پائے اور ہم اپنے اس فرض سے سبکدوش ہوجائیں (مؤلف)

رائے عالی از نتیجۂ فکر عالی جناب فاضل ادیب

مسٹر محمد مجیب صاحب بی اے آکسن پروفیسر ہسٹری جامع ملیہ اسلامیہ دہلی

جامعہ ملیہ دہلی

۵ر جنوری ۳۵ء

محترمی ماسٹر صاحب

اسلام علیکم حسب الارشاد میں نے آپ کی تصنیف کا مطالعہ بغور کیا آپ نے واقعی اپنی قومی تاریخ موسوم بہ مرقع میوات کی تیاری پر بہت محنت کی ہے اور بیشتر ماخذوں سے استفادہ حاصل کر کے اس کو مستند اور معتبر بنایا ہے لہذا ناظرین کے لئے خانزادہ قوم کی یہ ایک بہترین تصنیف سمجھنی چاہئے۔ لیکن راجپوتوں کے حسب ونسب کے مسائل پر جو بحث کی گئی ہے اور کتاب میں اسے جو اہمیت دی گئی ہے میرے خیال میں اسلامی نقطہ نظر سے اس کی چنداں ضرورت نہ تھی آپ کی کتاب آج ہی بذریعہ رجسٹری روانہ کر دی ہے غالباً جلد ہی مل جائے گی امید ہے آپ بخیر ہونگے

والسلام فقط (احقر مجیب)

تقریظ و تاریخ عالم بے مثال شاعر شیریں مقال

ادیب نازک خیال فاضل و اکمل جناب خان صاحب انصار رفیق محمد خاں رفیق متوطن قائم گنج

یوپی۔ تلمیذ حضرت نوح ناروی

(۱) تقریظ مع معقول — ۱۹۳۵ء عیسوی

۲۔ تاریخ مسجل — ۱۳۵۴ھ ہجری

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

میرے محترم کرم فرما جناب مولوی شرف الدین احمد خاں صاحب مسلم یادو راجپوت (خانزادہ) ہیڈماسٹر ریٹائرڈ متوطن موضع سانتھاواڑی تحصیل فیروزپور جھرکا ضلع گوڑگانوہ نے تاریخ مسلم قوم یادو راجپوت (خانزادہ) مرتب فرما کر اپنی قوم اور ملک پر بڑا احسان فرمایا ہے قوم خانزادہ اس کتاب کی جسقدر۔ قدر کرے اور مولوی صاحب ممدوح کو ان کی محنت شاقہ و جانکاہی و دماغ سوزی کی داد دے وہ کم ہے کیونکہ انہوں نے تمام ضروریات علائق دنیوی کو ترک کرکے انہاک کے ساتھ ایک شاندار قومی خدمت اور ایثار و ہمدردی کا ثبوت دیا ہے جو قابل تحسین و صد آفرین ہے

تاریخ ہذا میری نظر سے گزری۔ میں نے شروع سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا۔ اپنی نوعیت اور حیثیت کے اعتبار سے یہ بڑی دلچسپ اور کارآمد پائی گئی۔ بڑی بڑی اردو۔ فارسی اور انگریزی کی معتبر کتب تواریخ کے حوالوں سے قوم پر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ پہلے ہم کیا تھے۔ اس تاریخ کی خوبیاں مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں اگر اس کو قوم کے لئے تحفہ نادر العصر کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ تاریخ ہذا پر ایک غائر نظر ڈالنے سے قوم کو یہ اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ ہمارا مستقبل کتنا شاندار تھا اور اب ہم کیا بن گئے ہیں۔

میری رائے میں یہ تاریخ قوم خانزادہ کے لئے ایک سبق آموز کتاب ہے جو مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر جناب مولوی صاحب موصوف کو اس محنت و جانفشانی کا صلہ عظیم عطا فرمائے اور یہ تاریخ مقبول عالم ہو۔ آمین۔

چھپی تاریخ قوم خانزادہ ... اسی کی دید کے مشتاق تھے ہم
جو اک فاضل۔ ادیب و مولوی ہیں ... وہ شرف الدین احمد خان اکرم
کیا ہے قوم پر احساں انہوں نے ... لکھی تاریخ یہ مقبول عالم
کہا دل نے دفورِ خرمی سے ... ہوئی فکر بن ترتیب جس دم
جو پوچھے اے رفیق اس سے یہ کہدو ... ہے سال طبع۔ تاریخ مجسم

۱۳۵۴ - ہجری

ولہ دوم

خوشا تالیف شرف الدین احمد ... لکھی تاریخ۔ بہتر با دلائل
بجا ہے تا رشش اسلاف کہیئے ... بیاں کوئی کرے کیونکر فضائل
نہ تھی آگاہ و واقف قوم اب تک ... عیاں سب پر ہوئے سارے مسائل
رفیق اب فکر سال طبع بھی ہو ... پریشانی ہے گو اس وقت حائل
چمک اٹھے۔ جو مثل مہرِ انور ... رقم کردو وہ۔ تاریخ قبائل

۵۸۱ ... ۱۳۵۴ - ہجری

۱۹۳۵ - عیسوی

بندہ ہیچ۔ رفیق محمد خاں کان اللہ لہ

۱۳۵۴ - ہجری

تقریظ بے نظیر

خوش اسلوب جناب محمد ایوب خاں صاحب تجاروی کوارٹر ماسٹر جمعدار سپ کچھ

سٹیٹ فورس شہر بھج ریاست کچھ

ہمارے قبلہ بچے ہمدرد و محسن قوم خانزادہ جناب مولانا شرف الدین احمد خاں صاحب نے بکمال تحقیق تاریخ مسلم یادو راجپوت المخاطب بہ خانزادہ تصنیف فرمائی ہے جس سے مردہ قوم میں روح پھونک کر مسیحائی دکھلائی ہے اس تاریخ میں قوم کے کارناموں کو پڑھنے سے قومی شجاعت و بہادری کا خون جوش زن ہوتا ہے اور ہر ایک طفل خانزادہ رستم و اسفندیار بننا چاہتا ہے غرض تاریخ کیا ہے حالات خانزادگان کا آئینہ حقیقت نما ہے جس میں ان کے ہر حسن و قبح کا خط و خال صاف نظر آتا ہے اور یہ ایک ایسا فوٹو ہے جس میں ان کی پوری مجسم تصویر دکھائی دیتی ہے

آئندہ نسل کے ہونہاروں سے امید ہے کہ وہ ہمیشہ اس بزرگ ہستی کو کمال ممنونی و شکوری کی آنکھوں سے دیکھتے رہیں گے جس نے ہماری بہبودی کے لئے اپنے تمام آرام و چین کو چھوڑ کر اور کل خانگی مشاغل سے منہ موڑ کر اس عالم ضعیفی میں شبانہ روز دماغ سوزی و محنت شاقہ برداشت کر کے ایسی تاریخ تحریر فرمائی ہے جو ہمارے سلوک زندگی کے لئے چراغ ہدایت کا حکم رکھتی ہے اس کی خوبیوں کے متعلق زیادہ لکھنا فضول ہے کیونکہ (ع)

حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را ۔ اور قطعہ تاریخ ذیل پر ختم کلام ہے (قطعہ تاریخ)

کیا خوب لکھی قبلہ نے خانی تاریخ	دل چسپ بھی ہے اور پر معانی تاریخ
ہیں رستمان قوم کے اس میں قصے	اس جیسی کبھی دیکھی نہ ثانی تاریخ
بیجا نہیں گر اس کو کہو تم ایوب	یہ رتبے میں ہے حماسہ کیانی تاریخ

۱۳۶۴ ہجری

تقریظ دل پذیر

از نتیجۂ طبع منشی عالی رقم جناب ماسٹر حرنجی لال صاحب صبا بی اے شاہجہانپوری سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول راولپنڈی

شعر

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ماسٹر شرف الدین احمد صاحب نے اپنی قوم مسلم یادو بنسی راجپوت (خانزادہ) کی ایک تاریخ لکھ کر برائے مطالعہ میرے پاس روانہ کی جس کو میں نے اول سے آخر تک فرصت کے وقت میں نہایت غور کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اس قومی تاریخ میں جو بات مجھے سب سے بڑھکر قابل وقعت نظر آئی وہ یہ ہے کہ اس کے مضامین کے لئے کسی بے اصل حکایات یا فرضی قصے اور زبانی روایت سے مطلق کام نہیں لیا ہے بلکہ ہر بیان کی تشریح و توضیح کے لئے اردو۔ فارسی اور انگریزی تاریخوں سے صحیح اور معتبر حوالہ جات معہ نام کتاب و مصنف وصفحہ و مطبع وغیرہ وغیرہ ایسے معقول اور مستحکم ثبوت بہم پہونچائے ہیں، جن میں کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی خصوصاً راجپوتوں کے اعلیٰ حسب و نسب پر محمد قاسم فرشتے کے حملے کے برخلاف جو مدلل مضمون مختلف تاریخوں کے صحیح حوالوں سے دیا گیا ہے وہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے اور بڑی محنت سے تیار کیا گیا ہے جس میں فرشتہ صاحب کی تاریخ دانی کا خوب پول کھولا گیا ہے۔ تاریخ ہذا کے دلائل و براہین کو دیکھنے سے یہ پتہ بھی بخوبی چلتا ہے کہ مصنف صاحب نے کتنی محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے اور کتنے کتب خانوں اور لائبریریوں کے مطالعہ سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے جا بجا سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور ہزاروں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا ہے ایک ایک بیان کی تشریح و توضیح کے لئے متعدد حوالے دئے گئے ہیں خصوصاً قومی مدافعت والے بیان میں جس عرق ریزی سے جذبانہ پیرائے میں

ہیں غیر مہذبوں کے حملوں کے جوابات دئیے گئے ہیں وہ آپ کا اور صرف آپ کا حصہ ہے۔

بیشک اس کام کی محنت شاقہ اور قدر و قیمت کا اندازہ صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جس کو اس کام سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔

مجھے یقین ہے کہ جو شخص بہ نظر انصاف اور تعصب سے خالی الذہن ہو کر اس تاریخ کا مطالعہ کرے گا وہ میرے اس صداقت آمیز ریویو کی حرف بحرف تائید و تصدیق کرنے پر مجبور ہوگا۔

آخر میں میری یہ دعا ہے کہ یہ گلدستہ لاجواب یعنی مرقع میوات نامی کتاب شائقین علم تاریخ کی واقفیت و رہنمائی کے لئے ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے اور مصنف صاحب بھی خوش حال و بامراد رہیں۔ فقط

تقریظ و تاریخ جناب حاجی دین میاں محمد حسام الدین صاحب سکنڈ ماسٹر مڈل سکول سہو والا ضلع حصار

باشندگانِ علاقہ میوات کو خوش خبری ہو کہ ماسٹر شرف الدین احمد خان صاحب شرف نے انکی واقفیت کے لئے بڑی محنت اور کوشش سے تاریخ مرقع میوات نامی تحریر فرمائی ہے اس کتاب کو میں نے اول سے آخر تک مطالعہ کیا ہے میرے خیال میں یہ ایک پہلی تصنیف ہے'' جس کے اندر علاقہ میوات کے مسلم یادو راجپوت (خانزادہ) قوم کے حالات پر شرح اور بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور آج جو قوم ایک گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے اس کے حالات کو صفحات تاریخ پر لا کر دوبارہ زندہ کر دکھایا ہے''

سب سے بڑی خوبی اس تاریخ میں یہ پائی جاتی ہے کہ اس کو صحیح اور معتبر حوالوں سے تیار کیا گیا ہے اس لئے میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ معتبر تاریخی حوالوں کا جو التزام اس تاریخ میں رکھا گیا ہے وہ آج کل کی دوسری تصنیف شدہ قومی تاریخوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔

شیخ محمد مخدوم کی ناملائم تحریر کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص ان کی تعریف نہ کرے گا لیکن باوجود اس اشتغال انگیزی کے ماسٹر موصوف نے جس متانت اور صبر آزما طریق سے ان کے

جوابات تحریر فرمائے ہیں، ان کی تعریف پر ہر شخص مجبور ہو گا میرے خیال میں یہ تاریخ ہر لحاظ سے ایک بہترین تصنیف کہی جا سکتی ہے فقط۔

تقریظ و تاریخ چکیدۂ قلم جادو رقم ناظمِ سحر البیان ناثرِ شعلہ بیاں

سخنور نامی مورخِ گرامی جناب خان اشرف احمد خاں صاحب ضیغمی کلرک دفتر بڑا دواخانہ دہلی

۱۔ تاریخ جد جادو بنسی

۱۳۵۴ - ہجری

۲۔ بدمذاقی مردمانِ طین کی — مٹ گئی تاریخ مصر و چین کی
خانزادوں کے لئے زخمی مگر — آج ہے تاریخ شرف الدین کی

۱۹۳۵ - عیسوی

۳۔ خانزادہ قوم پر یہ ہو گیا احساں بڑا — راقمِ تاریخ شرف الدین احمد خاں کا
نام ہے جس کے شرافت دینِ حق کی آشکار — جس کی صورت سے عیاں ہے خوب جمال حُبِّ خدا
مولوی و منشی و صوفی منش عالی نژاد — صاحبِ علم و عمل، ہمدردِ قوم بے ریا
وہ معلم مبتدا و منتہائے علم و فن — فیض یاب ہے جس کے دم سے قوم کا چھوٹا بڑا
قوم کی تدریس میں کی پوری عمرِ بے ثبات — ہو گیا تدریس میں سن یعنی پچپن سال کا
اب ضعیفی میں قویٰ جب ہو گئے بالکل تباہ — عمر بھر میں تھا وقت گویا بس یہی آرام کا
قومِ عزت باختہ کا آ گیا لیکن خیال — اس ضعیفی میں ہوا ثابت وہ خادم قوم کا
خانزادے اک صدی سے آج ہیں زیرِ زوال — نام تھا مشہور جن کا ملک میں کشور کشا
نام کو ان کے سمجھ کر چرخ نے حرفِ غلط — صفحۂ ہستی سے چاہا کج روی سے دے مٹا
چرخِ کج رفتار کی یہ بے لگامی دیکھ کر — بدکلامی کر رہی تھیں قوم ہائے فتنہ زا
خانزادوں کی غلامی جن کو تھی حاصل کبھی — کر رہے تھے ان پہ وہ ناپاک حملے بے حیا
لیکن اس مردِ خدا نے اس اخیری عمر میں — دانت کھٹے ہو گئے ان کو جواب ایسا دیا

خانزادے کون تھے کیا تھے کہاں سے سمجھ لیں / آئینہ اک روبرو ان کے نمایاں کر دیا
حکمرانی ملک کی ان کی لونڈی تھی کبھی / اور شجاعت ان کے در پر مجرا کرتی تھی ادا
اس میں شمہ بھر نہیں ہے افترا اور جھوٹ کچھ / صاحب موصوف نے سب کچھ مدلل ہے لکھا
ناڈو، ملاوا فرشتہ، ہیکٹ و بجنم الغنی / ہیں ذکار اللہ و جوالاشاہد ان بے ریا
گوت جادو بنس ہے اولاد نا ہر خان ہیں / کانپتے تھے نام سے جن کے شہان فتنہ زا
رستم و سام و نریمان پہلتن سہراب و زال / نامور فارس کا فردوسی نے ان کو ہے لکھا
شاعری کے استعارے اور تلمیحات پر / ہے شجاعت ان کی بالی کچھ نہیں انکے سوا
خانزادوں کی شجاعت پاک ہے اس عیب سے / ان کا ہر اک حال تاریخوں سے ثابت ہو چکا
دینے کو داد فصاحت راقم تاریخ کو / فکر کچھ تاریخ کا لاحق مرے دل کو ہوا
بولا ہاتف فکر سال طبع زخمی کچھ نہ کر / شاہنامہ خانزادوں کا مسلم ہو گیا

۱۳۸۴ - ہجری

تقریظ سعادت آثار

نیک کردار چوہدری عبد الستار خاں صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر

اینگلو ورنیکلر مڈل سکول قصبہ پنہانہ ضلع گوڑگانوہ

مسلم جادو راجپوت (خانزادہ) قوم کشتریوں کے مشہور خاندان چندر بنسی سے متعلق ہے جس کے واقعات سے فارسی اور اردو تواریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مگر علیحدہ کوئی تاریخ موجود نہ تھی اس لئے مجھے عرصہ دراز سے یہ خیال دامنگیر تھا کہ کوئی ایسا ہونہار شخص اس قوم میں پیدا ہو جو اس قوم کی ایک مفصل تاریخ مرتب کرے۔ اس رب دو عالم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس پس ماندہ اور گمنام قوم میں ایک ایسی ہی پیدا ہوئی جس نے مرقع میوات کے نام سے مسلم جادو راجپوت (خانزادہ) قوم کی ایک بسیط

تاریخ مرتب کی۔ وہ مقتدر ہستی مولوی شرف الدین احمد صاحب شرف متوطن موضع سانٹھاواڑی ہے جس نے تاریخ مذکورہ بالا کا پورے طور پر مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف نے تاریخ کے مرتب کرنے میں بےحد کاوش و جانفشانی کی ہے کل تاریخ میں شروع سے آخر تک کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں جس کے لیے کسی نہ کسی مستند تاریخ سے حوالہ نہ دیا گیا ہو یا جس کے ثبوت میں دلائل عقلی ونقلی موجود نہ ہوں میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تاریخ مرقع میوات نہ صرف مسلم جادو راجپوت (خانزادہ) قوم کے کارناموں کا ایک درخشاں و زریں مرقع ہے بلکہ میوات کے ہر اس واقعہ کو واضح کرتا ہے جو پٹھان بادشاہوں کے وقت میں ظہور پذیر ہوا۔

سب سے بڑی خوبی تاریخ میں یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں جو دوسری قوم کے لیے دل شکنی کا باعث ہو۔ اگر کسی واقعہ میں کسی مصنف سے کوئی اختلاف رائے کیا ہے تو اس کی تردید ایسے پیرایہ میں کی ہے۔

جس سے مصنف کی فضیلت اور منصف مزاجی صاف مترشح ہوتی ہے امید ہے کہ افراد قوم کے خصوصاً اور دوسرے صاحب دل اصحاب عموماً قدر دانی فرمائیں گے۔

ریویو از نتیجہ فکر جناب چوہدری منیر الدین صاحب بی اے بی ٹی قصبہ بھٹ ریاست کپورتھلہ

میں نے اپنے ایک محب کی ترغیب پر تاریخ مرقع میوات مصنفہ خانزادہ شرف الدین احمد شرف ساکنہ سانٹھاواڑی ضلع گوڑگانوہ کا مطالعہ کیا۔ اور اس نتیجہ پہ پہونچا۔ کہ اس خاموش اور پس ماندہ خطے میں بھی ایسے ایسے وسیع الواقفیت تاریخ دان موجود ہیں۔

منصف مزاج مصنف نے کسی واقعہ میں مبالغہ نہیں کیا ہر ایک واقعہ کو مستند تاریخی کتابوں کی روشنی میں لکھا ہے۔ یوں تو تاریخ ایک بہترین مجموعۂ واقعات ہے اور اس کا کوئی باب بھی خالی از دلچسپی نہیں لیکن سب سے زیادہ جن واقعات نے مجھے متاثر کیا۔ وہ قومی مدافعت اور خانزادوں کی پولٹکل شان و عظمت ہیں جن میں مصنف نے قومی خدمت کا بخوبی حق ادا کر دیا۔ مجھے امید ہے کہ خطۂ میوات کے لوگ خصوصاً اور دیگر علاقہ جات کے شائقین تاریخ عموماً اس کتاب سے استفادہ حاصل کریں گے۔

تقریظِ دل پذیر

از نتیجۂ فکر جناب حکیم محمد عمر صاحب فصیح دہلوی الوفی

آسودگانِ ارض و خفتگانِ زمین خواہ وہ انبیا و اولیا و صوفیائے کرام ہوں خواہ سلاطین عظامِ اسلام ہوں۔ ان سب کے مکمل حالات و واقعات حیات و ممات وغیرہ السنہ مروجہ مختلفہ کے ذریعہ کتب صغار و کبار سیر، نسخہ ہائے عالیہ تواریخ و وقائع روزنامچوں۔ علمی بیاضوں رسالوں اور اخباروں وغیرہ میں کم و بیش تحریر و مسطور ہیں۔ چنانچہ میں جانتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ کہ فی زماننا اقلیم ہند کے خطۂ راجپوتانہ واقعہ میان دوآب میں ملکِ میوات کی دیرینہ رہنے بسنے والی مشہور و معروف اور نامور نومسلم قوم خانزادہ کی کمنام ہسٹری کو حتی الوسع تلاش کرکے بنی نوعِ انسان کے روبرو رکھنے کی سعی فراواں ہو رہی ہے

چونکہ یارِ نیکوکار۔ وفا شعار۔ سعادت قرین منشی شرف الدین احمد صاحب یاد و سلمہ اللہ العلی الصمد ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر متوطن موضع سانٹھاواڑی ضلع گوڑگانوہ نے عالم کے تاریخی باغ و بستاں میں گلگشت کرکے نہایت محنت اور تجسس سے اپنے قومی اشجار پر اثمار کے صحیح و مخفی تاریخی اوراق کے ذریعہ عمدہ سے عمدہ، بہتر سے بہتر، برتر سے برتر اچھے سے اچھے پھولوں کو چن کر تر و تازہ۔ سرسبز۔ لہلہاتا۔ رنگین عنبریں ایک نایاب۔ نادر گلدستۂ تاریخ یعنی مرقع میوات نامی تیار کرکے شائع کرادی ہے جس کی اشاعت کی بدولت ایک تاریخی یارِ غار کی محنت ٹھکانے لگی۔

لہٰذا امید ہے کہ دوسرے یارانِ فنِ تاریخ و عام شائقین اس کی خوش کن نظارہ بازی مطالعہ کے وقت اس سے لذت یاب و بہرہ اندوز ہونگے، فقط۔

تقریظ و تاریخ ادیبِ سخنور جناب منشی غلام سرور خاں صاحب منشی فاضل سکول ماسٹر قصبہ نگینہ ضلع گورگانوہ

سنہ ہے برآمد و بازارِ تیرگی بشکست — گلے شگفت و ہیا ہوئے خار آخر شد

قبلہ منشی شرف الدین صاحب کی یہ تصنیف الموسوم بہ مرقع میوات لاریب اس لحاظ سے میوات کی پہلی تصنیف کہی جا سکتی ہے کہ ایسی جامع کتاب حالات میوات میں آجتک کسی دوسرے اہل قلم کی طرف سے شائع نہیں ہوئی۔ اگرچہ پیشتر ازیں اس میدان میں چند دیگر ہستیوں نے جولانی طبع دکھلانی چاہی مگر کسی کو کم مائگی کسی کو کم علمی اور کسیکو حیلہ تراشی کے باعث فسخ عزیمت کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا۔ مگر شکر ہے کہ قبلہ موصوف نے بفحوائے ؎

زادِ رہ اہل ہمت ہمتِ مردانہ است — تو ختۂ شہباز غیر از چنگل شہباز نیست

اس فرض کفایہ کو بخوبی انجام دیا

جب کسی واقعہ کو اس تاریخ میں پیش کیا ہے — تو غور و خوض سے آراستہ کر کے دکھایا ہے تاکہ حتی المقدور ہر کمینہ کش و فتنہ توز سے محفوظ رہ سکے

مجھے امید ہے کہ میں اپنے ان مختصر الفاظ کے ذریعہ صاحب تالیف فاضل موصوف کی کدو کاوش اور عرق ریزی کی داد دے سکونگا ؎

بعد از عرق ریزی دن رات — ہو گئے جمع قوم کے حالات
قدر دانوں کے واسطے اک چیز — ہے یہ سرِ دور مرقع میوات

مصرع اخیر کا تمام شعر تاریخ کا مادہ ہے جس سے ۱۹۳۵ عیسوی سن برآمد ہوتا ہے۔

ولہ دوم

سن محب وطن کے دعوے دار — اس نے کیں قوم کی ادا خدمات
عہد سابق کا لے جو افسانہ — سب سے بڑھ کر مرقع میوات

اس میں بھی کا تمام شعر مادہ ہے جس سے ۱۹۳۵ سن عیسوی برآمد ہوتا ہے۔

ولہ سوم

مرحبا قبلہ منشی شرف الدین — لایزال آپ کے ہیں احسانات
قدر دانوں کو تحفۂ نایاب — بھیج دو دے مرقع میوات

علی ہذا القیاس اس میں بھی آخر کا تمام شعر مادہ ہے جس سے وہی ۱۹۳۵ عیسوی سن برآمد ہوتا ہے

ضمیمہ

برائے اشاعت ثانی

Parvez Khanzada Rajput Mewati

LECTURER
Govt Syed Noor Muham...d Shah
Degree College [illegible]